دیوانِ تاباں

مرتب

سرورالہدیٰ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

دیوانِ تاباں

مرتب

سرور الہدیٰ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

دیوانِ تاباں

(میر عبدالحئی تاباں)

مرتب

سرورالہدیٰ

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دلّی

Deewan-E-Taban

Edited by

Sarwarul Huda

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلا ایڈیشن : 550

سنہ اشاعت : 2006

قیمت : -/210 روپے

سلسلۂ مطبوعات : 1259

ISBN: 81-7587-169-5

ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

فون نمبر : 26179657, 26103381, 26103938، فیکس: 26108159

ای۔میل : urducoun@ndf.vsnl.net.in، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع : لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد دہلی۔110006

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ اس کی کارگزاریوں کا دائرہ کئی علوم کا احاطہ کرتا ہے جن میں اردو کی ان کتابوں کی مکرر اشاعت بھی شامل ہے جو اردو زبان و ادب کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور اب نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ ہمارا یہ ادبی سرمایہ محض ماضی کا قیمتی ورثہ ہی نہیں، بلکہ یہ حال کی تعمیر اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے۔ اس سے کماحقہٗ واقفیت نئی نسلوں کے لیے بے حد ضروری ہے۔ قومی اردو کونسل ایک منضبط منصوبے کے تحت قدیم اور جدید عہد کی اردو کی تصنیفات شائع کرنے کی اس لیے بھی خواہاں ہے تاکہ اردو کے اس قیمتی علمی و ادبی سرمائے کو آنے والی نسلوں تک پہنچایا جا سکے اور زمانے کی دستبرد سے بھی اسے محفوظ رکھا جا سکے۔

عہدِ حاضر میں اردو کے مستند کلاسیکی متون کی حصولیابی، نیز ان کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، لیکن قومی اردو کونسل نے حتی الواسع اس مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ دیوانِ تاباں اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے کونسل قارئین کی خدمت میں پیش کر رہی ہے۔

اہلِ علم سے گزارش ہے کہ کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو تحریر فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں دور کی جا سکے۔

رشمی چودھری
ڈائرکٹر انچارج

دیوانِ تاباں

(میر عبدالحیٰ تاباں)

فہرست

سرِ سخن	پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی	7
مقدمہ	سرور الہدیٰ	11
میر عبدالحیٰ تاباں تذکرہ نگاروں اور ناقدین کی نظر میں		89
شعری متن دیوانِ تاباں		161
فرہنگ		403

دیوانِ تاباں

(میر عبدالحئ تاباں)

فہرست

سرِ سخن	پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی	7
مقدمہ	سرور الہدیٰ	11
میر عبدالحئ تاباں تذکرہ نگاروں اور ناقدین کی نظر میں		89
شعری متن دیوانِ تاباں		161
فرہنگ		403

انتساب

پروفیسر شمیم حنفی کے نام

اور

پروفیسر نثار احمد فاروقی کی یاد میں

سخن

اپنی تاریخ کے کھوئے ہوئے اوراق کی بازیافت کی خواہش جتنی شدید ہوا کرتی ہے اتنی ہی مشکل بھی۔ ہر دور میں لوگ اپنے نقش چھوڑ جاتے ہیں مگر یہ جانے بغیر کہ آنے والے زمانوں میں لوگ اگر انھیں ڈھونڈیں گے تو اس کا سبب کیا ہوگا۔ ہر نسل اپنے ماضی کو اپنے طور پر دریافت کرتی ہے۔ پرانے پن میں کچھ نیا اور انوکھا پن تلاش کر کے ہر عہد اپنا سلسلہ گزرے ہوئے زمانوں سے جوڑتا ہے اور اس طرح ایک تسلسل جو کھویا ہوا سا تھا عیاں ہوتا ہے اور کڑی سے کڑی جڑتی ہوئی نظر آنے لگتی ہے۔ ''تہذیب'' اسی عمل کا حاصل ہے جو انفرادی اور سماجی زندگی کے ہر پہلو میں جلوہ گری کرتی ہے۔ چنانچہ اردو ادب کے ماضی کو ہم مڑ کر دیکھتے ہیں تو زبان وادب اور اس کی روایات کے تسلسل میں ہم ایک پوری تہذیب کو جیتا جاگتا پاتے ہیں۔ ہم پتہ لگاتے ہیں کہ کون سے تار کہاں کہاں سے ٹوٹے ہیں جن کی وجہ سے کچھ خلا نظر آتے ہیں اور پھر ان ٹوٹے ہوئے تاروں کو جوڑ کر وہ تصویر بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو تھی تو ضرور لیکن نظروں سے غائب ہوگئی تھی۔

تمام زبان کی طرح اردو ادب کی تاریخ کا بھی بڑا حصہ نگاہوں سے اس وجہ سے اوجھل رہا کہ اسے زمانے کے سرد وگرم سے بچانے کے وسائل پہلے اتنے نہیں تھے اور پھر اس کی فکر مندی بھی آج پہلے سے زیادہ ہے۔ یونیورسٹیوں سے وابستہ نوجوانوں میں سرور الہدیٰ کو کئی اعتبار سے امتیاز حاصل ہے، وہ شروع سے ہی ادب، تاریخ، تہذیب کے مختلف سمتوں میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ سرگرم رہے ہیں۔ نشیب وفراز تو ہر زمانے میں آئے ہیں، آج کے مسائل اور حالات نے بھی بہت سی پیچیدگیاں پیدا کیں ہیں۔ زبانوں کی تعلیم وتدریس کا معاملہ ہو اردو کے بارے میں بہت سے

سوالات درپیش ہیں۔ ان سب کے باوجود اگر تخلیق اور تنقید کی سطح پر کچھ نئے نام اور ان کے کام ابھر کر سامنے آتے ہیں تو وہ توجہ کے مستحق بھی ہیں۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ تھوڑے عرصے کے بعد کچھ نئے نوجوان مصنف اپنی کتابوں کے ذریعے ہمارے مطالعات کا دائرہ وسیع کرتے رہتے ہیں۔

سرورالہدیٰ ابھی جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں اپنی تحقیق مکمل کر کے فارغ ہوئے ہیں مگر طالب علمی کے دوران بھی ان کی علمی و ادبی کاوشوں نے اردو کے علمی حلقوں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا ان کی مرتبہ کتاب ''دیوان اشرف علی خاں فغاںؔ'' قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان سے شائع ہو چکی ہے وہ جدید ادب سے بھی گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کی کتابیں ''نئی اردو غزل'' اور بلراج مین را کے افسانوں سے متعلق کتاب ''سرخ و سیاہ'' عصر حاضر کے ادبی منظرنامے کو اُجاگر کرتی ہیں۔ ان دونوں کتابوں کا ادبی حلقوں میں استقبال ہو چکا ہے۔

سرورالہدیٰ نے میر عبدالحیٔ تاباںؔ کے دیوان کو مرتب کرنے کی ہمت کی اور جس مشقت اور ذہانت سے انھوں نے یہ کام پورا کیا اس کا اندازہ اس پوری کتاب کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ مولوی عبدالحق نے مدتوں پہلے دیوان میر عبدالحیٔ تاباں کو مرتب کیا تھا۔ سرورالہدیٰ نے اس کو بنیاد بنا کر خدا بخش لائبریری کے نسخے سے اس کا تقابل کیا اور تصحیح کے بعد ایک قابلِ اعتبار متن مرتب کیا۔ اس ترتیب و تدوین کے طریق کار سے متعلق تمام ضروری معلومات انھوں نے اپنے مقدمہ میں فراہم کی ہے۔ مقدمہ میں تاباںؔ کے کلام کی قدر و قیمت پر اپنی رائے دی ہے۔ اس سلسلے میں تاباںؔ کے ہم عصر شاعروں کے کلام کو بھی مدنظر رکھا ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک فرہنگ بھی ہے جو آج کے قاری کے لیے لازم تھی۔ اس کام میں انھوں نے مرحوم پروفیسر نثار احمد فاروقی کے مشوروں اور ہدایتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کی خوش قسمتی ہے کہ فاروقی صاحب نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں جتنا وقت بھی انھیں ملا اس میں ان کی علمی تربیت کی جو آئندہ بھی ان

کی تحریروں میں نظر آئے گی۔ مجھے خوشی ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ اردو کے کلاسیکی ادب کے مستند متون میں ایک اور اضافہ ہو رہا ہے۔ جس سے اس دور کی زبان اور ادبی مزاج کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ہماری ادبی تاریخ کا اچھا خاصہ حصہ اسی طرح کے متون کے ساتھ ابھی تک پوشیدہ ہے۔ ان کو ڈھونڈ نکالنا اور اہلِ علم کو فراہم کرنا بہت بڑا کام ہے جس کی طرف انجمن ترقی اردو نے مولوی عبدالحق کی رہنمائی میں منظم اور منصوبہ بند توجہ دی تھی۔ اس کام کو جاری رکھنا نہایت ضروری ہے کہ پہلے کی تحقیق میں جو کمیاں رہ گئی ہیں وہ دور ہو سکیں۔ اس کے ذریعہ نئی سمتوں میں بڑھنے کے اشارے ملیں۔

سرورالہدیٰ نے اس سمت قدم بڑھایا ہے تو ان سے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ آئندہ اسی انہماک سے یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔

بتاریخ: 28/1/2006 پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی

مقدمہ

مولوی عبدالحق کی تحقیقی کاوشوں میں ایک اہم کاوش ''دیوان میر عبدالحیٔ تاباں'' کی ترتیب وتدوین بھی ہے۔ یہ دیوان 1935 میں انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد سے شائع ہوا تھا۔ آج جب ہم کلاسیکی ادب کی طرف پلٹ کر دیکھتے ہیں تو مولوی عبدالحق کی علمی وادبی خدمات کا ایک منظر نامہ سامنے آجاتا ہے۔

دیوان میر عبدالحیٔ تاباں کی اشاعت کو کم وبیش 67 سال ہو رہے ہیں۔ اُس وقت کے مقابلے میں ہماری موجودہ تحقیق زیادہ ترقی یافتہ ہوگئی ہے اور ہمیں سہولتیں بھی زیادہ حاصل ہیں۔ اس کے باوجود مولوی صاحب کا یہ تحقیقی کام آج کی تحقیق کو آئینہ دکھاتا ہے۔ دیوان تاباں میں مولوی صاحب نے چار صفحے کا مقدمہ شامل کیا جس میں تاباں کی شخصیت اور شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان قلمی نسخوں کا ذکر ہے جن سے اس دیوان کی ترتیب وتدوین میں اُنھوں نے مدد لی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''تاباں کا کلام صاف سادہ اور شیریں ہے، تخیل کی بلند پروازی نام کو نہیں، خیالات بھی کچھ گہرے یا دقیق نہیں، عشق ومحبت کی عام باتیں ہیں لیکن زبان اور بول چال کا لطف ضرور پایا جاتا ہے۔
>
> یہ نسخہ تین قلمی نسخوں سے مرتب کیا گیا ہے۔ ایک نسخہ جو سب سے ضخیم اور مکمل ہے وہ محترم پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کا عطیہ ہے۔ دوسرا ریسرچ انسٹیٹیوٹ مدراس

یونیورسٹی اور تیسرا انجمن کا ہے"۔

یہ چند جملے یوں تو تاباں کی شاعری پر سرسری تبصرہ معلوم ہوتے ہیں لیکن بڑی حد تک تاباں کی شاعری کا تعارف بھی ہیں۔ مولوی عبدالحق اپنے اس موقف کی روشنی میں تاباں کی شاعری کا تفصیلی جائزہ لے سکتے تھے لیکن اس وقت ان کے نزدیک متن کی تصحیح و ترتیب کا کام زیادہ اہم تھا۔ اُنھوں نے قلمی نسخوں کی کیفیات لکھنا بھی نہیں ضروری سمجھا۔ مولوی عبدالحق صاحب کے بیان سے واضح ہے کہ اُنھوں نے جن قلمی نسخوں سے دیوان تاباں کا متن تیار کیا ہے ان میں سب سے مکمل نسخہ برجموہن دتاریہ کیفی کا ہے۔

یہ اتفاق ہے کہ میں نے دیوان فغاں اور دیوان تاباں کا مطبوعہ نسخہ ایک ساتھ حاصل کیا تھا، میرے مرتبہ دیوان فغاں کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے شائع کردیا ہے۔ کسی عہد کی شاعری کی تعمیر و تشکیل میں صف اوّل کے ساتھ ساتھ صف دوم کے شعرا کا بھی حصہ ہوتا ہے اور کچھ عجب نہیں کہ صف دوم کا کوئی شاعر کسی پہلو سے صف اوّل کے شاعر پر فوقیت رکھتا ہو۔ چناں چہ ایک طالب علم کی حیثیت سے میں نے ان شعرا کا مطالعہ کیا ہے۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی کو مرحوم لکھتے ہوئے میرا قلم کانپ جاتا ہے۔ ان کی غیر معمولی دلچسپی کے باعث ان کی زندگی میں دیوان فغاں شائع ہوا اور مجھے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ دیوان تاباں کی اشاعت بھی وہ جلد چاہتے تھے لیکن افسوس کہ وہ ہم سے رخصت ہوگئے۔ جس میٹنگ میں دیوان تاباں کی ترتیب و تدوین کا کام میرے سپرد کیا گیا تھا اس میں پروفیسر نثار احمد فاروقی، شمس الرحمٰن فاروقی، شمیم حنفی، شارب ردولوی اور ابوالکلام قاسمی صاحبان شریک تھے۔ مجھے یاد ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اس دیوان کی نئی ترتیب و تدوین کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بنیادی نوعیت کا سوال تھا۔

اس میں شک نہیں کہ مولوی عبدالحق کا مرتبہ دیوان تاباں کئی اعتبار سے مکمل اور قابل

اطمینان ہے لیکن متن میں جو کوتاہیاں راہ پاگئیں ہیں ان کا تعلق طباعت سے بھی ہے اور متن کو عجلت میں پڑھنے سے بھی، ان کیوں کا ذکر مولوی صاحب کے حوالے سے کرنا کوئی بے ادبی نہیں ہے مگر تحقیق تو کبھی حرف آخر نہیں ہوتی۔ اس بات کی ضرورت تھی کہ دیوان تاباں کے مطبوعہ نسخے کو بنیادی نسخہ بنا کر اس کا متن تیار کیا جائے اور اس دیوان کے ساتھ ایک فرہنگ بھی شامل ہو اور ساتھ ہی تاباں کے تعلق سے تذکروں کا ایک باب قائم کیا جائے۔ یہ باتیں اس میٹنگ کے اہلِ نظر کو پسند آئیں۔ اس موقع پر پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب نے فرمایا تھا کہ کیفی صاحب کا نسخہ تو ضائع ہو چکا ہے، جن دو نسخوں کو مولوی عبدالحق نے دیکھا تھا ان کے علاوہ کوئی اور نسخہ مل جائے تو مطبوعہ نسخہ سے اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ مجھے خدا بخش لائبریری پٹنہ میں دیوان تاباں کے قلمی نسخہ کی اطلاع مل گئی تھی اور یہ نسخہ دیوان فغاں کے قلمی نسخوں سے استفادہ کے دوران ہی میں نے دیکھ لیا تھا۔ بہر حال پروفیسر نثار احمد فاروقی نے دیوان تاباں کے مطبوعہ نسخے کو بغور دیکھا میرے لگائے ہوئے نشانات دیکھے۔ یہ نسخہ جب اُنھوں نے لوٹایا تو اُن کی قلم کی لال روشنائی سے رنگین ہو چکا تھا اور مختلف مقامات پر مشورے اور اصلاحیں درج تھیں، مشکوک مقام کو بطور خاص دیکھنے کی تاکید کی تھی۔ یہ نسخہ اُن کی زندگی میں ہی بڑی حد تک تیار ہو چکا تھا مگر میری کچھ پریشانیوں کے باعث اس میں تاخیر ہوتی رہی، آخری دنوں میں جب وہ سخت بیمار تھے تو بھی مجھے اپنے مشوروں سے نوازتے رہے۔ اُنھوں نے جس طرح میری ذہنی تربیت کی ہے وہ میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے۔

خدا بخش لائبریری پٹنہ میں دیوان تاباں کا ایک قلمی نسخہ ہے، جس میں تاباں کا مکمل کلام نہیں ہے۔ یہ نسخہ الاصلاح لائبریری دسنہ کی ملکیت تھا، اس لائبریری کا ادبی سرمایہ ڈاکٹر ذاکر حسین (جو اس وقت بہار کے گورنر تھے) کی دلچسپی سے خدا بخش منتقل ہو گیا تھا۔ اس نسخے پر دسنہ لائبریری کی مُہر لگی ہوئی ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر یہ تحریر درج ہے: -

سنہ تصنیف لامعلوم

ملک کتب خانہ الاصلاح دسنہ پٹنہ

دسنہ لائبریری

از سید ابوظفر ندوی

دیوان کے آخری صفحے پر لکھا ہے

از برہان الدین عاصی تخلص

یہ بات ذہن میں آسکتی ہے کہ خدا بخش لائبریری کا قلمی نسخہ ممکن ہے ان نسخوں میں سے کسی نسخے کی نقل ہو جو مولوی عبدالحق صاحب کے پیش نظر تھے۔ لیکن یہ اس لیے درست نہیں کہ مولوی صاحب نے حواشی میں جو اختلافات نسخ درج کیے ہیں وہ اختلافات پٹنہ کے نسخے میں بعض مقام پر ملتے ہیں اور بعض مقام پر نہیں ملتے۔ یعنی خدا بخش لائبریری کے نسخے میں مختلف مقامات پر ایسے اختلافات ہیں جو مولوی عبدالحق کے کسی نسخے میں موجود نہیں ہیں۔ مطبوعہ دیوان تاباں اور خدا بخش کے قلمی نسخے سے یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

آ کبھی تو مری طرف کافر

میں ترستا ہوں دیکھ تو کب کا

خدا بخش لائبریری میں ترستا کی جگہ ''تڑپتا'' ہے۔

آ کبھی تو مری طرف کافر

میں تڑپتا ہوں دیکھ تو کب کا۔

چمک تو آئینہ اور مہر دمہ میں ہے دلے دلبر

ترا بھی ہے عجب مکھڑا اہاہا! اہاہا۔

یہ شعر نسخۂ خدا بخش میں اس طرح ہے

چکنا آئینہ میں ہے ولے دلبر تو ہے مہرد
ترا یہ ہے عجب نکھرا ااااا! اااا۔

تیری مخمور چشم اے مے نوش   جن نے دیکھا سو ہو گیا خاموش

نسخۂ خدا بخش میں خاموش کی جگہ 'مدہوش' ہے۔

تیری مخمور چشم اے مے نوش   جن نے دیکھا سو ہو گیا مدہوش

☆

سنگ طفلاں کا میں دیوانا ہوں اور گلیوں سے <u>خوش</u>   مجھ کو مجنوں کی طرح کب ہے بیاباں کی غرض

نسخۂ خدا بخش میں خوش کے مقام پر لفظ 'کام' ہے، مطبوعہ نسخے میں صفحہ 93 پر یہ شعر ملتا ہے:

مدام ہی مشبک مژگانِ یار ہے   لیکن نہ اس قدر ہے خستہ جگر کہ ہم

ایک رکن کی کمی کے باعث دونوں مصرعے وزن سے باہر ہیں، مولوی عبدالحق نے اس شعر کے تعلق سے حاشیہ میں لکھا ہے: ''اصل نسخہ میں یہ شعر اسی طرح درج ہے''۔ سوال یہ ہے کہ اصل نسخے سے ان کی مراد کیا ہے؟ ہمیں مولوی صاحب کے بیان سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے تین قلمی نسخے سے متن تیار کیا ہے اور سب سے ضخیم اور مکمل نسخہ بر جموہن دتاریہ کیفی کا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ مولوی عبدالحق نے بنیادی نسخہ کسے بنایا تھا۔ وہ نسخے میں متن کے اختلاف کو حاشیے میں مختلف نشانات کے ذریعہ درج ضرور کرتے ہیں مگر ہم یہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ یہ اختلاف کس نسخے کا ہے۔ مندرجہ بالا غزل کا شعر غالباً کسی ایک ہی نسخے میں ہوگا اور اگر تینوں نسخے میں ہے تو بھی اس کا امکان ہے کہ تینوں نسخے میں شعر اسی طرح درج ہوگا۔ مطبوعہ نسخے میں کئی ایسی غزلیں ہیں جو نسخۂ خدا بخش میں نہیں ہیں۔ مندرجہ بالا شعر جس غزل سے ماخوذ ہے وہ نسخۂ خدا بخش میں نہیں

ہے۔ لہٰذا اس شعر کو نسخۂ خدا بخش سے ملا کر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے ''مدام'' کی جگہ ''بادام'' اور ثانی مصرعہ میں ''ہے'' کے بعد ''یہ'' کا اضافہ کر کے شعر کو بامعنی بنا دیا تھا اور اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ کچھ عجب نہیں یہ شعر اسی طرح ہو اور کاتب کی غیر ذمہ داری سے شعر وزن سے خارج ہو گیا۔

بادام بھی مشبک مژگان یار ہے　　لیکن نہ اس قدر ہے یہ خستہ جگر کے ہم

اس تصحیح کو میں نے حواشی میں درج تو کر دیا ہے مگر اصل متن میں شامل نہیں کیا۔ مطبوعہ دیوان میں چند اشعار نامکمل ہیں، گمان غالب ہے کہ قلمی نسخوں میں یہ الفاظ پڑھے نہیں جا سکے۔ مولوی عبدالحق نے حاشیے میں اس تعلق سے کچھ نہیں لکھا ہے۔

پڑھتا ہے دیکھ آیت فأتو بسورة　　..

مطبوعہ نسخہ ص: 53

مخطط سادہ رہوں .... ہو کیوں کر　　کہ ہو جاتا ہے آخر کے تئیں ردی لکھا کاغذ

مطبوعہ نسخہ ص: 57

دل لگا جب یار سے تب صبر اور طاقت کہاں　　..

مطبوعہ نسخہ ص: 62

اس سے مل خواب میں جب میں نے کہا..........　　..........کم اس عیش کا اسا کہیں ہوتا ہے

☆

زمین سے فلک لگ..........................　　..

☆

کوئی باد دیتا تھا..........................　　کوئی خرچ کرتا تھا نٹ بدیا

مطبوعہ نسخہ ص: 366

لو ساقی زمیں سے فلک تک لگا   تھی خوشبوے..................سجائے ہوا

مطبوعہ نسخہ ص:367

اس امید کے ساتھ نسخۂ خدا بخش پڑھنا شروع کیا تھا کہ ان نامکمل اشعار کی تکمیل ہو جائے گی مگر مایوسی ہوئی۔ صرف ایک شعر نسخہ خدا بخش میں مل سکا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولوی صاحب نے جن نسخوں سے استفادہ کیا تھا ان میں یہ اشعار نامکمل تھے یا پڑھے نہیں جاسکے اور لازماً اُنھوں نے ان اشعار کو اصل صورت میں درج کر دیا۔ میرے سامنے بھی اور کوئی صورت نہیں تھی کہ میں بھی ان نامکمل شعروں کو اسی طرح شاملِ دیوان کروں۔ جس شعر کی تکمیل نسخہ خدا بخش سے ہو سکی وہ یہ ہے:

مخطط سادہ رویوں بیچ آ سرسبز ہو کیوں کر   کہ ہو جاتا ہے آخر کے تئیں روی لکھا کاغذ

نسخہ خدا بخش میں ان غزلوں اور اشعار کا نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی ایک نسخے میں یہ اشعار ہوں گے جو پڑھے نہیں جاسکے۔ کلاسیکی شاعروں کے یہاں ہم طرح غزلوں کی مثالیں بہت آسانی سے تلاش کی جاسکتی ہیں۔ ہم طرح غزلوں میں قافیہ اور ردیف کی مماثلت کے سبب توارد کا ہونا غیر فطری نہیں لیکن کسی ایک مضمون کی پیش کش میں لفظوں کی ترتیب اور اس کے انتخاب میں شاعر کی تخلیقی بصیرت کا اہم کردار ہوتا ہے، اسی تخلیقی بصیرت سے ہر شاعر کی انفرادیت بھی قائم ہوتی ہے۔ میرؔ اور ان کے معاصر شعرا نے فارسی شاعری کے مضامین کو اپنی غزل میں داخل کر کے اردو شاعری کے فکری سرمایے میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ اس کوشش میں شعرا نے فارسی شعر کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ انعام اللہ خاں یقینؔ کے درج ذیل شعر کو میرؔ نے آنند رام مخلصؔ کے شعر کا ترجمہ قرار دے کر ''نکات الشعرا'' میں یقینؔ کو بے بہرۂ شعر کہا ہے

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قبائے کیست کہ وا می کنیم ما
(مخلصؔ)

کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامے کا بند
برگِ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہوگیا
(یقینؔ)

لیکن میرؔ کو یہ مضمون بہت پسند آیا۔

اس گلِ تر کی قبا کے کہیں کھولے ہیں بند
رنگ گل برگ کہ ناخن ہے معطر اپنا
(میرؔ)

اخذ و استفادے کی اس روایت سے بہرحال اردو شعر و ادب کا فائدہ ہی ہوا۔ کلاسیکی شاعروں کے یہاں اپنے معاصرین کا ذکر اس زندگی کی یاد تازہ کرتا ہے جس کے بارے میں میرؔ نے کہا تھا:

نکلی ہیں اب کی کلیاں اس رنگ سے چمن میں
سر جوڑ جوڑ جیسے مل بیٹھتے ہیں احباب

میر، سودا، درد، یقین، فغاں، تاباں، بیان وغیرہ نے اپنے معاصر شعرا کے شعروں اور مصرعوں پر تضمین کی ہیں۔ میرؔ نے تاباں کے انتقال پر کہا تھا:

داغ ہے تاباں علیہ الرحمتہ کا چھاتی پہ میرؔ
ہو نجات اس کو بچارا ہم سے بھی تھا آشنا

تاباں نے انعام اللہ خاں یقین کے شعری مرتبے کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

کہا تاباں یقین نے شعر کا انداز سن میرے
مقابل آج اس کے کوئی آسکتا ہے کیا قدرت
سن یقین کے مصرعے رنگیں کو تاباں جی اٹھا
پھر مروج ہو چلا دینِ مسیحا بے طرح

کسی شعر یا مصرعے سے متاثر ہو کر شعر کہنے کی روایت کا جہاں روشن پہلو سامنے آیا وہیں اس کا ایک تاریک پہلو یہ ہے کہ ایک ہی شعر اور مصرعہ بعض مقام پر لفظ بہ لفظ اور کہیں تھوڑے فرق سے دو شاعروں سے منسوب ہو گیا۔ ان کلاسیکی شاعروں کا کلام بخط شاعر ہم تک نہیں پہنچا ہے بلکہ کاتب نے اسے محفوظ کیا تھا، اس صورت میں کاتب کی کرم فرمائیوں نے بعد والوں کے لیے دقتیں پیدا کی ہیں۔ غالبًا کلاسیکی شاعروں میں راسخ عظیم آبادی کا دیوان ہی بخط شاعر ہم تک پہنچا ہے۔ شعرا نے جو ہجو کاتب کی لکھی ہے اس کا جواز ان ہی کرم فرمائیوں میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ تاباں کے دیوان میں چند شعر اور مصرعے ایسے ہیں جو سوداؔ سے بھی منسوب ہیں۔

گل زمیں سے جو نکلتا ہے بہ رنگِ شعلہ
کون جاں سوختہ جلتا ہے تہِ خاک ہنوز

کلیات سوداؔ (مرتبہ عبدالباری آسی) جو نول کشور سے شائع ہوا تھا اس میں یہ شعر موجود ہے، کلیات سوداؔ (مرتبہ شمس الدین صدیقی) میں یہ شعر حاشیے پر درج ہے۔ کلیات سوداؔ (مرتبہ ڈاکٹر امرت لعل عشرت) میں بھی یہ شعر موجود ہے۔ پروفیسر محمد حسن کا مرتب کردہ کلیات سوداؔ میں یہ شعر نہیں ہے لیکن انھوں اس بابت اپنے مقدمے میں کچھ لکھا نہیں ہے۔ میں نے بہت امید کے ساتھ انتخاب سوداؔ، مرتبہ رشید حسن خاں کا مطالعہ شروع کیا مگر افسوس کے اس میں بھی یہ شعر نہیں ہے لیکن رشید حسن خاں نے سوداؔ کے الحاقی کلام کے تعلق سے چند بنیادی باتیں لکھی ہیں جن سے اس شعر کے تعلق سے بھی کوئی بات احتیاط کے ساتھ کہی جا سکتی ہے۔

> ''انڈیا آفس لندن کے ذخیرۂ مخطوطات میں کلام سوداؔ کا وہ نادر مخطوطہ ہے جس کی کتابت سودا کی زندگی کے بالکل آخری زمانے میں ہوئی تھی یہ بیش قیمت خطی نسخہ سوداؔ کے ایک ممدوح رچرڈ جانسن کو نذر کیا گیا تھا جو اودھ میں نائب رزیڈنٹ اور قائم مقام ریزیڈنٹ رہ چکا ہے''۔

یہ نسخہ کئی اعتبارات سے اہم ہے، ان میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ الحاقی کلام سے پاک ہے جب کہ مطبوعہ نسخوں میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ دوسروں کا کلام بھی سودا کے نام سے ان میں شامل کر دیا گیا ہے۔ (انتخاب سودا،ص: 30-29)

رشید حسن خاں کے اس اقتباس سے واضح ہے کہ جو مطبوعہ نسخہ سامنے آیا وہ انڈیا آفس لندن کے مخطوطے کی بنیاد پر تیار نہیں کیا گیا ورنہ دوسرے شاعر کا کلام سودا سے منسوب نہ ہوتا۔ رشید حسن خاں نے یہ بھی لکھا ہے کہ انڈیا آفس کا یہ نسخہ سودا کا پورا کلام نہیں ہے۔ اس میں کاتب کی کرم فرمائیوں کے سبب دوسروں کے اشعار بھی سودا کے کلام میں شامل ہو گئے ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں محمد حسن کا مرتب کردہ کلیاتِ سوداؔ پہلا ایسا نسخہ ہے جو انڈیا آفس لندن کے نسخے پر مشتمل ہے اور اس سے یہ شعر سودا کا نہیں بلکہ تاباں کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر شمس الدین صدیقی نے بھی احتیاطاً اس شعر کو اپنے مرتب کردہ کلیات سودا کے حاشیے پر درج کیا ہے۔ یہ اتفاق ہے کہ میرؔ، قائمؔ اور مصحفیؔ نے اپنے تذکرے میں اس شعر کو نہ تو سوداؔ کے حوالے سے اور نہ ہی تاباں کے حوالے سے لکھا ہے۔ ورنہ اس سے بھی کچھ مدد مل سکتی تھی، ایک ایسا شعر جو اتنا خوبصورت اور بامعنی ہے اسے سودا کا قرار دیا جائے یا تاباں کا؟ ظاہر ہے کہ تحقیق میں جانب داری کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تحقیق کا بنیادی سروکار تو ایماندارانہ جستجو سے ہے۔ ایک اچھا شعر کسی شاعر کی ادبی زندگی کا ضامن بن جاتا ہے اور لوگ مدتوں یاد کرتے ہیں، کیا اس شعر کو پڑھ کر غالب کا شعر یاد نہیں آتا

گل زمیں سے جو نکلتا ہے بہ رنگِ شعلہ
کون جاں سوختہ جلتا ہے تہِ خاک ہنوز

☆

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

(غالبؔ)

اگر انڈیا آفس لندن کے نسخے کو الحاقی کلام سے پاک تسلیم کیا جائے جیسا کہ رشید حسن خاں اور دوسرے محققین کا خیال ہے تو اس کی روشنی میں یہ شعر

گل زمیں سے جو نکلتا ہے بہ رنگِ شعلہ
کون جاں سوختہ جلتا ہے تہِ خاک ہنوز

تاباں کا قرار پاتا ہے اور اس کا مولوی عبدالحق کے مرتب کردہ دیوان تاباں میں شامل ہونا اعتبار کا درجہ عطا کرتا ہے۔ خدا بخش پٹنہ میں جو دیوان تاباں کا قلمی نسخہ ہے اس میں بھی یہ شعر موجود ہے لیکن یہ شعر مطبوعہ دیوان تاباں اور قلمی نسخوں میں یوں ملتا ہے:

گل زمیں سے جو "نکلتے ہیں" برنگ شعلہ
کون "دل سوختہ" جلتا ہے تہِ خاکَ ہنوز

میں نے اس شعر کو دیوان تاباں میں بغیر کسی پس و پیش کے قائم رکھا ہے، درج ذیل شعر بھی کلیات سودا اور دیوان تاباں میں موجود ہے

اوروں سے چھٹے دلبر دلدار ہووے میرا
بر حق ہیں اگر پیرو کچھ تم میں کراماتیں

یہ شعر کلیات سودا، مرتبہ عبدالباری آسی میں موجود ہے۔ اس شعر کو شمس الدین صدیقی نے کلیات سودا میں حاشیے پر جگہ دی ہے۔ محمد حسن کے مرتبہ کلیات سودا میں اس شعر کا نہ ہونا اسے تاباں سے منسوب کرتا ہے۔ تاباں نے اس غزل میں سودا کے ایک مصرعے کی تضمین بھی کی ہے

سودا میں گزرتی ہے کیا خوب طرح تاباں　　دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

درج ذیل شعر بھی دیوان تاباں اور کلیات سودا میں موجود ہے:

پہنچی نہ تجھ کو ہائے مرے حال کی خبر　　قاصد گیا تھا ان نے بھی اپنی ہی کچھ کہی

کلیات سودا مرتبہ عبدالباری آسی، شمس الدین صدیقی، محمد حسن، رشید حسن خاں وغیرہ کے

مرتب کردہ کلیات سودا اور انتخاب سودا میں یہ شعر موجود ہے نکات الشعرا میں بھی میر نے اسے سودا کے باب میں رکھا ہے۔ان حقائق کی روشنی میں یہ شعر سودا کا قرار پاتا ہے۔ میں نے دیوان تاباں کے اس نئے ایڈیشن میں اسے شامل نہیں کیا ہے۔

دیوان تاباں (مرتبہ عبدالحق) میں چند ایسی کمیاں راہ پا گئیں جنھیں مولوی عبدالحق کی عدیم الفرصتی پر محمول کیا جانا چاہیے۔مرے، میرے، ترے، تیرے، یاں، یہاں، واں، وہاں، کی، کے میں امتیاز قائم نہ ہونے کی صورت میں شعر وزن سے خارج ہو جاتا ہے یا پھر تذکیر و تانیث کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ دیوان کی پہلی غزل کا پہلا شعر دیکھیے:

اے مرد خدا ہو تو پرستار بتاں کا
مذہب میں "میرے" کفر ہے انکار بتاں کا (مرے)

ہوا ہوں گم میں لشکر میں پری رویاں کے "ئی" ظالم (ہے)
کہاں ڈھونڈوں کسے پوچھوں نہیں پایا نشاں اپنا (پاتا)

تیرے غم سے نسیاں ہے یہاں تک کہ مجھ کو (ترے، یاں)
ادھر بات کہنا ادھر بھول جانا

بلبلو کیا "کروگے" اب چھٹ کر (کروگی)
گلستاں تو اجڑ چکا کب کا

یہ ستاتا ہے تو "ایک" روز میں جی دوں گا جان (اک)
آدمی میں بھی ہوں، ہے مجھ میں بھی غیرت صاحب

خاک زیریں قدم ان "کے" سے بنایا تھا مجھے (کی)
تب تو پامال بتاں ہوگی مری خاک ہنوز

اس جبہ و عمامہ سے زنداں میں نہ آؤ
رسوا نہ کرو شیخ ''جیو'' یہ شکل مقدس (جی)

''اک'' دم بھی وصل کی لذت نہیں ہوتی نصیب (ایک)
اس طرح کے بے مزہ جینے سے ہیں بیزار ہم

خوب رو ایک کا محبوب ''نہیں'' (نئیں)
ایسے ہرجائی سے ملنا خوب ''نہیں'' (نئیں)

ہر شعر کے ساتھ املا کی تصحیح دیکھی جاسکتی ہے، ایسی مثالیں دیوان تاباں میں اور بھی ہیں لیکن یہاں صرف یہ دیکھنا مقصود تھا کہ ایک عام قاری تاباں کے شعری متن کا مطالعہ کرتے وقت کن دشواریوں کا سامنا کرسکتا ہے ۔ یہ کمیاں بالکل سامنے کی ہیں اور انھیں سمجھنے کے لیے گہری تحقیقی و تنقیدی بصیرت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ دیوان تاباں کے اس نئے ایڈیشن میں ان کمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

میں نے مولوی صاحب کے مطبوعہ نسخے کو ہی بنیادی نسخہ بنایا ہے۔ اگر کسی مقام پر نسخہ خدا بخش کا کوئی لفظ زیادہ مناسب اور موزوں معلوم ہوا تو اسے ترجیح دی گئی ہے لیکن ایسا چند ہی مقامات پر ہوا ہے مطبوعہ دیوان تاباں اور نسخۂ خدا بخش میں جو اختلاف نسخ ہے اسے حاشیے پر درج کردیا گیا ہے۔ دیوان کی ترتیب میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں تھی۔ مطبوعہ دیوان میں غزل پر نمبر نہیں تھا اور نہ ہی حروف تہجی کے اعتبار سے غزل کے ثانی مصرعے کی فہرست شامل تھی اس نئے ایڈیشن میں اس کا اضافہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی شاملِ دیوان ہے، فرہنگ عامرہ، لغاتِ کشوری، نور اللغات، فیروز اللغات اور رشید حسن خاں کی کتاب کلاسیکی ادب کی فرہنگ سے استفادہ کیا ہے۔ متن میں اعراب اور اضافت لگانے کی شعوری کوشش کی گئی ہے۔

بعض ناقدین کا خیال ہے کہ اعراب اور اضافت سے معنی کا عمل متاثر ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں جب میں نے نثار احمد فاروقی صاحب سے دریافت کیا تو ان کی رائے تھی کہ متن کو اعراب اور اضافت کے ساتھ ہی تیار کرو۔ اس کے بعد کسی کا جی چاہے تو اسے آزادانہ طور پر پڑھے۔ اس میں شک نہیں کہ اضافت اور اعراب سے ادب کے عام قاری کی مشکلات کم ہو جاتی ہیں اور متن کو صحت کے ساتھ پڑھنا آسان ہو جاتا ہے، مخصوص قارئین کی بات الگ ہے۔ حاشیہ میں ن، خ نسخۂ خدا بخش کا مخفف ہے۔

کلاسیکی شعرا سے ہماری جان پہچان کا اہم وسیلہ اردو شعرا کے تذکرے ہیں۔ تذکروں کی سوانحی اور تنقیدی اہمیت کے سلسلے میں بعض اہم تحریریں سامنے آچکی ہیں۔ ان تحریروں میں ایک رویہ تذکروں کی اہمیت کو سرے سے نظر انداز کرنے کا ہے۔ دوسرا رویہ موجودہ اردو تنقید کی ترقی یافتہ شکل کو تذکروں کی تنقیدی اصطلاحوں کے سیاق میں دیکھنے کا ہے اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہماری تنقید تذکروں کی تنقید سے آگے نہیں بڑھی۔ تذکروں کے سلسلے میں متوازن رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم تذکروں سے فیض یاب بھی ہوسکیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو کہ تذکروں کے نقائص کیا ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تذکروں کی ان تنقیدی اصطلاحوں کی تفہیم کا عمل پوری مشرقی شعریات سے وابستہ ہے اس سلسلے میں ہمارے یہاں بہت کم کام ہوا ہے۔ عابد علی عابد، شمس الرحمان فاروقی، نیر مسعود اور ابوالکلام قاسمی نے اس حوالے سے قابلِ لحاظ کام کیا ہے ان تنقیدی اصطلاحوں کا تعلق شعری متن سے ہے لہٰذا اس کی تعبیر و تفسیر میں اختلافات ہوسکتے ہیں لیکن شعرا کے حالات زندگی کے سلسلے میں تذکروں کی کم دامنی کا احساس ہوتا ہے لیکن یہ بات بھی غلط نہیں کہ تذکرہ نگاروں کا مقصد شعرا کی سوانح لکھنا نہیں تھا۔ تذکروں میں شعرا کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات نہیں ملتی ہے۔ میر عبدالحیٔ تاباں کا اختصاص یہ ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کی بعض اہم شخصیات کی تاریخ قطعات وفات اپنے دیوان کے اختتام پر درج کی ہیں۔

یہ تاریخیں کہیں اور نہیں ملتیں۔

تذکرہ نگاروں نے تاباں کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے ان کی جواں مرگی پر آنسو بہائے ہیں۔ تاباں سید، نجیب الطرفین تھے اور ان کا آبائی وطن شاہ جہاں آباد تھا۔ شیفتہ و قطب الدین باطن، کریم الدین اور نساخ نے حضرت علی موسیٰ سے ان کی نسبی قرابت کا ذکر کیا ہے۔

میر حسن نے لکھا ہے:

''در وقت محمد شاہ بادشاہ مشہور است''، محمد شاہ کے اقتدار کا زمانہ 1132ھ تا 1161ھ ہے۔ اس عرصے میں اگر تاباں کو شہرت ملی تو اس کا مطلب ہے کہ وہ 1130ھ سے 1135ھ کے درمیان پیدا ہوئے۔ تاباں نے دیوان کے اختتام پر جو قطعات درج کیے ہیں ان میں آخری قطعہ علی حشمت کی وفات سے متعلق ہے اور اس کا سال 1161ھ ہے۔ اس قطعہ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تاباں 1161ھ تک زندہ رہے۔ میرؔ نے اپنے تذکرے میں تاباں کو مرحوم لکھا ہے۔ میرؔ نے اپنا تذکرہ 1165-1161ھ کے درمیان مکمل کیا تھا۔ گویا اسی پانچ سال کے عرصے میں تاباں کی رحلت ہوئی ہوگی۔ ابراہیم اور لطف نے تاباں کے انتقال کو محمد شاہ کے زمانے سے مخصوص کیا ہے۔ اگر ان دو تذکرہ نگاروں کے اس قول کو تسلیم کرلیا جائے تو تاباں کا انتقال 1161ھ کے اخیر میں ہوا ہوگا۔ میرؔ نے اپنا تذکرہ بھی 1161ھ سے لکھنا شروع کیا تھا۔

میرؔ ''نکات الشعراء'' میں تاباں سے اپنی محبت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''بسیار خوش فکر، خوب صورت، خوش خلق، پاکیزہ سیرت، معشوق و عاشق مزاج، زبان رنگینش، پاکیزہ تر از برگ گل، گلستان سخن را نازک دماغ بلبل، بافقیر یک صفائی داشت، از چندے بہ سبب کم اختلاطی ایں ہیچمداں کدورتے آمدہ بود۔ اجلش مہلت نداد کہ تلافیش کردہ آید''۔

تاباں کے سلسلے میں میرؔ کا یہ بیان کئی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔ اوّل یہ کہ میرؔ تاباں کی

خوبصورتی کا ہی ذکر نہیں کرتے بلکہ وہ سخن را نازک دماغ بلبل جیسی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں۔ میرؔ اس واقعے کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ ان کے اور تاباں کے درمیان کشیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ میرؔ نے اس خط کا ذکر بھی کیا ہے جو تاباں نے ترک شراب کے سلسلے میں دوستوں کو لکھا تھا۔ میرؔ نے تاباں سے اپنی کشیدگی اور تاباں کے خط کا حوالہ دے کر زندگی کے عام واقعات کے تئیں اپنی دلچسپی کا اظہار بھی کیا ہے۔ تذکروں کی یہ چھوٹی چھوٹی باتیں تذکروں کی اہمیت میں اضافہ کرتی ہیں۔ مصحفی نے چاندنی چوک میں ایک پارچہ فروش کی دوکان پر تاباں کی تصویر دیکھی تھی، ان کا بیان ہے:

''آمدم بر مطلب کہ اگر چہ فقیر آں یوسف ثانی را بہ سبب نہ بودن دراں دورہ کہ درعین جوانی کہ گرگ اجلش درربود، ندیداما تصویر آں آفت جاں در چاندنی چوک بر دوکان پارچہ فروش کہ مرقع تصاویر گونا گوں داشت''۔

مرزا علی لطف نے سلیمان نام کے ایک نوجوان سے تاباں کے معاشقے کا ذکر کیا ہے۔ تاباں کا ایک شعر بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے:

سلیماں کیا ہوا گر تو نظر آتا نہیں مجھ کو
مری آنکھوں کی پتلی میں تری تصویر پھرتی ہے

میرؔ نے اپنے ایک شعر میں تاباں کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے:

داغ ہے تاباں علیہ الرحمۃ کا چھاتی پہ میرؔ
ہو نجات اس کو بیچارہ ہم سے بھی تھا آشنا

میرؔ نے لفظ بیچارہ کے ذریعے تاباں کی جواں مرگی پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ میرؔ سجاد کے دیوان میں ایک غزل تاباں کے خط میں جواب میں ہے جو یہاں درج کی جاتی ہے:

عالم میں حسن کے ہے تاباں کی روشنائی
قائم بتوں کی جب تک ہے ہند میں خدائی
بعد اس کے اس کوں ہو جو معروض عرض میری
سب دلبروں میں لائق ہے جس کوں دلربائی
لکھا مرا جو مجھ کوں تو نے جواب لکھا
میں نے بھی اپنی کی تھی یاں بخت آزمائی
ظالم یہ کیا سمجھ کر لکھا ہے تو نے مجھ کو
نزدیک میرے یکساں ہے وصل اور جدائی
دیکھیں نہ جب تک آنکھیں بھر کر نظر یہ تجھ کوں
دیتا نہیں ہے تب تک کچھ ان کے تئیں دکھائی
سجاد یہ نہ نبڑا طول کلام ہرگز
کاغذ نبڑ گیا سب بس ہوئی روشنائی

میر سجاد کے یہ چند اشعار جنھیں منظوم خط بھی کہا جا سکتا ہے۔ تاباں کے حسن اور میر سجاد سے تاباں کے گہرے مراسم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ تاباں نے حشمت اور حاتم دونوں سے اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کیا ہے۔ دیوانِ تاباں مرتبہ عبدالحق میں جس مقام پر حشمت کا نام آیا ہے اس کے حاشیے میں حاتم کا نام بھی درج ہے۔ اس سے واضح ہے کہ دیوان تاباں کے قلمی نسخوں میں اس تعلق سے اختلاف ہے۔ میں نے خدا بخش کے نسخے میں حشمت کی جگہ پر حاتم دیکھا ہے۔ لفظ حاتم اور حشمت چوں کہ ایک ہی وزن میں ہے اس لیے بھی آسانی سے حشمت نے حاتم کی جگہ لے لی ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اس حوالے سے کوئی گفتگو کی ہوتی تو یہ قضیہ طے ہو سکتا تھا۔ لیکن دیوانِ تاباں پر تفصیلی اور بنیادی گفتگو کے لیے وہ وقت نہیں نکال سکے۔ گزشتہ دنوں

ذاکر حسین ایوننگ کالج لائبریری میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی ایک کتاب ''علمی نقوش'' ملی، اس میں غلام مصطفیٰ خاں کا ایک اہم مضمون ''میر عبدالحئی تاباں پر ایک نظر'' بھی شامل ہے۔ یہ مضمون پہلی مرتبہ رسالہ اردو کراچی بابت اپریل 1956ء میں شائع ہوا تھا۔ تحقیقی نقطۂ نظر سے تاباں پر یہ ایک معیاری مضمون ہے۔ میں نے اس مضمون کو'' تاباں تذکروں نگاروں اور ناقدین کی نظر میں'' والے باب میں شامل کرلیا ہے۔ غلام مصطفیٰ خاں نے اپنے مضمون میں کئی مقام پر ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی تحریر سرگزشتِ حاتم کا حوالہ دیا ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''لیکن تاباں کے حالات اور حشمت کی استادی کا زمانہ وغیرہ متعین نہیں کیا گیا۔
اسی طرح تاباں کی جن غزلوں میں استاد کا نام آیا ہے۔ وہاں نسخوں کے اختلاف
کی وجہ سے یہ فیصلہ نہیں کیا گیا کہ فلاں مقام پر حاتم چاہیے اور فلاں جگہ حشمت''۔

دیوانِ تاباں مرتبہ عبدالحق صفحہ 79 پر ایک غزل کا مقطع ہے:

اور ہی رتبہ ہوا ہے تب سے اس کے شعر کا
جب سے حشمت نے توجہ کی ہے تاباں کی طرف

حاشیے میں حاتم بھی لکھا ہوا ہے۔ غلام مصطفیٰ خاں نے یقین کی ایک غزل کا حوالہ دیتے ہوئے سرگزشت حاتم کے حوالے سے لکھا ہے۔

1157ھ میں حاتم نے اس غزل پر غزل لکھی تھی۔

دیکھ کر بلبل لب و رخسار خوباں کی طرف
منہ پھرا کر بیٹھ کر بیٹھے گلستاں کی طرف

اس غزل کے مقطعے میں حاتم نے پھر تاباں سے اپنا تعلق ظاہر کیا ہے۔

ریختے کے فن میں ہیں شاگرد حاتم کے بہت
پر توجہ دل کی ہے ہر آن تاباں کی طرف

اور تاباں نے بھی اپنی غزل میں استاد کا ذکر کیا ہے۔

اور ہی رتبہ ہوا ہے تب سے اس کے شعر کا
جب سے حاتم نے توجہ کی ہے تاباں کی طرف

مصطفیٰ خاں کے ان بیانات اور مثالوں سے واضح ہے کہ حاتم نے یقینؔ کی زمین میں غزل کہی اور مقطع کے شعر میں تاباں کی شاگردی کا ذکر کیا ہے۔ ان حقائق کے باوجود مطبوعہ دیوانِ تاباں میں حشمت کا نام شعر میں موجود ہے اور حاتم کا نام حاشیے میں درج ہے۔ میں نے دیوانِ تاباں کے اس نئے ایڈیشن میں حاتم کا نام حاشیے سے اٹھا کر حشمت کی جگہ پر رکھا ہے تاکہ حاتم کا اصل مقام حاتم کو مل سکے۔ اس میں شک نہیں کہ تاباں نے حشمت کا ذکر حاتم کے مقابلے میں زیادہ کیا ہے۔ مولوی عبدالحق اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچہ میں اپنے تلامذہ کے جو نام لکھے ہیں ان میں تاباں کا نام بھی شریک ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کے مکمل دیوان میں دو شعر ایسے پائے جاتے ہیں جن میں حاتم نے ان کی استادی کا دعویٰ کیا ہے۔

فیض صحبت کا تری حاتم عیاں ہے ہند میں
طفل مکتب تھا سو عالم بیچ تاباں ہوگیا
ریختے کے فن میں ہیں شاگرد حاتم کے بہت
پر توجہ دل کی ہے ہر آن تاباں کی طرف

تاباں کے دیوان میں بھی دو ایسے شعر موجود ہیں۔ جن میں اپنے استاد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان میں ایک شعر کا دوسرا مصرع حاتم کے مصرع سے لڑ گیا ہے۔

ریختہ کیوں نہ میں حاتم کو سناؤں تاباں
اس سوا دوسرا کوئی ہند میں استاد نہیں

اور ہی رتبہ ہوا ہے تب سے اس کے شعر کا
جب سے حاتم نے توجہ کی ہے تاباں کی طرف

لیکن ایک قلمی دیوان میں جس سے اس مطبوعہ نسخے کی ترتیب میں مدد لی گئی ہے۔ ان شعروں میں بجائے حاتم کے حشمت لکھا ہے"۔ دیوانِ تاباں ص (ب)

مولوی عبدالحق نے اپنے مختصر سے مقدمے میں تاباں کی شاعری کے اہم مسائل کی طرف اشارے کر دیئے ہیں۔ ان اشاروں سے مولوی عبدالحق کی عمیق نظر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مولوی عبدالحق تاباں کے جس مصرع کے بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ وہ حاتم کے مصرع سے لڑ گیا ہے۔ دراصل وہ شعوری کوشش کا نتیجہ ہے۔ حاتم نے اس زمین میں غزل لکھ کر مقطع کے شعر میں تاباں سے اپنی محبت اور شفقت کا جب ذکر کر دیا تھا تو تاباں نے اسی زمین میں غزل لکھ کر مقطع کے شعر میں حاتم کے مصرع کو تھوڑے سے فرق سے اپنا بنایا ہے۔

میر عبدالحئی تاباںؔ کی غزل کے مطالعے سے قبل یہ دیکھنا مناسب ہوگا کہ خود تاباں کے نزدیک شاعری کا مطلب کیا ہے؟ اور وہ اپنی شاعری کے بارے میں کیا سوچتے ہیں:

تاباں بجز تلاش نہیں شعر کا مزا
پھیکا ہے وہ طعام نہ جس میں نمک پڑے

تذکروں میں مضمون تازہ اور تلاش مضمون جیسی اصطلاحیں مختلف شعرا کے لیے استعمال کی گئی ہیں، تاباں کے نزدیک بھی شاعری میں تلاش مضمون ہی بنیادی چیز ہے۔ لفظ "تلاش" سے اُن کی مراد فکر اور زبان دانوں سے ہے، تاباں کے نزدیک تلاش و جستجو سے ہی شعر بامزہ ہوتا ہے۔ یعنی تلاش کے بغیر شعر تو ہو جائے گا مگر اس کی مثال بے نمک کھانے کی ہوگی۔

گو شاعر آساں ہیں زمینِ غزل کے سب
تاباں کو فکر شعر میں ہے آسماں کی سیر

اس شعر کو محمد حسین آزاد کے اس اقتباس کی روشنی میں پڑھیے جس میں وہ شاعر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"فی الحقیقت شعر ایک پرتو روح القدس اور فیضان رحمت الٰہی کا ہے کہ دل پر نزول ہوتا ہے مگر تمام علوم میں اس طرح حکومت کرتا ہے جیسے کوئی صاحب خانہ اپنے گھر میں پھرتا ہے۔ پانی میں مچھلی اور آگ میں سمندر ہو جاتا ہے۔ ہوا میں طائر بلکہ آسمان پر فرشتہ کی طرح نکل جاتا ہے جہاں کے مضامین چاہتا ہے بے تکلف لیتا ہے اور یہ تصرف مالکانہ اپنے کام میں لاتا ہے زہے سعادت اس کی جسے ایسے ملک معنی کی سلطنت نصیب ہو"۔ (نظم اور کلام موزوں کے باب میں)

محمد حسین آزاد نے جو بات تفصیل سے لکھی ہے تاباں اسے دو مصرعوں میں بند کر دیتے ہیں، تاباں کے شعر میں آسماں کی سیر کا مطلب نئے مضامین کی تلاش ہے۔ تاباں پہلے مصرعے میں دوسرے شعرا کو بھی شاعر آسماں کہتے ہیں لیکن وہ زمینِ غزل کے ہیں۔ "زمین غزل" کی رعایت سے "آسماں کی سیر" کا ٹکڑا طنزیہ بھی ہے اور خوبصورت بھی، اس طرح تاباں اپنے لیے "آسماں کی سیر" کی ترکیب اور دوسرے شعرا کے لیے "زمین غزل" کی ترکیب سے خود کو اعلا اور فائق ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

تاباں سے کچھ قبل ایہام گوئی کا رجحان بھی دراصل تلاش مضمون ہی کا ایک ذریعہ تھا لیکن تاباں اپنی تلاش کو ایہام سے مشروط نہیں کرتے۔ یہ اتفاق ہے کہ تاباں نے اپنے معاصر شعرا کی طرح ایہام کے سلسلے میں کسی قسم کا اظہار خیال نہیں کیا۔ اُنھوں نے آبرو، یک رنگ، ناجی، احسن اللہ اور ولی کا ذکر ایک شعر میں کیا ہے مگر اُس کا سیاق کچھ اور ہے:

آبرو، یک رنگ ، ناجی احسن اللہ اور ولی
ریختہ کہتے نہ تھے تاباں مرے سودا کی طرح

تاباں آبرو، یک رنگ، ناجی، احسن اللہ اور ولی کی زبان کو اس ریختہ سے مختلف کہتے ہیں جو سودا کے یہاں ہے۔ تاباں اپنی شاعری کی تعریف ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

دیواں ہمارا غور سے تاباں تو دیکھ تو
رکھتا ہے کب محیط یہ گنج گہر کہ ہم

جز وآہ وفغاں اس میں کچھ ذکر نہیں ہرگز
دیوان مرا تاباں کم کس ہے فغانی سے

یہ ضروری نہیں کہ تعلّی کے ان اشعار کا اطلاق تاباں کے پورے کلام پر کیا جائے، اپنے بارے میں ایسے دعوے شعرا کے یہاں عام رہے ہیں لیکن ان شعروں سے واضح ہے کہ تاباں کے نزدیک اچھی اور معیاری شاعری کا ایک پیمانہ تھا۔ انھیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ سخن سے ہی انسان کا نام زندہ رہتا ہے۔

تو ہرگز چھوڑیو مت شعر کہنا
کہ تاباں نام رہتا ہے سخن سے

کہا ہے اس زمیں میں ریختہ تاباں نے یہ ایسا
کہ کیسا ہی کوئی ہو سنگ دل اس کو رُلا دیوے

میر عبدالحئی تاباں کی شاعری کے اس مطالعہ کو تاباں کے عہد کی سیاسی، سماجی اور تہذیبی صورتحال کا مطالعہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس مطالعے سے یہ حقیقت بھی سامنے آئے گی کہ تاباں کی شاعری کا تعلق اپنے عہد سے کتنا اور کس نوعیت کا ہے۔ ادب کے سماجی اور تہذیبی مطالعے سے کچھ لوگوں کی ناراضگی غلط بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سماجی اور تہذیبی مطالعے کے نام پر کسی ادبی متن سے جو باتیں برآمد کی جاتی ہیں اور ادبی تقاضوں کو جس طرح نظرانداز کیا جاتا ہے، بہت تش

افسوسناک ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ادبی تقاضوں کی روشنی میں سماجی اور تہذیبی مطالعے کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ تاریخ، تہذیب اور ادب۔ کے رشتے پر بہت سی تحریریں سامنے آچکی ہیں۔ تاریخ، تہذیب اور ادب کے موضوع پر سوچتے اور لکھتے ہوئے متوازن انداز اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ''تاریخ'' نہ مکمل ''ادب'' ہے اور نہ ہی ''ادب'' مکمل ''تاریخ'' ہے۔ ایک عام قاری بھی کسی فن پارے کے سلسلے میں یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے سماجی اور تہذیبی حوالے کے بغیر بہتر طور پر سمجھا نہیں جاسکتا۔ لیکن ادب کا ایک حصہ ایسا بھی ہے، جس کی معنویت آفاقی اصولوں کا تقاضہ کرتی ہے مشکل وہاں پیش آتی ہے جہاں کوئی لفظ یا استعارا اپنا ایک تاریخی اور تہذیبی سیاق رکھتا ہے اور اس تہذیبی سیاق سے واقف نہ ہونے کے سبب اس کے اصل معنی تک ہماری رسائی نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہر زبان اور ادب کے تاریخی اور تہذیبی سیاق کو جاننا نہایت ضروری ہے۔ یہ تو کسی مخصوص استعارے اور علامت کی بات ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ادب اپنے تاریخی اور تہذیبی سیاق میں ہی فروغ پاتا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنی مختلف تحریروں میں اس جانب واضح اشارا کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ایسا نہیں ہے کہ ادب کو ایک سے زیادہ طریقوں سے پڑھنا ممکن نہیں ہے لیکن ہر طریقے کو انھیں تصورات پر مبنی ہونا چاہیے جو اس تہذیب میں جاری اور موجود ہوں جس نے اس ادب کو خلق کیا ہے اور اگر کسی ادب کو کسی غیر تہذیب کے تصورات و مفروضات کی روشنی میں پڑھنا بھی ہے تو پہلے اس کو اپنی تہذیب، اپنی شعریات اور رسومیات کی روشنی میں پڑھنا چاہیے تا کہ معلوم تو ہو کہ اس ادب میں کیا ہے؟ گذشتہ سو برس میں ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم لوگوں نے اپنے ادب کو غیر تہذیب کے حوالے سے پڑھا ہے اس وقت یہ عالم ہے کہ وہ شعریات ہی ہم سے کھو گئی ہے، جس کی رو سے کلاسیکی زمانے میں لوگ اپنے شعر بناتے تھے۔

کسی ادب کو سمجھنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اسے انھیں تصوراتِ شعر و تصوراتِ کائنات کی روشنی میں پڑھا جائے جس کی روشنی میں وہ ادب لکھا گیا تھا۔ لہٰذا کلاسیکی شعریات کی بازیافت کے بغیر ہم کلاسیکی ادب سے پورا معاملہ نہیں کر سکتے اور کچھ نہیں تو کلاسیکی شعریات کی بازیافت اس لیے ضروری ہے کہ ہماری شاعری پر گذشتہ سو برسوں سے جو اعتراضات ہو رہے ہیں ان کا جواب ہو سکے، تاکہ ہم اپنی کھوئی ہوئی عزتِ نفس واپس پا سکیں"۔ (شعر شور انگیز ص:75-74 جلد سوم)

ادب کو ادب سمجھ کر پڑھنے کا سلیقہ اسی وقت آ سکتا ہے جب ہم ادب سے کچھ ایسے مطالبے نہ کریں جو عموماً کسی سماجی ادارے سے کیے جا سکتے ہیں۔ ادب اپنے سماجی اور تہذیبی سروکار کے باوجود تاریخی و سماجی دستاویز نہیں ہوتا۔ ہم تاباں کے عہد سے بہت آگے نکل آئے ہیں، ہمارے کچھ اپنے مسائل اور ترجیحات ہیں۔ یہ بنیادی سوال ہے کہ آج تاباں کی شاعری کس طرح ہمیں اپنی معنویت کا احساس دلا سکتی ہے اور ہم کن وسیلوں سے تاباں کی شاعری میں اپنی زندگی اور اپنے عہد کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں؟ سچی بات یہ ہے کہ کلاسیکی شاعری سے کچھ حاصل کرنے کے لیے ایک خاص ذہنی تربیت کی ضرورت ہے۔ پروفیسر شمیم حنفی لکھتے ہیں:

"ماضی کا ادب ہمیں اس لیے اجنبی دکھائی دیتا ہے کہ اس کے تہذیبی حوالوں سے بے خبر ہوتے جا رہے ہیں اور مروّجہ ادبی تصورات سے ہماری عام بیزاری کا سبب یہ ہے کہ ہم ان تصورات میں اور اپنے تجربوں میں کسی بامعنی رشتے کے قیام کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں"۔ (قاری سے مکالمہ ص:16)

شمیم حنفی نے جس صلاحیت کے کھو جانے کا ذکر کیا ہے اس کا سبب وہ تنقید ہے جو جدید ادب کی تشریح و تعبیر کے عمل میں یہ سمجھانے کی کوشش کرتی رہی ہے کہ جدید ادب ہی ہماری

زندگی کا اصل ترجمان ہے۔ انسانی تجربات اور مشاہدات کے طویل سلسلے کو نظر انداز کر دینے کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ ہم نئے ادب کو پُرانے ادب کے ساتھ رکھ کر نہیں دیکھتے۔ انسانی تجربے اور مشاہدے کا یہ لمبا سفر بھی تاریخ اور تہذیب ہی کا حصہ ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ تاریخ اور تہذیب پر شدید حملے ہو رہے ہیں اور اپنی شرطوں پر تاریخ اور تہذیب کو سمجھنے اور سمجھانے کا عمل جاری ہے۔ ہمارے لیے اور بھی ضروری ہے کہ تعصبات سے بلند ہو کر اصل صورتحال کو سامنے لانے کی کوشش کریں۔

میر عبدالحیٔ تاباں کا زمانہ سیاسی سماجی اور تہذیبی اعتبار سے انتشار کا زمانہ تھا، بادشاہوں کے درمیان رسہ کشی اور اس کے نتیجے میں انسانی جانوں کی پامالیاں عام تھیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اس وقت مذہب نہیں تھا یا مذہبی پیشوا نہیں تھے، انسان دولت اور حکومت کے نشے میں انسانی قدروں کو فراموش کر چکا تھا۔ وہ دوسروں کو ابدی نیند سلا کر چین کی نیند سوتا تھا۔ ایسا ہی ایک فرد نادر شاہ بھی تھا جس کے بارے میں تاباں نے بڑے کرب کے ساتھ کہا ہے:

داغ ہے ہاتھ سے نادر کے مرا دل تاباں
نہیں مقدور کے جا چھین لوں تختِ طاؤس

اس شعر کا حسن پیچیدہ بیانی میں نہیں بلکہ ایک تلخ سچائی اور واقعہ کے سیدھے اور کھرے بیان میں ہے۔ اس میں جو کرب ہے وہ پورے معاشرے کا ہے۔ نادر شاہ کی تباہ کاریوں کی داستان تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ تاریخ کے ان اوراق کے ساتھ تاباں کا یہ شعر پڑھیے تو تاریخ اور ادب کے فرق کو کسی حد تک سمجھا جا سکتا ہے۔ ''نہیں مقدور کے جا چھین لوں تختِ طاؤس'' کہنے والا اپنے دور کی سیاسی و سماجی صورتحال سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ تاباں کا یہ شعر جس غزل سے ماخوذ ہے اس کو پڑھ کر ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ آخری شعر میں وقت کی اتنی تلخ سچائی سمٹ آئے گی۔ اسی میں دراصل غزل کے فن کا راز بھی پوشیدہ ہے:

مرگیا جان ترے ہجر میں ہوکر مایوس
رہ گئی دل میں مرے وصل کی حسرت افسوس
کر کے لوگوں سے حیا پردۂ فانوس میں شمع
اس طرح رہتی ہے جس طرح سے گھونگھٹ میں عروس
کیوں نہ اس غم سے مرے جل کے کہو پروانہ
شمع کے حسن کا سرپوش ہے یارو فانوس
دل مرا بسکہ ہے لبیک حرم سے بیزار
جا کے بت خانہ میں پڑھتا ہے نمازِ معکوس
داغ ہے ہاتھ سے نادر کے مرا دل تاباں
نہیں مقدور کے جا چھین لوں تختِ طاؤس

تاباں کے معاصرین میں شاید ہی کسی شاعر نے اپنی غزل میں نادر شاہ کے تعلق سے اس طرح اپنے غم و غصے کا اظہار کیا ہو، نادر شاہ 39-1738 میں دو بار ہندستان پر حملہ آور ہوا۔ 1738 میں وہ کابل جلال آباد اور پیشاور پر قابض ہوگیا۔ 1739 میں لاہور پر بھی اس کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ نادر شاہ نے جب دلی کا رخ کیا تو مغل شہنشاہ نے اس کو روکنے کے لیے نظام الملک قمر الدین خاں اور خاں دوراں کی نگرانی میں فوج روانہ کی۔ آگے چل کر سعادت خاں بھی اس میں شامل ہوگیا۔ 1739 میں مغل اور نادر شاہ کی فوجیں کرنال کے نزدیک نبرد آزما ہوئیں بہ مشکل تین گھنٹہ جنگ جاری رہی، اس جنگ میں مغل فوج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور خان دوراں کی موت ہوگئی۔ پچاس لاکھ روپے کی پیش کش کے بعد نظام الملک نے نادر شاہ کو واپس بھیجنے پر آمادہ کرلیا۔ ستم ظریفی یہ ہوئی کہ اودھ کے پہلے نواب سعادت خاں جو نظام کا خاص آدمی تھا اس نے نادر شاہ کو مشورہ دیا کہ محمد شاہ اور نظام کو وہ گرفتار کرلے۔ نادر شاہ کو سعادت خاں کی یہ رائے پسند آئی اور

20 / مارچ 1739 کو دہلی میں آ دھمکا۔ نادر شاہ کے دہلی آنے کے دو دن بعد ہی شہر میں ایک افواہ پھیل گئی کہ نادر شاہ کی موت واقع ہو گئی ہے۔ اس خبر سے شہر میں بغاوت کی صورت پیدا ہو گئی اور نادر شاہ کے 700 سپاہی مار دیے گئے۔ نادر شاہ اس خبر سے اتنا برگشتہ ہوا کہ اس نے قتل عام کا حکم جاری کر دیا۔ تاریخ داں بتاتے ہیں کہ 20,000 سے زیادہ لوگ اس قتل عام میں مارے گئے اور جامع مسجد کی آس پاس کی نالیوں میں انسانی خون پانی کی طرح بہتا رہا اور انسانی لاشوں کا دلدوز منظر سامنے تھا۔

نادر شاہ کم و بیش 57 روز تک شہر کو لوٹتا رہا اور وہ تخت طاؤس بھی اپنے ساتھ لے گیا جسے شاہ جہاں نے بنایا تھا، اس تاریخی سیاق میں تاباں کا شعر پڑھیے:

داغ ہے ہاتھ سے نادر کے مرا دل تاباں
نہیں مقدور کہ جا چھین لوں تختِ طاؤس

تاباں کی شاعری کا زمانہ دہلی میں تہذیبی اور سیاسی سطح پر افراتفری کا زمانہ ہے۔ ایہام گوئی جو اردو شاعری کا غالب رجحان بن گئی تھی، رفتہ رفتہ اپنا اثر کھونے لگی۔ بعض ناقدین نے ایہام گوئی کے زوال اور عروج کو زندگی کی آسودگیوں اور پریشانیوں کے تناظر میں دیکھا ہے۔ اس طرح یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سیاسی و سماجی صورتحال سے شاعر کا تخلیقی عمل بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ شاعر جن جذبات و احساسات سے گزر کر تخلیقی عمل تک آتا ہے ان کے بارے میں کوئی حکم لگانا اور سرسری باتیں کرنا تخلیقی عمل کی پیچیدہ اور طلسماتی دنیا سے اپنی بے خبری کا ثبوت پیش کرنا ہے۔ کوئی عصری سچائی محض عصری سچائی نہیں ہوتی بلکہ وہ تخلیق میں ڈھل کر بہت سے حقائق کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ تاباں کی شاعری دراصل ایہام گوئی کے بعد کی نئی صورتحال کی پیداوار ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تاباں کی شاعری میں کوئی بڑا لفظیاتی یا علامتی نظام نہیں ہے لیکن یہ کہنا بھی غلط ہوگا کہ تاباں کی پوری شاعری سیدھی اور سپاٹ اور پیچیدگی سے عاری

ہے۔ پیچیدگی اعلیٰ شاعری کی ایک خوبی ہوسکتی ہے مگر صرف پیچیدہ بیانی سے شاعری بڑی نہیں ہوتی۔ اصل چیز یہ ہے کہ کوئی فن پارہ ہمیں کس حد تک متاثر کرتا ہے اور ہمیں کتنی دور اور دیر تک اپنی معنویت کا احساس کراتا ہے یہ عین ممکن ہے کہ ایک سادہ سا شعر جس میں نہ تو ابہام ہے اور نہ ہی کوئی فنی مہارت لیکن وہ ہماری زندگی کا عنوان بن جائے۔ تاباں نے ایہام گوئی کے بعد کی صورتحال میں اگر اپنی شاعری کو زندگی کے عام تجربوں سے قریب کرنے کی کوشش کی تو اس میں کچھ نہ کچھ بدلے ہوئے حالات کا دخل تو ہوگا مگر اصل چیز شاعر کی تخلیقی اُپج اور صلاحیت ہے۔ تاباں کی غزل دراصل تاباں کی اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار ہے۔ اس لیے تاباں کی غزل کا معیار صرف اس عہد کی سیاسی وسماجی صورتحال کی روشنی میں قائم کرنا مناسب نہیں۔ تاباں کی غزل کو ان کے معاصرین کی غزل کے ساتھ رکھ کر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ اس تقابل سے تاباں کی غزل کا معیار سامنے آئے گا۔ اپنی تہذیبی اقدار اور روایات کے تئیں شاعر کا رویہ ہی دراصل اس کی تخلیقی بصیرت اور صلاحیت کو کوئی رخ عطا کرتا ہے۔ اس تصور کو سمجھے بغیر نہ تو شاعری کے خدوخال واضح ہوسکتے ہیں اور نہ ہی ہم کسی شاعر کی تخلیقیت کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ تاباں کے عہد کی زندگی آج کی زندگی سے مختلف تھی، لیکن کوئی وجہ تو ہے تاباں کے اشعار اس زمانی بُعد کے باوجود ہمیں اچھے اور اپنے لگتے ہیں۔ اس کا اصل سبب وہ انسانی اور جذباتی رشتہ ہے جو روز ازل سے قائم ہے۔ زندگی کے چند بنیادی مسائل ہمیشہ باقی رہیں گے۔ تاباں نے زندگی کے جن مسائل اور میلانات کو اپنا موضوع بنایا تھا وہ ہمارے عہد کا بھی مقدر ہیں۔ ہم اپنی ترقیات کے باوجود ان مسائل پر قابو نہیں پاسکے۔ زندگی کو دیکھنے کا زاویہ اگر بدل جائے تو بھی زندگی کے بعض حقائق تبدیل نہیں ہوسکتے۔ اٹھارہویں صدی کے تمام غزل گوشعرا کے یہاں چند مضامین مشترک ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عہد کی زندگی میں ان مضامین کو اہمیت حاصل تھی۔ ان مضامین پر مشتمل اشعار کو یکجا کرکے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ کس شاعر نے ان مضامین کی پیش کش میں کیا خوبی

پیدا کی ہے۔ کلاسیکی شاعری میں کچھ مخصوص استعارے اور علامات ہیں جو تمام شعرا کے یہاں موجود ہیں۔ ان کو برتنے میں ہر شاعر نے اپنی تخلیقی بصیرت کا ثبوت پیش کیا ہے، چناں چہ یہ دیکھا جانا چاہیے کہ گل، بلبل، گلچیں، صیاد، زنداں کے ساتھ تاباں کی شاعری کا معاملہ محض تقلید کا ہے یا اس کی پیش کش میں اُنھوں نے اپنی شخصیت کی چھاپ بھی قائم کی ہے۔ یہ اعتراض کہ کلاسیکی شاعروں کے یہاں تکرار بہت ہے، ایک ہی طرح کی لفظیات سب کے یہاں ہے سہل پسندی کا نتیجہ ہے۔ بعض نئے لکھنے والے تو گل اور بلبل سے اس قدر بے زار ہیں کہ وہ نئی شاعری میں ان الفاظ کو دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ تاباں کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

بلبلو کیا کروگی اب چھٹ کر گلستاں تو اُجڑ چکا کب کا
اشک گلگوں جو گرے بس کہ مری انکھیوں سے ہو گیا دامنِ گلچیں یہ گریباں میرا
خجالت سے سر اپنا تب سے رکھا ہے گریباں میں چمن میں جب سے دیکھا چاک گل نے پیرہن میرا
تبسم دیکھ اس غنچہ دہن کا جگر ٹکڑے ہوا ہے ہر کلی کا

تاباں کے مندرجہ بالا اشعار اگر ہمیں متاثر نہیں کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک قاری کی حیثیت سے ہمارے فہم میں کمی ہے یا یہ کہ تاباں کی شاعری میں کوئی خوبی نہیں۔ بعض اوقات یہ دونوں باتیں درست ہو سکتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایک ہی شعر ہر شخص کو اچھا نہیں لگتا اگر کوئی شاعر قارئین کے ایک بڑے طبقے کو متاثر کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے فکر و احساس کی دنیا میں اتنی وسعت اور نیرنگی ہے کہ ہر شخص اپنے طور پر کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتا ہے۔ تاباں کی شاعری میرؔ کی شاعری کے برابر نہیں ہو سکتی۔ خواجہ میر درد، فغاں اور سودا کی غزل گوئی بھی اپنا ایک جواز اور معیار رکھتی ہے۔ ان شعرا کے اشعار کم یا زیادہ مگر ہمیں یاد ہیں۔ یہ بات ہماری ادبی دلچسپی کی ضرور ہے کہ میرؔ نے فلاں مضمون کو تاباں اور فغاں سے زیادہ بہتر انداز میں باندھا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان شاعروں کے یہاں ایک مخصوص عہد کی

زندگی اور تہذیب کا اظہار ایک ایسے اسلوب میں ہوا ہے جسے کلاسکس کا درجہ حاصل ہے۔کلاسیکی شاعری یا تاباں کی شاعری کا اگر کوئی حصہ ہماری حسیت سے قریب نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس حصے کو غیر ضروری قرار دیا جائے۔ اگر ایسا ہوا تو کلاسیکی ادب کے سرمائے سے محروم ہو جائیں گے۔کلاسیکی ادب اور شاعری سے استفادے کی کئی صورتیں ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایک اچھے اور باذوق قاری بن جائیں۔کلاسیکی شاعری جہاں ہماری حسیت سے الگ ہو جاتی ہے وہاں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس میں زبان و بیان کی سطح پر بھی کوئی حسن ہے یا نہیں۔کلاسکس کا مطلب زبان و بیان کا ایک خوبصورت اور بھرپور نظام بھی ہے، ادب پڑھنے کا مطلب ہمیشہ ایک ہی جیسا نہیں ہوتا اگر کلاسیکی شاعری کو اس بڑے سیاق میں دیکھا جائے اور پھر تاباں جیسے قدیم اور کلاسیکی شاعر کا مطالعہ کیا جائے تو ہم بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں:

نہ کر ان عندلیبوں پر تو صیاد　　خدا سے ڈر ارے بے رحم صیاد

کیا اس شعر میں ''صیاد''، ''نادر شاہ'' اور ان جیسے ظالم بادشاہوں کا استعارہ نہیں ہو سکتا؟ صیاد، باغ گلچیں، بلبل جیسے استعارے دراصل کلاسیکی شاعری کے اہم حوالے میں انھیں محض روایتی کہہ کر نظر انداز کرنا اس کلچر کی نفی کرنا ہے جس میں یہ استعارے اپنی معنویت قائم کر رہے تھے، ''خدا سے ڈر ارے بے رحم صیاد'' میں حقارت اور غصہ دونوں پوشیدہ ہے۔ جب ظالم اپنی زیادتیوں سے باز نہیں آتا تو شاعر خدا کا حوالہ دیتا ہے کہ شاید اس کے خوف سے ظالم ظلم سے دست بردار ہو جائے:

کیا ویراں ہمارے آشیاں کو　　قفس اپنا کیا آباد صیاد
ہمارا آشیاں مدت سے ہے یاں　　نہ دے اس کے تئیں برباد صیاد

شاعر صیاد سے شکوہ سنج بھی ہے اور فریاد رس بھی کہ ہمارا آشیاں یہاں مدت سے آباد ہے اور یہی زمین میرا آخری حوالہ بھی ہے۔ شاعر ان دقتوں اور دشواریوں کو سامنے رکھ کر آشیاں کی

سلامتی کی گزارش کرتا ہے اور وہ واضح طور پر کہتا ہے کہ میرا آشیاں تو ویران ہو چکا لیکن میں نے قفس آباد کرلیا ہے۔ ''قفس اپنا کیا آباد صیاد'' اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ شاعر صیاد سے کہہ رہا ہے کہ اے صیاد میں نے اپنا آشیانہ قفس کی شکل میں تلاش کرلیا ہے۔ اس صورت میں آباد کے بعد کوما (،) لگانا ہوگا، مگر اس مصرعہ کا ایک دلچسپ معنی یہ نکلتا ہے کہ صیاد نے میرے آشیاں کو ویران کرکے خود بھی اپنے قفس کا انتظام کرلیا ہے۔ اس صورت میں ثانی مصرعہ ایک بیان کی صورت میں سامنے آئے گا۔

تاباں کے عہد کی دہلی جس تباہی اور کس مپری کا شکار تھی اس تناظر میں ان شعروں کو دیکھنا غلط نہیں ہوگا:

سینہ شق غم میں ترے کون بشر ہے کہ نہیں　　　ٹکڑے ہاتھوں سے ترے کس کا جگر ہے کہ نہیں

☆

فرش پر مخمل کے جو سوتے تھے ہائے　　　اب میسر ان کو نہیں ہوتا ہے ٹاٹ

تاباں کے اس شعر کے ساتھ میر کا شعر پڑھیے:

دلّی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں اُنھیں　　　تھا کل تلک دماغ جنھیں تخت و تاج کا

غزل کے ایسے اشعار کی ایک تاریخی اہمیت ہے:

کہیں فانوس میں تاباں چھپا ہے شمع کا شعلہ　　　گل داغ محبت کس طرح سینے میں پنہاں ہو

اس مضمون کو کلاسیکی شاعروں نے طرح طرح سے باندھا ہے، کہتے ہیں عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتا۔ تاباں اس پامال مضمون کے اظہار میں جن شعری وسیلوں سے کام لیتے ہیں اسی میں تاباں کے فن کا راز پوشیدہ ہے۔ تاباں پہلے مصرعے میں لفظ ''کہیں'' سے زور پیدا کرتے ہیں جس طرح شمع کا شعلہ فانوس میں چھپایا نہیں جاسکتا اسی طرح محبت بھی سینے میں پنہاں نہیں رہ سکتی۔ ''گل داغ محبت'' کی ترکیب کس قدر خوبصورت ہے۔ داغ کے تعلق سے سینہ اور پنہاں

بھی بہت بامعنی ہے، پھر گل اور داغ میں بھی ایک رعایت موجود ہے فانوس، شمع، شعلہ، تاباں، گل یہ سب الفاظ معنوی اعتبار سے شعر کو خوبصورت بناتے ہیں۔ ان رعایتوں کو سمجھنے اور ان سے محظوظ ہونے کے لیے ضرورت ہے ورنہ ہم ان شعروں سے سرسری گزر جائیں گے:

سب علائق کو مار کر برہم　　جی میں آتا ہے ہوجیے آزاد

کس کی تاباں کریں اطاعت ہم　　ہم سے طاعت خدا کی تو نہ ہوئی

جھوٹا ہی جانیو جسے علمِ نجوم ہو　　تاباں تو اس کے حکم کو ہرگز نہ مانیو

نام کو نقش پہ لکھا ہے لکیروں کے بیچ　　شیخ دل میں کرے ہے نذر کے پیسوں کا حساب

سوال یہ ہے کہ ان شعروں میں ہماری دلچسپی کا سامان کیا ہے، اس سوال کا جواب ہر قاری اپنے مزاج اور شعور کی روشنی میں دے سکتا ہے۔ ایک اچھے اور بڑے شاعر کے یہاں زندگی کے متضاد رویے ایک ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ باہم ٹکراتے بھی ہیں مگر ان میں ایک وحدت بھی ہوتی ہے۔ میر کی شاعری کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے یہاں زندگی کا پھیلاؤ ہے، سنجیدگی اور تفکر کی اعلیٰ سطح سے لے کر پھکڑ بازی اور تمسخر کی آخری حد تک ہمیں لے جاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے میر ایک بھرپور زندگی کا ہمیں مشاہدہ کرانا چاہتے ہیں، ایسی وسعت اور رنگارنگی ہمیں اس عہد میں کسی اور شاعر کے یہاں نظر نہیں آتی۔ تاباں کی چھوٹی سی دنیا میں زندگی کے کئی رنگ موجود ہیں اس کا اندازہ مندرجہ بالا شعروں سے کیا جا سکتا ہے۔ پہلے شعر میں زندگی کی بندشوں سے خود کو آزاد رکھنے کی تمنا ہے، دوسرے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ جب خدا ہی کی ہم سے اطاعت نہ ہوئی تو کسی اور کی اطاعت کیوں کی جائے؟ تیسرے شعر میں علمِ نجوم کو غلط بیانی کا نام دیا گیا ہے اور چوتھے شعر میں شیخ کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

ایک عام آدمی کے ذہن میں عشق کسی گوشت پوست کے انسان سے محبت کرنے کا نام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عشق کا موضوع بڑی حد تک کسی زمینی محبوب کے تصور سے ہی وابستہ

ہے۔ اردو شاعری کو اگر عشقیہ موضوعات سے الگ کر دیا جائے تو شاعری خشک اور بے رنگ ہو جائے گی، لیکن عشق رفتہ رفتہ ایک قوت کا علامیہ بنتا گیا۔ عشق دراصل دیوانگی اور وارفتگی کا نام ہے۔ اردو شاعری میں عشقیہ شاعری کا دائرہ بہت وسیع ہے اس میں عشق کی مختلف صورتیں اور کیفیات اس طرح آپس میں مربوط ہیں کہ انھیں الگ الگ کر کے دیکھنا مشکل ہے۔ تاباں کے تعلق سے ایک مقام پر یہ لکھا جا چکا ہے کہ ان کے یہاں عشق عموماً کسی طاقت اور قوت کا استعارا نہیں بن پاتا ہے، اس میں وہ گہرائی اور بصیرت نہیں جو ہمیں میرؔ کے یہاں دکھائی دیتی ہے۔ تاباں عشق سے متعلق کیا سوچتے ہیں اس کو سمجھنے کے لیے ان اشعار کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا:

خونِ دل پینے سوا رکھتا نہیں کچھ کام عشق
آہ کیوں پیدا ہوا خوں خوار خوں آشام عشق

اس کے سائے سے رکھے سب کے تئیں محفوظ حق
دشمنِ جاں ہے، بلا ہے، جس کا ہے گا نام عشق

رنج و غم درد و الم سے کام مجھ کو دیکھنا
لے گیا یک لخت دل سے صبر اور آرام عشق

شمع سا آغاز ہی میں ہو گیا ہوں میں گداز
دیکھیے آخر کرے گا کیا مرا انجام عشق

☆

یکبار سر پہ ٹوٹ پڑی آ بلائے عشق
پوچھوں میں کس طبیب سے یارو دوائے عشق

ناصح نہیں ہے کام مجھے عقل و ہوش سے
پیدا کیا ہے مجھ کو خدا نے برائے عشق

یارب میں دل کی چوٹ سے ہوں سخت بے قرار
اے کاش اور رنج تو دیتا سوائے عشق

کرتا ہے مجھ کو جرم محبت پہ سنگ سار
پھر پوچھتا ہے کیوں یہ تجھے دوں سزائے عشق

کیا جانیے کرے گا، وہ کیا کیا خرابیاں
تاباں کو بے طرح سے لگی ہے ہوائے عشق

ان اشعار کو پڑھ کر آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ عشق بنیادی طور پر جلنے تڑپنے اور دل لہو کرنے کا نام ہے۔ عشق میں آرام و آسائش کو خیر باد کہنا پڑتا ہے۔ اس ایک بات کو تاباں نے مختلف حوالوں اور طریقوں سے بیان کیا ہے لیکن ان اشعار سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ شاعر کس عشق

کی بات کررہا ہے۔ اس سے عشق کا مجموعی رنگ ڈھنگ سامنے آجاتا ہے لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جب تاباں عشق کی بنیادی خوبیوں اور حقیقتوں کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے بیان میں وہ افتادگی اور اثرانگیزی پیدا نہیں ہوتی۔

میرؔ نے کہا تھا:

ملا کہیں تو دکھا دیں گے عشق کا جنگل   بہت ہی خضر کو دعوی ہے رہنمائی کا

میرؔ عشق کے راستے کی صعوبتوں اور اس کے پیچ وخم کی جانب اشارا کرتے ہیں اور خضر کو للکارتے ہیں کہ وہ بھی اگر عشق کے جنگل کا سفر کرے تو گم ہو جائے۔ میرؔ کے اس شعر میں عشق کا جنگل دراصل زندگی کے ان حقائق کا سفر ہے جس میں بہت کچھ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ عشق کی تمام تر دقتوں اور کرم فرمائیوں کو تاباں نے اس شعر میں بند کر دیا ہے:

خونِ دل پینے سوا رکھتا نہیں کچھ کام عشق   آہ کیوں پیدا ہوا خوں خوار، خوں آشام عشق

لیکن تاباں اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ عشق کی افتادگی اور پریشانی میں جو لذت ہے وہ کہیں اور نہیں مل سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ عاشق معشوق کی جانب سے ہونے والی زیادتیوں سے کبھی گھبراتا ہے اور نہ اس کا دل شکست قبول کرتا ہے:

آبِ شمشیر ترا آبِ بقا ہے ظالم   دلِ عشاق بھی سیراب کہیں ہوتا ہے

آواز جو ہنسی میں نکلتی ہے شوخ کی   کھلنے میں کم سنی ہے میں ایسی صدائے گل

اس شعر کی خوبی صرف اس بات میں نہیں کہ محبوب کی ہنسی کو شاعر نے صدائے گل سے تشبیہ دی ہے بلکہ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ شاعر کس وقتِ حس کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ صدائے گل کو سننا دراصل ایک پوری انسانی زندگی کے رویے اور رکھ رکھاؤ کا اظہار ہے۔ صدائے گل گل کی فنا پذیری ہے۔

تاباں کے کچھ اور خوبصورت اشعار دیکھیے:

کس کی نگاہ مست کا اُن کو اثر ہوا　　کیوں جھومتے ہیں باغ میں پھر خوشہ ہائے تاک

جوں عکس آفتاب ہو بے تاب موج سے　　دریا میں تیرے منہ کی اگر رنگ جھلک پڑے

شبنم نہیں ہے یہ تری انکھیوں کے شوق میں　　ہر صبح غم سے دیدۂ نرگس پُر آب ہے

یوں تو تاباں کا کلام عشق و محبت کے جذبات سے مزین ہے۔ ان کا عشق زمینی اور مجازی ہے مگر یہ زمینی عشق سطح سے بلند ہو کر ایک بڑی قدر میں تبدیل نہیں ہوتا۔ میرؔ کے یہاں بھی محبوب سے لپٹنے اور ملنے کی خواہش موجود ہے لیکن جب وہ یہ کہتے ہیں:

دور بیٹھا غبار میر اس سے　　عشق بن یہ ادب نہیں آتا

تو وہ اکیلے نظر آتے ہیں، میرؔ نے عشق سے جتنا کام لیا ہے اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ تاباں کی شاعری میں عشق گہرائی اور گیرائی سے عاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عشقیہ اشعار ہمیں بہت دیر تک اپنی گرفت میں نہیں رکھتے:

میں نے چاہا تھا رکھوں عشق کو پنہاں تیرے　　کیا کروں پھوٹ بہے دیدۂ گریاں تیرے

یار کو مجھ سے تڑایا ہے تجھے کیا حاصل　　اور بھی رنج ہیں اے چرخ تجھے بہتیرے

جی کا دینا مرے نزدیک تو کچھ دور نہیں　　پر مرا چاہنا تو بھی تجھے منظور نہیں

ماہ پہنچے ہے کہاں منہ کی جھلک کو تیرے　　وہ بھی ہر چند کہ روشن ہے پہ یہ نور نہیں

غیر کے ہاتھ میں اس شوخ کا داماں ہے آج　　میں ہوں اور ہاتھ مرا اور یہ گریباں ہے آج

دیکھا اس کو خواب میں جب آنکھ کھل جاتی ہے صبح　　کیا کہوں میں کیا قیامت مجھ پہ تب لاتی ہے صبح

ہر چند اس صنم کے لیے ہم نے کی دعا　　ہوتی نہیں قبول ہماری کبھی دعا

مجھ میں تمھارے عشق نے چھوڑا تو کچھ نہ تھا　　رکھتا تھا ایک صبر سو اب وہ بھی کھو چکا

کانٹوں پہ کس طرح نہ پھروں اب میں لوٹتا　　پھولوں کی سیج پر تو ترے ساتھ سو چکا

صبح آغوش میں تھا مہر درخشاں میرا　　اس سبب خانۂ دل آج ہے تاباں میرا

ظالم وفا میری میں کچھ ہرگز کمی ہونے کی تھی تو نے اگر مجھ پر کیے جور و جفا تو کیا ہوا
جدائی سے تری کیا جانیے کیسا الم ہوگا یہ اتنا جانتا ہوں میں کہ جینا بھی ستم ہوگا
کئی دن ہوگئے یارب نہیں دیکھا ہے یار اپنا ہوا معلوم یوں شاید کیا کم ان نے پیار اپنا

ان تمام اشعار کا تعلق عشق مجازی سے ہے ان میں وہ درد و سوز نہیں جو عشق کی افتادگی سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک قاری کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ ایسی شاعری عصری زندگی کا حصّہ نہیں بن سکتی۔ مجنوں گورکھپوری نے تاباں کی عشقیہ شاعری کے بارے میں لکھا ہے:

''تاباں کا موضوع عشق اور بالخصوص حرمان عشق ہے وہ اس کو بڑی برگشتگی اور بڑی آن بان کے ساتھ اظہار کا جامہ پہناتے ہیں ان کے ہر شعر میں والہانہ سپردگی کے ساتھ ساتھ جوانی کا ایک تیکھا پن بھی پایا جاتا ہے، ان کی دل باختگی ایک پندار لیے ہوئے ہوتی ہے'' (نکات مجنوں، ص:295)

مجنوں گورکھپوری نے جس برگشتگی اور آن بان کا ذکر کیا ہے اس کا اطلاق تاباں کی پوری شاعری پر نہیں ہوتا، مجموعی اعتبار سے تاباں کے یہاں وہ تڑپ اور سوز نہیں جو ہجر کے عالم میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ برگشتگی اور تیکھا پن تاباں کے یہاں جن اشعار میں ہے وہاں یہ تیکھا پن کسی گہرے تجربے اور مشاہدے کا وسیلہ نہیں بن پایا ہے۔ مجنوں گورکھپوری کو یہ خوبی یقین کے یہاں بھی نظر آتی ہے۔ انھیں اس بات پر حیرت ہے کہ دونوں مظہر جان جاناں سے قریب تھے اور دونوں کا انتقال کم عمری میں ہوا۔ اس مسئلے پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ تاباں کی شاعری میں جو آن بان اور تیکھا پن ہے اس کا سبب کیا تاباں کی جواں مرگی ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انھیں کچھ وقت اور ملا ہوتا تو ان کی شاعری کسی بڑے تخلیقی تجربے سے ہم کنار ہو سکتی تھی لیکن درازیٔ عمر فنی پختگی کی ضامن نہیں ہو سکتی، ایسے شعرا کی تعداد کم نہیں جن کا ابتدائی کلام ان کے بعد کے کلام سے زیادہ باوزن اور معیاری ہے۔ یقین اور تاباں کی شاعری کو پڑھ کر اگر یہ محسوس ہوتا ہے کہ انھیں اپنے فکر و

فن کی آبیاری کے لیے زیادہ وقت نہیں ملا تو یہ غلط بھی نہیں۔ شمالی ہند میں یقیںؔ کا جو شہرہ بے سبب نہیں تھا۔ اس دور کے تمام اہم شعرا نے یقیںؔ کی زمینوں میں غزلیں کہی ہیں۔ تاباں کی زمین میں حاتمؔ کی چند غزلیں ملتی ہیں۔ تاباں نے بھی یقیںؔ کے شعر کی تضمین کی ہے:

کہا تاباں یقیںؔ نے شعر کا انداز سن میرا　　"مقابل آج اس کے کوئی آسکتا ہے کیا قدرت"

تاباں کے یہاں محبت کے اظہار میں عمومیت پیدا ہوگئی ہے۔

تاباں کہتے ہیں:

بندہ ہوں اس کا جی سے مجھے کچھ کہو کوئی　　رکھتا ہو دل میں چوٹ محبت کی جو کوئی

عام طور پر لفظ "محبت" جس عام معنی میں استعمال ہوتا ہے مندرجہ بالا شعر کو بھی اسی تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے لیکن محبت جب زندگی کی ایک بڑی قدر اور سچائی بن جاتی ہے تو اسے کسی شخص اور فرد تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے۔

تاباں کے شعر کی نثر آسانی سے کی جا سکتی ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ شعر کا اسلوب نثری اور انداز گفتگو سے قریب ہے۔ تاباں نے بہت خوبصورتی کے ساتھ لفظ محبت کو عام سطح سے بلند کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس غزل کے بقیہ اشعار بھی دیکھیے:

کیا کیا اذیتیں ہیں جدائی میں الحفیظ　　یا رب نہ اس بلا میں گرفتار ہو کوئی
تیری گلی میں دیکھ مرے حال زار کو　　ملتا ہے کوئی ہاتھ تو دیتا ہے رو کوئی
ٹانکے تو ٹوٹ جاویں گے جب آہ نکلے گی　　اس زخمِ دل کو میرے عبث مت سیو کوئی
قدرت کسے کہ تجھ سے کوئی بات کر سکے　　طاقت کسے کہ ہووے ترے روبرو کوئی
قاتل تو اپنی تیغ کو دھوتا ہے کیوں عبث　　جاتا ہے میرے خون کا یہ رنگ و بو کوئی
تاباں فلک کے جور سے نالاں نہیں ہوں لیک　　سب کچھ ہو پر کسی کا مقید نہ ہو کوئی

ان اشعار پر غور کریں تو ان میں کوئی نئی بات نظر نہیں آئے گی مگر ان میں ایک کشش ضرور

ہے۔ کشش کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان تمام اشعار میں ایک داخلی ربط موجود ہے۔ دوسری وجہ اس کی وہ اثر آفرینی ہے جو سچے جذبے کے بغیر ممکن نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر محبوب کی گلی میں محبوب سے روبرو ہونے اور قتل ہونے کی باتیں محض روایتی طور پر یا مضمون کو برتنے کے لیے نہیں کرتا بلکہ ان کا تعلق زندگی کے تجربے اور مشاہدے سے ہے۔ اس غزل میں مطلع کے علاوہ تمام اشعار صرف محبوب کے ظلم و جور کی طرف اشارا کرتے ہیں لیکن تاباں کے کسی قاری کو اس بات پر اصرار ہوسکتا ہے کہ تاباں اپنے شعر میں جس شخص کے روبرو ہونے اور اس کے تیغ سے قتل ہوجانے اور اس کی گلی میں جانے کا ذکر کررہے ہیں وہ کوئی ظالم و جابر بادشاہ بھی ہوسکتا ہے۔ اصل میں غزل کے اشعار کے ساتھ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اس سے عشقیہ اور سیاسی مفہوم دونوں نکالے جاسکتے ہیں۔ لہذا قاری اور قرات کے مسئلے کو دو دو چار کی طرح حل نہیں کیا جاسکتا۔ "عشق" کے بارے میں تاباں کا خیال ہے:

عشق کیا ہے جا کسی کامل سے پوچھا چاہیے ماجرا اس کا کسی عاقل سے پوچھا چاہیے

لفظ کامل اس بات کی طرف اشارا کرتا ہے کہ تاباں کے نزدیک عشق کا ایک اعلیٰ تصور بھی ہے، عشق میں کامل ہونا دراصل زندگی کے مختلف معرکوں کو سر کرنا ہے۔ یہ معرکے بغیر عشق کے سر نہیں کیے جاسکتے۔ عشق اور عقل میں ازلی بیر ہے، دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے لہذا تاباں یہ مشورہ دیتے ہیں کہ عشق کا ماجرا کسی عاقل سے پوچھنے کی ضرورت ہے۔ محبوب سے تیر کھانے اور گھائل ہونے کے مضامین تاباں کے یہاں بہت ہیں۔ تیغ اور تلوار کے لیے وہ مژہ اور ابرو کے الفاظ لاتے ہیں۔ محبوب کی مژہ کو تیغ کہنا اور اس سے کلیجے کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا اس کی مثالیں مختلف شعرا کے یہاں مل جاتی ہیں۔ تاباں نے ان مضامین کی پیش کش میں ندرت پیدا کرنے کی سعی ضرور کی ہے:

تاباں مجھے ہے اس کی مژہ دل میں تیر سا مشکل ہوا ہے اس کی طرف دیکھنا مجھے

اس شعر کے ساتھ غالب کا شعر پڑھیے:

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو — مدت ہوئی ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

غالب جگر کو لخت لخت دیکھنا چاہتے ہیں اس لیے کہ وہ اس کی لذت سے واقف ہیں۔ تاباں ایک سیدھی اور سچی بات کہتے ہیں۔ شاعر کو معلوم ہے کہ اس کی مژہ دل کے لیے تیری ہے۔ لہذا اس کی طرف دیکھنا حوصلے کا کام ہے۔ تاباں کی ایک بڑی خوبی ہے کہ وہ گفتگو کے لہجے میں اپنی بات نہایت ہی فن کارانہ انداز میں کہتے ہیں:

جن نے اس کا زخم کھایا ہوا سے معلوم ہے — تیغ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہیے

کس طرح سے ہو سکے تیرے مقابل آرسی — ہر مژہ چبھتی ہے تیری، دل میں اس کو آرسی

پار ہوجاتا ہے سینے سے ترا تیر نگاہ — دل میں لگتی ہے مرے، ابرو تری تلوار سی

اس کو لگتی ہے کب کوئی تلوار — تیغ ابرو کی آب اور ہی ہے

غارت ہیں ایک پل میں صفوں کی صفیں ادھر — ظالم تری سیاہ مژہ جس طرف مڑے

جو کشتۂ تیغ نگہ یار نہ ہووے — یا رب اسے ہرگز ترا دیدار نہ ہووے

ان شعروں میں محبوب کے ابرو سے قتل ہوجانے کو محض روایتی شاعری کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، ابرو سے قتل ہوتے ہوئے کس نے دیکھا ہے۔ یہ پورا فکری نظام دراصل اس دور کی سماجی اور تہذیبی صورتحال کا علامیہ ہے۔ تاباں جب یہ کہتے ہیں:

ظالم ہو یا ستمگر بانکا ہو یا سپاہی — ہم تو ملیں گے اس سے یہ سر رہے کہ جاوے

تو گویا وہ اپنے عہد کی سیاسی صورتحال کی طرف بھی اشارے کرتے ہیں جس میں قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ ظالم، ستمگر اور سپاہی ظاہر ہے یہ الفاظ یوں ہی نہیں آئے ہیں لفظ سپاہی سے اس جنگی فضا کی تصویر سامنے آجاتی ہے جسے تاباں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا تھا جیسا کہ اس سے پہلے اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ ایسے شعروں کی معنویت صرف عشقیہ جذبات تک محدود نہیں

ہے بلکہ اس کا رشتہ سیاسی صورتحال سے بھی قائم کیا جاسکتا ہے۔ عموماً کسی فن پارے خصوصاً غزل کے سلسلے میں جب ایسی تشریحات وتعبیرات سے کام لیا جاتا ہے جن میں سماجیات کا اثر ہوتو لوگ ناراض ہوتے ہیں۔ ان کے مطابق ان تعبیروں سے شعر کی ادبیت اور معنویت پر حرف آتا ہے لیکن سماجیاتی مطالعے کو اگر ادبیت کی ضد نہ سمجھا جائے تو ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ ادب کی تخلیق ایک انفرادی اور خاموش عمل ہونے کے باوجود اپنے تہذیبی اور سماجی سیاق سے بے تعلق نہیں ہوتا، کسی نہ کسی صورت میں سماج ادب کو متاثر کرتا ہے اور ادب بھی سماج کو متاثر کرتا ہے۔

عشقیہ اشعار میں شدت احساس اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ہجر کی کیفیت کو اپنے تخلیقی تجربے کا حصہ بنایا جائے اور اسے دوام عطا کرنے کے لیے تخلیقی تجربے کی بھٹی میں پکایا جائے۔

تاباں کے عشقیہ جذبات میں شدت تو ہے مگر اس میں وہ دوام نہیں جو بڑی شاعری کے امکانات روشن کرتی ہے۔ تاباں اپنی شاعری کو خوبصورت تشبیہات کے ذریعہ دلکش بنانے کی کوشش ضرور کرتے ہیں۔

وصال کے تئیں تاباں کی جلد بازی اور جذباتیت کا اندازہ ان اشعار سے لگایا جاسکتا ہے:

غم میں رہتا ہوں ترے صبح کہیں شام کہیں — چاہنے والے کو ہوتا بھی ہے آرام کہیں

وصل ہو وصل الٰہی کہ مجھے تاب نہیں — دور ہوں دور مرے ہجر کے ایام کہیں

کون سا وقت ہے جو جان تری یاد نہیں — اور ترے غم میں مجھے نالہ و فریاد نہیں

آتا نہیں وہ شوخ تو کچھ ہم کو غم نہیں — اس کا خیال ہم سے جدا ایک دم نہیں

دلبر سے درد دل نہ کہوں ہائے کب تلک — خاموش اس کے غم میں رہوں ہائے کب تلک

اس بے وفا کو میرے جا کر کوئی سنادے — مشکل ہے مجھ کو جینا گر آج تو نہ آوے

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو — ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو

تاباں کی شاعری میں ہجر اور وصال کے مضامین فکری اعتبار سے ایک سطح سے بلند نہیں ہوتے ،خوبصورتی وہاں پیدا ہوتی ہے جب وہ ہجر و وصال کے مضامین سے ہٹ کر محبوب کی بیوفائی اور اس سے متعلق دوسرے احساسات کا ذکر کرتے ہیں۔ایسی کئی غزلیں دیوان تاباں میں موجود ہیں جن میں محبوب سے ملنے اور بچھڑنے کے احساسات حاوی ہیں۔ان غزلوں میں داخلی ربط بھی پایا جاتا ہے،مگر ان کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔

عاشق نے وقتِ مرگ کہا یار سے یہی ۔۔۔ سمجھوں گا تجھ سے حشر کے دن دیکھ تو سہی
تاباں نے تجھ کو دیکھتے ہی اپنا جی دیا ۔۔۔ سنتے نہ پایا تیری نہ اپنی ہی کچھ کہی
ضد ہے اس بات سے کب ان نے کہا یوں تاباں ۔۔۔ جا بے جا سچ بھی کوئی خواب کہیں ہوتا ہے
ہمارے اس بسنتی پوش کے آنے سے مجلس میں ۔۔۔ پڑی ہے دھوم تاباں اس طرح گویا بسنت آئی

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ تاباں کی شاعری میں محبوب کی بے وفائی کا گلہ تو ہے مگر اس میں وہ کیفیت نہیں جو ہجر کے کرب سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس کمی کا احساس وہاں کم ہو جاتا ہے جہاں تاباں نے زبان و اظہار کی سطح پر کوئی حسن پیدا کیا ہے۔کلاسیکی شاعروں کے یہاں لفظی و معنوی رعایتوں کا نظام اتنا برجستہ اور مستحکم ہے کہ وہ آج بھی ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاباں کی شاعری میں بھی ان رعایتوں کا التزام موجود ہے۔اکثر ناقدین نے تاباں کی سیدھی اور سپاٹ شاعری کا ذکر کیا ہے لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے:

یہ شعلہ سا تمھارا رنگ کچھ اور ہی جھمکتا ہے ۔۔۔ جلا کیوں کر نہ دوں میں خرمنِ صبر و قرار اپنا
ملیحانِ عرب اور سانورے گر دیکھتے تجھ کو ۔۔۔ ملاحت اور نمک کا تیرے ان میں شور ہو جاتا
نظر آتی ہیں یوں بوندیں عرق کی تیری زلفوں میں ۔۔۔ کہ جیسے اپنے بالوں میں کوئی موتی پروتا ہے
دھوپ میں تاباں اگر خورشید رُو جاوے مرا ۔۔۔ ہو گُلِ سورج مکھی تب آفتابی باغ میں
ہاتھ میں اس کے ہاتھ تھا ہیہات ۔۔۔ دل مرا گم ہوا ہے ہاتھوں ہاتھ

یہ کیا بیداد اس ظالم نے کی ہیہات اے ظالم ملایا خاک میں دل کو مرے پاؤں تلے مل کر

پہلے شعر میں محبوب کے حسن کی تابانی کا مضمون ہے مگر اس عام مضمون کو جن الفاظ کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے وہ شاعر کی جدت طرازی کی ایک مثال ہے۔ اوّل تو خرمن صبر و قرار، کی ترکیب ہی کو دیکھئے۔ خرمن، شعلہ، جلا، جھمکنا، رنگ ان سب الفاظ نے مل کر خرمن، صبر و قرار کی ترکیب میں جان پیدا کر دی ہے۔ خرمن صبر و قرار کی ترکیب سے صبر کی زیادتی کا اظہار ہوتا ہے۔ جس کو جلانے کے لیے صرف ایک چنگاری کافی ہے۔

ملیحانِ عرب اور سانورے گر دیکھتے تجھ کو ملاحت اور نمک کا تیرے ان میں شور ہو جاتا

اس شعر کی خوبی بھی رعایتوں میں پوشیدہ ہے، شاعر محبوب کے سانولا پن اور اس کی نمکینی کو ملیحان عرب کے لیے بھی قابل رشک سمجھتا ہے۔ ملیحان، سانورے، ملاحت، نمکین یہ تمام الفاظ میں معنوی ربط موجود ہے۔ لفظ شور عموماً ہنگامہ اور شہرت کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر شور کا مطلب نمک بھی ہے۔ تاباں نے اس شعر میں لفظ ''شور'' کو اس طرح باندھا ہے کہ پڑھنے سے ایک ہنگامی فضا بھی محسوس ہوتی ہے اس اعتبار سے لفظ شور، شہرت، دھوم، کھاری، نمک، غصہ کے معنی بھی ادا کر رہا ہے۔

نظر آتی ہیں یوں بوندیں عرق کی تیری زلفوں میں کہ جیسے اپنے بالوں میں کوئی موتی پروتا ہے

یعنی پسینے کا قطرہ اس کے بالوں پر اس طرح آ کر رُکا ہے جیسے کہ بالوں میں موتی پروئے گئے ہوں۔ جب پسینے کے قطرے بالوں پر آجائیں تو وہ حسن کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ رونے کے مضمون میں تاباں نے تار نگہ کی ترکیب بھی استعمال کی ہے:

تاباں تو رشتۂ غم و اندوہ توڑ اب تار نگہ میں اشک کے موتی پرو چکا

تارے توڑنا محاورہ بھی ہے۔ دھاگہ رشتہ قائم کرتا ہے اور پرونے میں بھی رشتہ ہے۔ یعنی پرونے کی رعایت تار میں بھی موجود ہے۔ دھاگہ جب ٹوٹتا ہے تو موتی بکھر جاتے ہیں اور اشک

کے موتی تو آسانی سے بکھر جائیں گے۔ گویا شاعر غم واندوہ کے زنداں سے نکل کر خوشحالی کی طرف آنا چاہتا ہے۔ اس سے یہ خیال بھی ذہن میں آتا ہے تار نگہ میں جو اشک کے موتی پروئے گئے وہ ایک اہم کام تھا۔ نگہ، اشک، موتی، پرونا، رشتہ، توڑ، غم واندوہ سے جو لفظیاتی نظام قائم ہوتا ہے وہ قابلِ رشک ہے۔

دھوپ میں تاباں اگر جاوے مرا خورشید رُو　　ہو گل سورج مکھی تب آفتابی باغ میں

تاباں تخلص ہے اور تاباں کا یہ مطلب بھی ہے کہ چمکتا ہوا جاوے مرا خورشید رو۔ خورشید، دھوپ، تاباں، سورج، آفتابی، باغ، گل یہ سب شعر میں رعایتوں کا خوبصورت التزام قائم کرتے ہیں۔ سورج مکھی کے بارے میں روایت ہے کہ وہ سورج کے ساتھ سفر کرتا ہے یعنی ٹہنی جھکتی جاتی ہے جو مکمل خود سپردگی کا اظہار ہے۔ شعر میں لفظ ''تب'' پر غور کرنے کی ضرورت ہے اگر میرا محبوب باغ میں آ گیا تو گل سورج مکھی آفتابی ہو جائے گا۔

بوجھ کر نقشِ قدم کو تیرے محرابِ دعا　　مانگتا ہوں میں مُراد دل کو رکھ اس پر جبیں

نقشِ قدم کو محرابِ دعا کہنا تاباں کی انفرادیت ہے۔ محراب اس کمان نما جگہ کو کہتے ہیں جہاں امام کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے۔ دعا مانگنے میں ہاتھ کی شکل بھی محراب سے مشابہ ہو جاتی ہے:

یہ کیا بیداد اس ظالم نے کی ہیہات اے ظالم　　ملایا خاک میں دل کو مرے پاؤں تلے مَل کر

شعر میں پاؤں کی رعایت سے ہیہات نے شعر کی خوبصورتی بڑھا دی ہے۔ ہیہات کی جگہ لفظ افسوس بھی ہو سکتا تھا مگر ہاتھ اور پاؤں میں جو مناسبت ہے وہ لفظ افسوس سے قائم نہیں ہو سکتی تھی۔ ہاتھ اور ہیہات کا ایک اور خوبصورت استعمال تاباں کے اس شعر میں دیکھیے:

ہاتھ میں اس کے ہاتھ تھا ہیہات　　دل مرا گم ہوا ہے ہاتھوں ہات

☆

ہمارے اس بتِ ہندی کے قشقہ کو تاباں　　بنا ہے طاس کی صورت حباب دریا میں

طاس کے معنی ہیں بڑا طشت اور نام ایک جامہ زرتار کا اور وہ ظرف جس میں پانی یا شراب پئیں۔ حباب کی شکل طشت یا پیالے کے جیسی ہوتی ہے حباب کے بننے اور پھوٹ جانے کا عمل پل بھر کا ہے۔ عموماً شعرا نے حباب کو زندگی کی بے ثباتی کے تناظر میں استعمال کیا ہے مگر تاباں کے اس شعر میں لفظ حباب جس جمالیاتی احساس کو بیدار کرتا ہے اس کی مثال کہیں اور مشکل سے ہی ملے گی۔ یعنی کسی لگن یا برتن میں محبوب کا نہانا، شاعر حباب اور طشت میں مشابہت قائم کرنے کے بعد یہ خیال کرتا ہے کہ حباب کا بننا اصل میں میرے محبوب کے نہانے کے لیے طشت کا بننا ہے۔

سرو تعظیم کریں، پھول کریں جھک کے سلام   جائے گلشن میں اگر سرو خراماں میرا

اس مضمون کو یقین، میر، سودا نے بھی باندھا ہے:

جی میں آتا ہے ترے قد کو دکھا دیجے اسے   باغ میں اتنا اکڑتا ہے یہ شمشاد کہ بس

(یقین)

سرو و شمشاد چمن میں قد کشی کی ہے نزاع   تم ذرا واں چل کھڑے ہو فیصلہ ہو جائے گا

(میر)

قامت نے تیرے باغ میں جا خطِ بندگی   لکھوالیا ہے سرو چمن سے کھڑے کھڑے

(سودا)

یقین کے شعر کی خوبصورتی کا مدار شمشاد کہ 'بس' کے ٹکڑے پر ہے، میر نے اپنے مخصوص انداز میں یہ فیصلہ کر دیا کہ ''تم ذرا واں چل کھڑے ہو فیصلہ ہو جائے گا''۔

سودا کا ثانی مصرع کتنا خوبصورت ہے۔ ''لکھوالیا ہے سرو چمن سے کھڑے کھڑے'' تاباں کے لیے مضمون میں ندرت پیدا کرنے کا راستہ اس کے سوا نہیں تھا۔ ''سرو تعظیم کرے پھول کریں جھک کے سلام''۔

ذوق سے شیریں تو مل خسرو کے ساتھ   ہم نے چھاتی کے اوپر پتھر دیا

شیریں اور فرہاد کا قصہ فارسی شاعری کے ذریعہ اردو میں آیا مگر اردو شاعروں نے طرح طرح سے اس مضمون کو باندھا ہے۔ یہ موضوع اس قدر پامال ہے اب اس میں کسی نئی جہت کو تلاش کرنا مشکل کام ہے۔ البتہ بعض شعراء نے شیریں وفرہاد کے قصے کی پیشکش میں رعایت لفظی سے ایک نئی جہت پیدا کی ہے۔ تاباں نے مندرجہ بالا شعر میں لفظ ''پتھر'' سے دو کام لیے ہیں، چھاتی کے اوپر پتھر رکھنا گویا صبر کر لینا ہے۔ فرہاد نے پتھر کاٹ کر نہر نکالنے کی کوشش کی تھی، ایک بڑھیا کے یہ کہنے پر کہ شیریں نے تو شادی کر لی ہے فرہاد نے تیشہ سے اپنا سر کاٹ لیا۔ اس لحاظ سے شعر میں پتھر کا لفظ بڑا ہی خوبصورت اور بامعنی ہے:

عاشق میں اب تو شوخ ستمگر یہ ہو چکا　　　ہیہات اپنی جان سے یوں ہاتھ دھو چکا

ان دونوں اشعار میں ہاتھ اور ہیہات کا لفظ صوتی اعتبار سے شعر کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔ ہیہات کا مطلب افسوس ہے ''ہاتھ دھونا'' محاورہ ہے جسے تاباں نے بہت ہی برجستگی کے ساتھ استعمال کیا ہے:

بلبل کی آہ گرم کے دیکھو اثر کی طرح　　　نکلے ہے شاخ گل سے ہر اک گل شرر کی طرح

تاباں نے گل، شرر، اثر، بلبل ان تمام الفاظ واستعارے کو جس فن کارانہ انداز میں استعمال کیا ہے۔ گل کا رنگ لال ہے اور شرر بھی لال ہے۔ ہر گل کا شاخ سے لال لال نکلنا بلبل کہ آہ گرم کا نتیجہ ہے۔ تاباں نے کئی مقام پر گل اور شرر کے لال رنگ سے ایک بات کہنے کی کوشش کی ہے:

گل زمیں سے جو نکلتے ہیں برنگ شعلہ　　　کون دل سوختہ جلتا ہے تہِ خاک ہنوز

ہوا ہے ایسا گلوں کا وفور اب کے سال　　　کہ لگ رہی ہے یہ گویا چمن کے تئیں آتش

تاباں نے بلبل کی آہ گرم سے باغ کے گل رنگ ہونے کا مضمون باندھا ہے:

نہیں ہے باغ میں لالہ، لگی ہے اے یارو　　　یہ آہِ گرم سے بلبل کی گلستاں کو آگ

بلبل تھی تری آہ زبس گرمیِ تاثیر　　　ہر گل کو گلستاں میں کیا شعلۂ آتش

نہیں کھوتا ہے وہ آئینہ رو دل سے غبار اپنا   ہوا ہوں خاک اس کے غم میں تو بھی سینہ صافی سے

آئینے کا استعارا اردو غزل کا بہت مانوس استعارا ہے۔ آئینے کے تعلق سے غبار اور دل، سینہ جیسے الفاظ آتے ہیں۔ تاباں شکوہ سنج ہیں کہ میں تو اس کے غم میں خاک ہو چکا ہوں لیکن اس کے دل میں جو غبار تھا وہ اب تک باقی ہے۔ غبار دراصل بدگمانی اور بے اعتنائی کا علامیہ ہے۔ دل کو آئینہ بھی کہا جاتا ہے اس رعایت سے تاباں اپنے محبوب کو آئینہ رُو کہتے ہیں۔ یعنی آئینے کی طرح ہمارا محبوب صاف و شفاف ہے مگر دل کا آئینہ گرد و غبار سے اَٹا ہے۔ ''نہیں کھوتا ہے'' کا فقرہ طنزیہ ہے کہ غبار جیسے کوئی قیمتی شئے ہو کہ وہ اُسے کھونا نہیں چاہتا۔ پہلے مصرعے میں خاک اور ثانی مصرعے میں ''غبار'' کا لفظ گرچہ شعر کی معنوی ضرورت کے لیے آیا ہے مگر دونوں میں رعایت پیدا ہوگئی ہے۔

تاباں کی شاعری میں ہجر و وصال کے مضامین کا بڑا حصہ مجازی عشق سے متعلق ہے، بعض شعروں کی تشریح و تعبیر میں یقیناً ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا اطلاق مجاز اور حقیقت دونوں پر ہو سکتا ہے مگر ایسے اشعار کی تعداد بہت کم ہے۔ ہجر و وصال کے موضوعات کو عام طور پر زمینی عشق سے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ ایک اچھے شاعر کے یہاں عشق مجاز اور حقیقت کے فرق کو مٹا کر مجموعی اور کلی صورتحال اختیار کر لیتا ہے۔ تصوّف اور عشق حقیقی کے موضوع پر یوں تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مگر بعض اوقات ایک طالب علم کی پریشانی بڑھ جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تصوف کے بنیادی مسائل کو جب عملی سطح پر شاعری میں تلاش کیا جاتا ہے تو تصوف کوئی تکنیکی شئے کی صورت اختیار کر لیتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ تصوف کا بنیادی رشتہ تزکیۂ نفس سے ہے تو نسبتاً ہماری پریشانی کم ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی تعریفیں اس طرح بیان کی جاتی ہیں جیسے یہ دو کناروں کی طرح ہوں تصوف کا موضوع نہایت ہی اعلیٰ اور پاکیزہ ہے۔ اس کے لیے عملی صوفی ہونا ضروری ہے یا نہیں یہ ایک الگ موضوع ہے لیکن اتنی بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ تصوف

ایک قلندرانہ صفت بھی ہے۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی آزاد منش انسان میں بھی ایسی فقیرانہ شان نظر آتی ہے جو عموماً صوفی کی شخصیت کا حصہ ہوتی ہے۔اردو میں ایسے شعرا بھی ہیں جو رند مشرب تھے مگر ان کے یہاں تصوف کے مضامین پائے جاتے ہیں، لہٰذا تصوف اردو شاعری کی تہذیبی روایت کا حصہ بھی ہے۔ تاباں کے یہاں اسی روایت کے نشانات دکھائی دیتے ہیں۔ زندگی کی بے ثباتی، نفس کی پاکیزگی، دل کی صفائی اور خودی کا احساس یہ وہ مسائل ہیں جو مختلف حوالوں سے اردو شاعری میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

میں تو طالب دل سے ہوں گا دین کا　　دولتِ دنیا مجھے مطلوب نہیں

یہ ایک سیدھا سا بیان ہے جس میں کوئی شعری حسن نہیں مگر فکری سطح پر اس میں تصوف کے اثرات ہیں، دولتِ دنیا کی خواہش نہ کرنا اور دین کا طالب ہونا تصوف کی بنیاد ہے۔ اس مقام پر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اردو شاعروں کے یہاں عشقِ مجازی عشقِ حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے شعرا نے محبوب کے پردے میں حقیقی محبوب کو بھی چھپانے اور دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ تاباں کہتے ہیں:

ہے گفتگو خدا سے بھی اس جنگ جُو کے تئیں　　کوئی اور اس سا دوسرا کافر صنم نہیں

تاباں محبوب سے جور و جفا کا شکوہ کرتے ہوئے خدا کا حوالہ بھی دیتے ہیں اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تاباں کے یہاں جہاں ایک طرف خدا کا تصور ہے وہیں دوسری طرف کلاسیکی شاعری کی پوری تہذیب اور رکھ رکھاؤ بھی موجود ہے:

روا جو اہلِ وفا پر رکھا جفا کے تئیں　　بتاں دکھاؤ گے کیا نہ بھلا خدا کے تئیں

تم اس قدر جو نڈر ہو کے ظلم کرتے ہو　　بتاں ہمارا تمھارا کوئی خدا بھی ہے

تصوف کے تعلق سے تاباں کے یہاں کوئی مربوط فکری نظام نہیں ملتا۔ ایسے اشعار کی تعداد بھی بہت کم ہے جن میں تصوف کے مضامین علمی سطح پر برتے گئے ہوں:

نہ ہوتا دل مرا محتاج صہبا کا تری ساقی مئے وحدت سے یہ ساغر اگر معمور ہو جاتا
بولتا ہے تجھ میں حق اور تجھ سے ہے غافل یہ خلق اب تلک تاباں، کسی نے تجھ کو پہچانا نہیں

تمام کلاسیکی شاعروں کی طرح میر عبدالحیٰ تاباں نے بھی ملا اور زاہد کا مذاق اُڑایا ہے۔ شیخ اور زنار کے آپسی رشتے کو تلاش کرنے اور اس جانب لوگوں کو متوجہ کرنے کی مثالیں تاباں کے یہاں بھی موجود ہیں۔ شیخ اور پنڈت ہمارے معاشرے کے معزز ترین انسان ہیں لیکن یہ عجیب قصہ ہے کہ اردو شاعروں نے شیخ اور پنڈت کو اپنے طنز اور تمسخر کا موضوع بنا کر ایک طرح سے مذہب کی شدت پسندی کو کم کرنے یا ختم کرنے کی کوشش کی ہے ایسے اشعار میں معنی کی کوئی ایسی جہت یا خوبی نظر نہیں آتی جس سے یہ کہا جا سکے کہ شعرا نے ان مضامین کے ذریعہ فنی اعتبار سے کوئی کارنامہ انجام دیا ہے۔ تصوف سے متعلق تو یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ شعرا نے مجاز اور حقیقت کے سیاق میں ایک خوشگوار تجربہ کیا ہے اور نہایت ہی اعلیٰ مضامین باندھے ہیں مگر زاہد اور شیخ کے تعلق سے شعرا کے یہاں معنی آفرینی کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ جیسا کہ غالبؔ کے یہاں موجود ہے:

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانہ میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

کلاسیکی شاعری میں زاہد و شیخ کا مذاق اڑانا دراصل ظاہر داری اور منافقت پر گہرا طنز ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے یہ مضامین شعرا کے تخلیقی تجربے کا حصہ نہیں بن سکے۔ ان مضامین کی پیشکش میں رعایت لفظی کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ ایسے شعروں کی قراءت سے ہماری بصیرت میں اضافہ نہیں ہوتا البتہ اردو شعرا نے کفر اور اسلام کے درمیان رشتوں کو تلاش کا کام جس سطح پر کیا ہے اس سے اردو شاعری کا سیکولر کردار سامنے آتا ہے۔ تاباں کی شاعری میں بھی زاہد اور شیخ کا ذکر اس عہد کے شعری میلان کا حصہ ہے۔ دیوانِ تاباں کی پہلی غزل میں ہی یہ مسائل ایک غالب رجحان کی شکل میں سامنے آئے ہیں:

اے مرد خدا ہو تو پرستار بتاں کا　　مذہب میں مرے کفر ہے انکار بتاں کا
لگتی وہ تجلّی شرر طور کے مانند　　موسیٰ تو اگر دیکھتا دیدار بتاں کا
گردن میں مرے طوق ہے زنار کے مانند　　ہوں عشق میں ازبسکہ گنہ گار بتاں کا
دلّوں کی ٹک اک سیر کر انصاف سے اے شیخ　　کعبے سے ترے گرم ہے بازار بتاں کا
دوں ساری خدائی کو عوض ان کے میں تاباں　　کوئی مجھ سا بتاوے تو خریدار بتاں کا

ان شعروں کی خوبی اظہار بیان میں ہے۔ شاعر نے ایک ذرا سی بات کہنے کے لیے جو لفظی ومعنوی رعایتیں پیدا کی ہیں وہ ان اشعار کی خوبی میں اضافہ کرتی ہیں مثلاً مطلع کا شعر دیکھیے:

اے مرد خدا ہو تو پرستار بتاں کا　　مذہب میں مرے کفر ہے انکار بتاں کا

اردو غزل میں لفظ بتاں کا استعمال عموماً محبوب کے لیے ہوتا ہے۔ شعرا نے بت کی خاموشی کو محبوب کی بے رغبتی اور خاموشی سے تعبیر کیا ہے۔ خدا اور بُت ایک جگہ نہیں ہو سکتے، بت پرستی کا مطلب خدا بیزاری ہے یعنی ایک خدا کی طاقت سے انکار کر کے کسی بت کی پرستش کرنا۔ تاباں مرد خدا کو بتاں کی پرستش کا مشورہ دیتے ہیں اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ میرے مذہب میں بتاں سے انکار کرنا کفر کے مترادف ہے۔ اس شعر میں لفظ کفر مرد خدا کے تعلق سے بہت ہی خوبصورت ہے۔ اس سے یہ تصور بھی قائم ہوتا ہے کہ بتاں کی پرستش کے بعد ہی معبود حقیقی تک رسائی ہو سکتی ہے گویا مجاز حقیقت تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ اسی لیے شاعر کہتا ہے ''مذہب میں مرے کفر ہے انکار بتاں کا'':

گردن میں مرے طوق ہے زنار کے مانند　　ہوں عشق میں ازبسکہ گنہ گار بتاں کا

زنار کی صورت بھی طوق جیسی ہوتی ہے۔ یہ طوق عشق کا ہے جو محبوب کی جانب سے بطور سزا عاشق کے گلے میں ڈالا گیا ہے۔ یہاں بھی زنار، بتاں، طوق، گردن اور گنہ گار جیسے الفاظ شعر کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں:

دونوں کی ٹک اک سیر کر انصاف سے اے شیخ — کعبے سے ترے، گرم ہے بازار بتاں کا

کفر اور اسلام کے درمیان مماثلت کی تلاش، تاباں کی غزل کا ایک اہم عنوان ہے۔ بظاہر یہ سادہ سا شعر ہے لیکن تاباں نے ''کعبے سے ترے گرم ہے بازار بتاں کا'' کہہ کر ثابت کر دیا ہے کہ بتاں کا بازار کعبے کے بغیر گرم نہیں ہو سکتا۔ گویا کعبے میں جانے والوں کو کعبے میں جانے کی ترغیب بازار بتاں سے ملی اور بازار بتاں کی چہل پہل اور ہمہ ہمی بازار کعبہ سے قائم ہے لیکن اس شعر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ شیخ صرف کعبے کے ماحول سے آشنا ہے اور وہ بازار بتاں کو نہیں جانتا، لہٰذا شاعر اسے مشورہ دیتا ہے کہ اے شیخ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ تو کبھی بازار بتاں کی بھی سیر کر اس کے بعد تجھے معلوم ہوگا کہ کس کا بازار کتنا گرم ہے یعنی بازار بتاں کعبے کے بازار سے زیادہ گرم اور آباد ہے۔ تاباں نے بازار بتاں کا ذکر درج ذیل شعر میں بھی کیا ہے:

گرم از بسکہ ہے بازار بتاں اے زاہد — رشک سے ٹکڑے ہوا ہے حجر الاسود

دوں ساری خدائی کو عوض ان کے میں تاباں — کوئی مجھ سا بتادے تو خریدار بتاں کا

اپنی خریداری کو دوسروں سے یوں فائق کر کے دکھایا گیا ہے کہ بتاں کو حاصل کرنے لیے میں ساری خدائی دینے کو تیار ہوں۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں ''ان کے'' پر غور کرنے کی ضرورت ہے ''ان کے'' دراصل ''بتاں'' کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یعنی اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ بتاں تو پہلے سے ہی میری خدائی میں شامل ہے اس کے خریدنے کا مسئلہ تو جب ہوگا کہ وہ کسی اور کی ملک ہو۔ خدائی دینے کا مطلب دنیا جہان کو قربان کرنا ہے۔ لیکن یہاں خدائی اور بتاں میں تاباں نے تضاد پیدا کر کے خوبصورتی پیدا کی ہے:

خدا دیوے اگر قدرت مجھے تو ضد سے زاہد کی — جہاں تک مسجدیں ہیں میں بناؤں توڑ بت خانہ

تاباں نے مسجدوں کو توڑ کر بت خانہ بنانے کے لیے خدا کی مدد چاہی ہے، ''خدا دیوے اگر قدرت'' گویا یہ کام خدا کی توفیق اور عنایت سے ہی ہو سکتا ہے ورنہ اس میں فساد کا بڑا اندیشہ ہے۔

لہٰذا وہ خدا کی مدد کا طالب ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ مسجدوں کو توڑ کر بت خانہ کیوں بنانا چاہتا ہے۔ اس کا جواب پہلے مصرع کے ''ضد سے زاہد کی'' کے ٹکڑے میں پوشیدہ ہے۔ یہاں بھی زاہد کی شدت پسندی شاعر کے لیے مسجدوں کو توڑنے کا سبب بنی ہے۔ مسجدوں کو توڑ کر بت خانہ بنانا اور اس کام کے لیے خدا کی مدد کا منتظر ہونا شعر کے لطف میں اضافہ کرتا ہے:

دنیا میں بتاں کا جو پرستار نہ ہووے　　محشر میں خدا کا اسے دیدار نہ ہووے

زاہد، کعبہ اور بت خانہ کے تعلق سے تاباں کے یہ مزید چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

اس جبہ و عمامہ سے رندوں میں نہ آؤ　　رسوا نہ کرو شیخ جی یہ شکل مقدس

شیخ کیا کیا تو پاوے کیفیت　　یار ہو گر ہمارے مشرب کا

ہمارے میکدے میں ہیں جو کیفیتیں ظاہر　　کب اس خوبی سے اے زاہد تر لبیت حرم ہوگا

حرم کو چھوڑ رہوں کیوں نہ میکدے میں شیخ　　کہ یاں ہر ایک کو ہے مرتبہ خدائی کا

کرتا ہے گر تو بت شکنی تو سمجھ کے کر　　شاید کہ ان کے پردے میں زاہد خدا بھی ہو

اے شیخ جو کچھ مکر تجھے یاد ہیں شاید　　شیطان بھی اس طرح کا مکار نہ ہووے

نہ ہو ان زاہدوں کی ضد سے بیت اللہ کا حاجی　　عرب سے لے کے تو بدنام تاباں تا عجم ہوگا

تاباں نے زاہد کو جس انداز میں مخاطب کیا ہے اس میں کوئی ایسا شعری حُسن نہیں ہے جو ہمیں متاثر کرے۔ یہ سارے معاملات دراصل زاہد اور ملا کی ظاہر داری اور شدت پسندی کا نتیجہ ہیں، ملا اور زاہد کی طرح برہمن کا کردار بھی شعرا کے لیے تختۂ مشق رہا ہے۔ زاہد اور ملا کو طنز کا نشانہ بنانا کوئی مشکل نہیں مگر اس طنز کو تخلیقی تجربے کا حصہ بنا کر اسے کوئی جہت عطا کرنا مشکل فن ضرور ہے:

حرم کو چھوڑ رہوں کیوں نہ میکدے میں شیخ　　کہ یاں ہر ایک کو ہے مرتبہ خدائی کا

زاہدوں اور ملاؤں کا کردار سماج میں پیشوا اور راہبر کا رہا ہے، وہ زندگی کے معاملات میں

خدا کا حوالہ دیتے ہیں اس طرح وہ خدا کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ یوں تو اس دنیا میں ہر شخص خدا کا نائب اور خلیفہ ہے مگر زاہدوں کی نیابت اور قیادت جب حکم کا درجہ اختیار کر لیتی ہے تو ایسی صورت میں شاعر یہ کہتا ہے کہ " کہ یاں ہر ایک کو ہے مرتبہ خدائی کا "۔ تاباں کہتے ہیں:

شیخ کیا کیا تو پاوے کیفیت   یار ہو گر ہمارے مشرب کا

مئے نوشی ایک طرح کی خود فراموشی بھی ہے۔ اسی لیے مذہب اسلام نے نشہ سے پرہیز کرنے کی تلقین کی ہے لیکن مشرب رندی میں خود فراموشی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کیفیات کے دوران وہ ایک سچا انسان نظر آتا ہے۔ تاباں اسی کیفیت کی جانب اشارا کرتے ہیں لیکن تاباں اشرف علی خاں فغاں کی طرح یہ نہیں کہتے:

خمار آخر کو ہے بادہ کشی میں   ارے مئے خوار بس کر کیا کرے گا
(فغاں)

تاباں کہتے ہیں:

تو مے پی اس قدر ظالم کہ تجھ کو کیف کم ہووے   ترا بے ہوش ہو جانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

شعر کس طرح ایک ذرا سی بات سے خوبصورت ہو جاتا ہے اس کو مندرجہ بالا شعر کے ثانی مصرے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ "ترا بے ہوش ہو جانا ہمارا ہوش کھوتا ہے" یعنی تمھاری بے ہوشی کو دیکھ کر میں اپنا ہوش کھو بیٹھوں گا:

کرتا ہے گر تو بت شکنی تو سمجھ کے کر   شاید کہ ان کے پردے میں زاہد خدا ہی ہو

تاباں نے کئی مقام پر اس جانب اشارا کیا ہے بت کی پوجا گویا معبود حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے تاباں زاہد کو خبردار کرتے ہیں کہ جس خدا کو راضی کرنے کے لیے تم نے بت شکنی اختیار کی ہے کہیں ایسا نہ ہو ان ہی بتوں کے پردے میں خدا بھی موجود ہو۔ تاباں کعبے سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اس کے مقابلے میں بت خانہ میں بیٹھنا انھیں زیادہ پسند ہے۔ اس

جذبے کے پس پردہ یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ بت پرستی دراصل خدا پرستی کی طرف لے جاتی ہے۔ اردو غزل میں بُت پرستی کے اس رجحان کو ہندستانی تہذیب کے سیاق میں بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں پر تاباں کے ایسے دو شعر کا حوالہ ضروری ہے جن میں کفر اور اسلام دونوں سے انکار ہے:

ہم تو تاباں ہوئے ہیں لا مذہب　　　منجھلا دیکھ سب کے مذہب کا

☆

ہوں مبرّا کفر اور اسلام کی باتوں سے میں　　　ہو بنائے کعبہ ویراں یا ہو بت خانہ خراب

تاباں نے ایک شعر میں خود کو مسلمان اور برہمن دونوں سے وابستہ کیا ہے:

مقرر نہیں میرے تاباں کا مذہب　　　کہیں ہے مسلماں کہیں ہے برہمن ہے

تاباں نے صنم، خدا اور کافر جیسے روایتی الفاظ سے عشقیہ مضمون کو ایک نئی جہت دی ہے:

تاباں مرے صنم کو خدا کا بھی ڈر نہیں　　　بے رحم سنگ دل ہے وہ کافر بتاں کے بیچ

پہلے مصرعے میں صنم سے مراد محبوب ہے، جسے وہ خوف خدا سے عاری قرار دیتا ہے۔ ثانی مصرعہ میں شاعر اسے بے رحم، سنگ دل کہتا ہے۔ صنم کو سنگ دل کہنے کی روایت پرانی ہے۔ خدا اور بتاں میں جو تضاد کی خوبی ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ مندرجہ ذیل شعر میں تاباں نے دفاعی انداز اختیار کیا ہے:

بتاں کے عشق سے میں کیوں نہ ہوں شاد　　　کہ ان کو دیکھ آتا ہے خدا یاد

ہے گفتگو خدا سے بھی اس جنگ جُو کے تئیں　　　کوئی اور اس سا دوسرا کافر صنم نہیں

تاباں کی شاعری میں زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتیں اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ زندگی محض فلسفیانہ اور دقیق خیالات سے عبارت نہیں۔ زندگی کے وہ مسائل جن کا سامنا ہر خاص و عام کو کرنا ہوتا ہے وہ تاباں کے نزدیک زیادہ اہم ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تاباں انسانی زندگی کے بارے

میں سوچتے ہوئے فلسفیانہ انداز اختیار نہیں کرتے۔ان کا منشا بس یہ ہے کہ زندگی کے معاملات بغیر کسی پیچیدگی کے سامنے آجائیں۔ان کے نزدیک انسان کا باوفا اور باکردار ہونا بہت ضروری ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ وفاداری اور خوئے دل نوازی ہی انسان کو انسان بناتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں انسانی رشتوں کا ذکر مختلف حوالوں سے ملتا ہے۔عموماً وفاداری کا ذکر محبوب کے تعلق سے ہی ہوتا ہے لیکن تاباں وفاداری کو زندگی کے بڑے سیاق میں دیکھتے ہیں۔ہجر و وصال کے مضامین کا تعلق بھی انسانی زندگی سے ہے۔لیکن جب یہ مضامین عام انسانی صورتحال کی شکل اختیار کرتے ہیں تو ان میں آفاقیت پیدا ہو جاتی ہے۔تاباں کی شاعری میں جفا، وفا، آشنا، دوستی، اخلاص جیسے الفاظ ہمیں زندگی کی اعلیٰ قدروں اور سچائیوں سے قریب کرتے ہیں:

کسی میں مہر و محبت، کہیں وفا بھی نہیں — کوئی کسی کا زمانے میں آشنا بھی نہیں
بے وفاؤں سے جی میں ہے تاباں — اور سب کچھ کروں وفا نہ کروں
آشنا ہوچکا ہوں میں سب کا — جس کو دیکھو سو اپنے مطلب کا
کسی سے اس لیے کرتے نہیں ہیں ہم اخلاص — کہ ہے نفاق زمانے میں اب ہے کم اخلاص
ہوں بادفا سے باوفا اور بے وفا سے کیا غرض — ہوں آشنا کا آشنا نا آشنا سے کیا غرض
جو غائبانہ اور ہو اور دوست ہووے روبرو — پھر دل میں شرمندہ نہ ہو اس بے حیا سے کیا غرض
کسی گل میں نہیں پانے کی تو بوئے وفا ہرگز — عبث اپنا دل اے بلبل چمن میں مت لگا ہرگز
غیر کی صحبت سے بہتر ہے کہ کریے احتراز — دوستوں کی بات کو خاطر میں اپنے لائیے
معلوم اب ہو تجھ کو مرے دل کا حال سب — تیرا بھی دل لگے جو کسی بے وفا سے شوخ
آتا ہے جی میں کہ کروں اب وفا کو ترک — یاں تک خفا ہوا ہوں میں تیری جفا سے شوخ
کوئی اب کے زمانے میں نہ ہوگا — الٰہی آشنا سے آشنا خوش
تجھ کوں غرض نہیں ہے کسی آشنا سے شوخ — کوئی مرد یا کوئی بیو تجھ بلا سے شوخ

ایسے بہت سے اشعار دیوانِ تاباں سے نکالے جاسکتے ہیں ان شعروں کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آخر ان میں زندگی کا کون سا ایسا فلسفہ اور نکتہ ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ کوئی دقیق یا گہری نظر ان شعروں میں نظر نہیں آتی مگر دقیق یا گہری نظر کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے جو کسی شاعری کو وقار عطا کرتی ہے۔ یہ باتیں بہ ظاہر عام سی ہیں مگر اس سے واضح ہے کہ تاباں نے زندگی کی عام سچائیوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ ان اشعار سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ زندگی کی خوبصورتی اور بدصورتی کا رشتہ زندگی کے طویل سفر سے ہے۔ انسانی آبادی میں اچھائیاں اور خرابیاں کل بھی تھیں اور آج بھی ہیں۔ بہ ظاہر سادہ اور یہ عام سی باتیں اتنی بنیادی اور سچی ہیں کہ بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہی زندگی کے اصل مسائل ہیں یہ شاعری ہمیں اس بات کا یقین دلاتی ہے انسانی رشتے کی سچائیاں، بہت پرانی ہیں۔ خوشی اور غم کی شکلیں الگ الگ ہوسکتی ہیں مگر ان سے متاثر ہوکر کبھی مسکرانا اور کبھی رونا ہر عہد کے انسان کا مقدر رہا ہے۔ اچھے دوست کی ضرورت کل بھی تھی اور آج بھی ہے۔ تاباں کے یہ تمام اشعار دکھ سکھ کے ساتھی ہیں۔ تاباں کے یہ اشعار ہمیں زمینی سچائیوں سے اوپر نہیں اُٹھنے دیتے:

کوئی اب کے زمانے میں نہ ہوگا   الٰہی آشنا سے آشنا خوش

آشنائی کا مرحلہ طے بھی نہیں ہو پاتا اور ہماری راہ الگ ہو جاتی ہے۔ آشنا سے آشنا کے خوش نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اس کی تشریح غیر ضروری معلوم ہوتی ہے:

ہوں باوفا سے باوفا اور بے وفا سے کیا غرض   ہوں آشنا کا آشنا، نا آشنا سے کیا غرض

تاباں کے ان شعروں سے زندگی کے پیچیدہ مسائل کو سلجھانے اور کم کرنے میں مدد مل سکتی ہے، بے وفائی جن کا شیوہ ہے تاباں کو ان سے کوئی غرض نہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بے وفائی کے باوجود اپنی جانب سے وفا کرنا کمزوری کا اشاریہ بن جاتا ہے اس لیے تاباں برابری کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں۔ دورِ جدید میں احمد فراز کو یہ کہنا پڑا:

اس کی وہ جانے اسے پاسِ وفا تھا کہ نہ تھا   تم فراز اپنی طرف سے تو نبھاتے جاتے

لہٰذا ایسے لوگوں سے دوری ہی بھلی۔ تاباں کا یہ شعر ہماری زندگی کو آئینہ دکھاتا ہے:

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا   جس کو دیکھو سو اپنے مطلب کا

''جس کو دیکھو سو اپنے مطلب کا'' انسانی زندگی اور انسانی معاشرے کی آفاقی سچائی ہے۔ تاباں کے ان اشعار سے کوئی اور مطلب نہیں نکلتا لیکن اس کا تعلق کسی مخصوص وقت یا زمانے سے نہیں ہے۔ کیا درج ذیل شعر کے آئینے میں ہمارا چہرہ شرمندہ نہیں ہوتا؟

جو غائبانہ اور ہو اور دوست ہووے روبرو   پردل میں شرمندہ نہ ہو اس بے حیا سے کیا غرض

تاباں نے وفا، جفا، آشنائی کے تعلق سے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں ایسے اشعار بھی ہیں جن کا رشتہ کسی مخصوص محبوب اور معشوق کی بے وفائی سے نہیں بلکہ عام انسانی زندگی سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی ہمہ گیری ہمیں اپنی جانب متوجہ کرتی ہے:

جفا سے اپنی پشیماں نہ ہو ہوا سو ہوا   تری بلا سے مرے جی پہ جو ہوا سو ہوا

''ہوا سو ہوا'' کی ردیف بڑی خوش آہنگ اور بامعنی ہے۔ محبوب سے یا کسی شخص سے یہ کہنا کہ تم پشیمان نہ ہو ایک تہذیب اور ہمدردی کا اظہار ہی تو ہے کبھی پشیمانی بھی وفاداری کے لیے رکاوٹ بن جاتی ہے جیسا کہ غالب نے کہا تھا:

اگر نیکی بھی اس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے   جفائیں یاد کر کے اپنی شرما جائے ہے مجھ سے

تاباں کی شاعری میں ''یار'' خوباں، خوب رُو، جیسے الفاظ محبوب کے استعارے ہیں۔ ایک مقام پر اس جانب اشارا کیا جا چکا ہے کہ تاباں کے ایسے عشقیہ اشعار کسی گہری فکر اور احساس کا پتہ نہیں دیتے، مثلاً اس شعر کو دیکھیے جو ''یار'' سے متعلق ہے:

کب تلک صحبت رکھے کوئی در و دیوار سے   یار بن بیٹھے اکیلے گھر میں اکتائے ہیں ہم

گھر تہذیب کی علامت بھی ہے اور حفاظت کا ذریعہ بھی، نئی غزل میں شعرا نے ''مکان''

اور ''گھر'' میں فرق کیا ہے۔ اُکتاہٹ کا احساس دراصل تنہائی کا احساس ہے۔ نئی غزل میں اُکتاہٹ اور تنہائی کے اسباب مختلف ہیں مگر گھر میں اُکتا جانا اور اس سے باہر نکلنے کی روایت پرانی ہے۔ تاباں فطری انداز میں اپنے جذبے کا اظہار کرتے ہیں:

نہ جی لگتا ہے اب گھر میں نہ صحرا مجھ کو بھاتا ہے　　　کہو تاباں کہ ہم جاویں کہاں کچھ بن نہیں آتی

☆

لیا تھا دوستی سے جن نے دل ہائے　　　وہ اب دشمن ہوا ہے میرے جی کا

دوستی سے دل کا لے جانا اور پھر جی کا دشمن ہو جانا دراصل انسان کی ذلالت اور رزالت ہی کا پتہ دیتا ہے۔ شعرا نے اس فریب کاری کا طرح طرح سے اظہار کیا ہے، عموماً دل لینے کو غزل کے روایتی محبوب کے سیاق میں دیکھا جاتا ہے لیکن ایسا کرنا مناسب نہیں۔ اس شعر کے آئینے میں ماضی کے ان حاکموں کی تصویر سامنے آجاتی ہے جو دوستی کا ہاتھ بڑھا کر حکومت کو گرانے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ اپنی ہی فوج اور لوگوں کا باغی ہو جانا اور ایسے دوسرے معاملات اس شعر میں بند ہو گئے ہیں۔ دل کو لے جانا اور چلے جانے کا مضمون محبوب کے سیاق میں تاباں نے اس طرح باندھا ہے:

دل مرا ہاتھ سے جاتا ہے کروں کیا تدبیر　　　یار مدت کا مرا ہائے جدا ہوتا ہے

☆

تجھ کوں غرض نہیں ہے کسو آشنا سے شوخ　　　کوئی مرو یا کوئی جیو تجھ بلا سے شوخ

اس شعر میں بھی لفظ ''شوخ'' عام طور پر غزل کے روایتی محبوب کے لیے استعمال ہوا ہے مگر تاباں نے لفظ ''کسو'' رکھ کر شعر کی فضا میں وسعت پیدا کی ہے۔ شوخ ایک دوست بھی ہو سکتا ہے اور حاکم بھی، جو اپنی حکومت کے نشے میں اپنے اور پرائے کی تمیز نہیں کرتا۔ لفظ ''آشنا'' تاباں کی غزل میں بہت سے مقامات پر آیا ہے۔ تاباں لفظ ''آشنا'' کو جان پہچان کے سیاق میں استعمال

کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس مصرع میں ہے'' آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا'' اور کبھی لفظ آشنا دوستی اور رفاقت کے لیے بھی استعمال ہوا ہے:

کوئی اب کے زمانے میں نہ ہوگا الٰہی آشنا سے آشنا خوش

آشنا سے آشنا کا ناراض ہونا دراصل دو طرف ہمارے ذہن کو لے جاتا ہے ایک معنی تو یہ ہے کہ صرف میرا ہی آشنا ایسا ہے جو مجھ سے ناراض ہے ورنہ اس زمانے میں ایسا ہوتا نہیں کہ کوئی آشنا کسی آشنا سے ناخوش ہو اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں کوئی آشنا کسی آشنا سے خوش نہیں ہے۔ اسی لیے تاباں مشورہ دیتے ہیں:

تو مل اس سے، ہو جس سے دل ترا خوش بلا سے تیری میں ناخوش ہوں یا خوش

انسان کی جن بنیادی کمزوریوں کا ذکر تاباں نے بہت قبل کیا تھا وہ کمزوریاں ورثے کے طور پر آج کے انسانوں کے حصے میں بھی آئی ہیں۔

جو غائبانہ اور ہو اور دوست ہووے رو برو پھر دل میں شرمندہ نہ ہو اس بے حیا سے کیا غرض

غائبانہ کچھ اور ہونا اور سامنے میں کچھ اور ہو جانا دراصل منافقت ہے، افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ اس منافقت پر کوئی شرمندگی نہیں۔

زندگی کی بے ثباتی اور اس کے تیز تر گزر جانے کا شکوہ شعرا کے یہاں مل جاتا ہے۔ تاباں کہتے ہیں:

سفر دنیا سے کرنا کیا ہے تاباں عدم ہستی سے راہِ یک نفس ہے

سودا کا خیال ہے:

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

زندگی کی چند باتیں ہمیشہ سے ہی حیرت اور پریشانی کا سبب رہی ہیں۔ انسان کہاں سے آیا ہے اسے کہاں جانا ہے پل بھر میں انسانی زندگی کیوں کر ختم ہو جاتی ہے؟ ہم سوچتے کچھ ہیں اور

ہوتا کچھ ہے۔ ان سوالات کو سلجھانے کے لیے مذہب آیا، ان کو نافذ کرنے والے لوگ آئے مگر پھر بھی انسان بڑی حد تک غیر مطمئن رہا، کبھی وہ خدا کی طرف مائل ہوا تو کبھی خدا سے بیزار، کبھی اس نے غموں کا مذاق اُڑایا تو کبھی غموں کے سامنے سپر ڈال دی۔ جس شاعر کی فکری بصیرت جتنی اور جیسی تھی اس نے اسی اعتبار سے اپنی شاعری میں ان مسائل کو برتنے کی کوشش کی۔ تاباں کی شاعری میں زندگی کے ان بنیادی مسائل کو سمجھنے اور سلجھانے کی کوشش سے زیادہ شکوے اور شکایت کی مثالیں زیادہ ملتی ہیں۔ مسائل کو سلجھانے کی کوشش کرنا دراصل زندگی کو آسان بنانا ہے۔ تاباں نے زندگی کی تباہ کاری کے تعلق سے فلک کا گلہ اسی لیے کیا ہے کہ اس نے انسانی آبادی پر بڑی زیادتیاں کی ہیں۔ تاباں کے چند اشعار کے مطالعے سے زندگی کی ان بنیادی الجھنوں اور حقیقتوں کو سمجھا جاسکتا ہے:

دم حباب آسا ہے اور کارِ جہاں بحرِ عمیق   سخت حیراں ہوں کہ اس فرصت میں کیا کیا کیجیے

تاباں جس حیرانی کا اظہار کرتے ہیں اس کا تعلق ہر حساس انسان سے ہے۔ زندگی کے کاروبار کو سمیٹنے کے لیے جتنا وقت ملتا ہے وہ نہایت قلیل ہے۔ تاباں ''حباب'' سے زندگی کی بے ثباتی کو تشبیہ دیتے ہیں۔ پانی کا بلبلہ تو پل بھر کے لیے بنتا ہے لیکن زندگی کا کاروبار بحرِ عمیق ہے۔ تاباں نے حباب کی رعایت سے بحرِ عمیق کی ترکیب بھی بہت اچھی استعمال کی ہے۔ آگے چل کر اقبال نے اس مضمون کو ایک نئی شکل دے دی:

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں   کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

میرؔ نے کہا تھا

کام تھے عشق میں بہت پر میرؔ   ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

تاباں کے بارے میں یہ لکھا جاچکا ہے کہ ان کے یہاں قلندرانہ شان بھی ہے۔ اسباب دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا تاباں کے نزدیک زندگی کی الجھنوں سے خود کو محفوظ رکھنا ہے:

اسباب جہاں کی تو دلا فکر نہ کر تو حاصل نہیں کچھ اس سے بجز رنج و مشقت

اسباب جہاں کی حصولیابی دراصل دنیا طلبی کا نام ہے، فقر اور قلندری میں انسان اپنے خالق سے قریب ہوتا ہے اور معرفت کا نور اس کے دل میں روشن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیروں کے سلسلے میں شاعروں نے اچھی رائے نہیں دی ہے۔ تاباں کہتے ہیں:

یہ دولت مند اگر شب کور ہیں یارو تو پھر کیا ہو کہ ہیں یہ چاندنی راتوں کو بھی محتاج مشعل کے

تاباں نے دولت مند انسان کے تاریک دل کو جس طرح بے نقاب کیا ہے اس کی شدت کا اندازہ ثانی مصرعے میں ''محتاج مشعل'' کے فقرے سے کیا جا سکتا ہے۔ ایک دوسرے شعر میں تاباں منعم کی قبر میں تاریکی کا ذکر کرتے ہیں:

نہ ہوگی گور میں منعم کے ہرگز روشنی تاباں جلے ہر رات گو تربت میں اس کے شمع کافوری

تاباں کی شاعری کے بارے میں عام طور پر ناقدین کا خیال ہے کہ ان کے یہاں فکر و خیال کی گہرائی نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جب ہم ان کے معاصرین میں میر، سودا، درد، فغاں وغیرہ کو پڑھتے ہیں تو ہمیں مجموعی اعتبار سے تاباں کی شاعری بہت متاثر نہیں کرتی، چند شعروں کی بنیاد پر نہ تو کسی شاعر کو رد کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے بلند ثابت کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ اپنے عہد کی شاعری میں غزل کے حوالے سے میر کا نام سب سے فائق ہے۔ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ میر کا کلام اپنے معاصرین کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ تاباں، فغاں، درد وغیرہ کا کلام میر کے مقابلے میں نہایت قلیل ہے۔ تقابل کی صورت وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں ایک ہی مضمون کو دو شاعروں نے برتا ہو لیکن اس تقابل میں بھی اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ کسی شعر کے مقابلے میں کسی شاعر کا کم رتبہ کلام نہ رکھا جائے۔ عموماً ہوتا یہی ہے کہ میر کو بڑا ثابت کرنے کے لیے سودا کا کمزور شعر لکھ دیا جاتا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ اگر ''گریہ'' کے مضمون کو دو شاعروں کے یہاں تلاش کرنا ہو تو ان کے پورے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے یہ عین ممکن ہے کہ کسی اچھے شاعر کے یہاں

''گریہ'' کا مضمون بہت خوبصورت انداز میں نہ باندھا گیا ہو اور اس کے مقابلے میں کسی کم تر درجے کے شاعر کے یہاں ''گریہ'' کے مضمون کو زیادہ بہتر ڈھنگ سے باندھا گیا ہو۔ تاباں کی تخلیقیت کا دائرہ میر کے مقابلے چھوٹا ہے۔ میر زندگی کے مختلف رنگ روپ کو دیکھنے کا ہنر جانتے ہیں۔ اب اگر تاباں کا کوئی شعر میر کے مقابلے میں بلند معلوم ہوتا ہے تو اس سے میر کی عظمت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ بس اتنا کہا جاسکتا ہے کہ میر نے فلاں مضمون کو زیادہ بہتر ڈھنگ سے باندھا ہے شاعری میں زبان کا عمل بہت نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔ میر کے اس شعر میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ اس کے باوجود یہ شعر آفاقی نوعیت کا ہے:

روز ملنے پہ نہیں نسبتِ عشقی موقوف　　عمر بھر ایک ملاقات چلی جاتی ہے

میر

☆

تاباں کا یہ شعر دیکھیے:

پھرے ہے ہاتھ سے جس کے یہ خلق فریادی　　کیا ہے ہم نے اسے پیار دیکھیے کیا ہو

اس شعر میں بھی فکر و خیال کی سطح پر کوئی گہرائی نہیں بس ایک دردمندی ہے جو گفتگو اور بول چال کے لہجے میں سامنے آئی ہے۔ خلق کا فریادی ہو کر گھومنا کسی کے ظلم و جبر کی طرف اشارا ہے۔ جہاں ایک طرف خلق ظلم و جبر کے نتیجے میں فریادی ہو کر بھٹک رہی ہے وہیں دوسری طرف شاعر کہتا ہے کہ اس خلق فریادی کو میں نے پیار کیا ہے۔ زندگی کی وہ اعلیٰ قدریں جن سے ترقی پسندی کا رشتہ ہے اس کا تعلق بنیادی طور پر انسان کی فطرت سے ہے۔ ''کیا ہے ہم نے اسے پیار دیکھیے کا ہو'' اس مصرعہ سے سادگی اور خوف دونوں کا اظہار ہوتا ہے، ''جس کے'' پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ''پھرے ہے ہاتھ سے جس کے یہ خلق فریادی'' ایک مفہوم تو اس کا یہ بھی ہے کہ جس شخص کے ہاتھ سے ایک خلق فریادی ہو کر بھٹک رہی ہے اس شخص کو ہم نے پیار کیا ہے:

کی سب بنائے ہستی دریاں فلک نے لیکن　　ہرگز شکست ہی تھیں اس گنبدِ کہن کو

تاباں

فلک سے شکوہ کرنے کی روایت بہت پرانی ہے۔ تاباں فلک کا شکوہ کرتے ہیں کہ اس نے بنائے ہستی ویران کر دی ہے مگر اس گنبد کہن کو کبھی زوال نہیں آتا۔ ایک طرف بنائے ہستی ویران ہے اور دوسری طرف گنبد کہن اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ظاہر ہے کہ گنبد کا وجود بنیاد کے بغیر تو نہیں ہو سکتا۔ اس طرح بنائے ہستی کی ویرانی اور گنبد کہن میں ایک تضاد کی خوبی پیدا ہو گئی ہے۔ فلک کے تعلق سے تاباں کا یہ شعر بھی دیکھیے:

تارے نہ جانیو کہ مرے تیر آہ سے　　سوراخ ہو گئے ہیں یہ سب آسماں کے بیچ

میر کے درج ذیل شعر کو اس لیے اچھا یا معیاری نہیں کہا جا سکتا کہ وہ میر کا ہے:

روشن ہے یہ کہ خوف ہے اس غصہ ور کا میر　　نکلے ہے صبح کانپتا جو تھرتھر آفتاب
میر

طاقت کہاں کہ تاب ترے حسن کی وہ لائے　　رہتا ہے کانپتا ہی سدا تھرتھر آفتاب
تاباں

یہ زمین ولی دکنی کی ہے:

کیوں ہو سکے جہاں میں ترا ہمسر آفتاب　　تجھ حسن کی اگن کا ہے یک اخگر آفتاب
ولی

میر اور تاباں کے اس شعر پر غور کیجیے تو دو شاعروں کی صناعی اور تخلیقیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آفتاب کا تھرتھرانا شعر کا بنیادی اور کلیدی خیال ہے۔ بظاہر لگتا ہے کہ میر نے آفتاب کے تھرتھر کانپنے کو صبح تک محدود کر دیا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ تاباں لفظ ''سدا'' کے ذریعہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آفتاب مستقل کانپ رہا ہے اس لیے کہ وہ اس کے محبوب کی تاب نہیں لا سکا۔ تاباں نے حسن کا لفظ لاکر شعر کے مضمون کو واضح کر دیا ہے۔ میر نے ''خوف ہے اس غصہ ور کا'' ٹکڑے سے ابہام پیدا کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ میر نے شعر کو زیادہ با معنی بنا دیا ہے۔

''روشن ہے'' سے مراد ''واضح'' ہے۔ آفتاب کے تعلق سے لفظ روشن کو دیکھیے اور پھر صبح کا لفظ بھی آفتاب اور روشن سے مربوط ہے۔ آفتاب کی رعایت سے ''نکلے ہے'' کا اور غصہ ڈر کا خوف اور تھرتھرانا۔ یہ تمام لفظی و معنوی رعایتیں میرؔ کی شاعرانہ صلاحیتوں پر دلالت کرتی ہیں۔ تاباں نے خورشید کے کانپنے کا مضمون ایک شعر میں یوں باندھا ہے:

خورشید بھی کانپے ہے تجھے دیکھ کے تھرتھر　　ہو تاب کسی کو ترے دیدار کی کیوں کر

لیکن بعض اوقات تقابلی مطالعے سے کسی شاعر کے ساتھ ناانصافی بھی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ہر شاعر کا مطالعہ مجموعی اعتبار سے اس کی حدود میں ہی رہ کر کرنے کی ضرورت ہے۔ تاباں کے یہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں جنھیں سنجیدگی سے پڑھنے اور ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے:

ملوں ہوں خاک جوں آئینہ منھ پر　　تری صورت مجھے آتی ہے جب یاد

☆

ہر برگ سے تمھارے آنے کی آرزو میں　　دستِ دعا چمن میں سب گُل اُٹھا رہے ہیں

☆

ہزاروں بار صاحب ہوش کی تدبیر پھرتی ہے　　و لیکن حق تعالیٰ کی نہیں تقدیر پھرتی ہے

تاباں کا پہلا شعر آئینہ سے متعلق ہے۔ آئینہ اردو شاعری کا ایک محبوب استعارا رہا ہے۔ آئینہ کے تعلق سے بال، غبار، دل، حیرت جیسے الفاظ لازماً آتے ہیں۔ تاباں نے بھی اس استعارے کی پیش کش میں اپنی صناعی ثابت کی ہے۔ آئینے کو دیکھ کر حیران ہونا اپنی صورت کے ساتھ ساتھ کسی اور صورت کا یاد آنا یہ تمام خیالات مختلف شعرا کے یہاں مل جاتے ہیں لیکن کسی کی صورت کو یاد کر کے اپنے منھ پر خاک ملنا کئی اعتبار سے بامعنی ہے۔ ایک پہلو اس میں غصہ کا پوشیدہ ہے، سوال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے منھ پر خاک کیوں ملنا چاہتا ہے۔ اس بارے میں کوئی

تیکھی بات نہیں کہی جا سکتی:

تبسم دیکھ اس غنچہ دہن کا جگر ٹکڑے ہوا ہے ہر کلی کا

☆

پالکی بھی مجھے خدا نے دی تو بھی رہا میں خانہ بدوش

☆

خوانِ فلک پہ نعمت الوان ہے کہاں خالی ہے مہر و ماہ کی دونوں رکابیاں

نعمت الوان بھی خوانِ فلک کی دیکھ لی ماہ نان خام ہے اور مہر نانِ سوختہ

کیا ان دو شعروں کی روشنی میں تاباں کی زندگی اور عہد کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ جب زندگی کے وسائل ختم ہو جائیں اور انسان کس مپری کے عالم میں زندگی گزارنے پر مجبور ہو تو ایسی صورت میں انسان فلک کا شکوہ کرتا ہے۔ بظاہر ان اشعار میں رعایت لفظی کے علاوہ کوئی اور خوبی نظر نہیں آتی لیکن اس رعایت لفظی میں اس عہد کی پریشان حالی پوشیدہ ہے۔ الوان سے مختلف قسم کا کھانا مراد ہے۔ مہر و ماہ کو رکابی کہنا بھی بہت خوبصورت ہے۔ مہر و ماہ اور فلک کی صورت کو رکابی سے مشابہ دکھایا گیا ہے۔ خوان، نعمت، رکابی، خالی جیسے الفاظ معنوی اعتبار سے مربوط ہیں۔ اس شعر میں شاعر خوان فلک کا گلہ کرتا ہے کہ یہ بالکل خالی ہے۔ دوسرے شعر میں ایک دوسری بات کہتا ہے:

نعمتِ الوان بھی خوان فلک کی دیکھ لی ماہ نانِ خام ہے اور مہر نانِ سوختہ

شاعر اس شعر میں مہر و ماہ کو رکابیاں نہیں کہتا بلکہ اسے نعمت الوان کا حصہ سمجھتا ہے۔ پر لطف یہ ہے کہ ماہ نانِ خام ہے اور مہر نانِ سوختہ۔ ماہ کم روشن ہے تو کچا ہے اور مہر زیادہ روشن ہے تو پکا یا جلا ہوا ہے۔

مجنوں گورکھپوری نے تاباں کی شاعری کے بارے میں ایک آنچ کی کمی کا ذکر کیا ہے۔

مجنوں گورکھپوری دراصل تاباں کی جواں مرگی پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں، آنچ کی کمی کو جواں مرگی سے وابستہ کر کے دیکھنا قطعیہ تو نہیں ہو سکتا لیکن تاباں کے سیاق میں یہ بات کلّی طور پر رد بھی نہیں کی جا سکتی۔ اسی مضمون میں اس خیال کا اظہار کیا جا چکا ہے کہ فن کی پختگی کے لیے لمبی عمر کی ضرورت نہیں ہے۔ مجنوں گورکھپوری نے تاباں کی شاعری کے مطالعے کے بعد جس رمز کو پالیا تھا وہ تاباں کے تعلق سے بے حد اہم ہے۔ تاباں کے یہاں جو تیکھاپن اور جذبات کی سطح پر جو اُبال ہے وہ ایک نوجوان اور بے قرار عاشق کا پتہ دیتا ہے۔ جذبات و احساسات کو تھپکیاں دے کر اس کی پرورش کرنا شاید تاباں کے اختیار میں نہیں تھا، ان کی جذباتیت ان کے شعروں سے عیاں ہے۔ شاعری میں متانت اور وقار کی خوبیاں عام طور پر شخصیت کے راستے سے ہی آتی ہیں، تاباں کے کلام میں جو بے قراری اور ناآسودگی ہے اس کے اظہار میں ان کے یہاں کوئی لگاوٹ اور پیچیدگی نہیں اس کا سبب وہی جذباتیت ہے، جو انہیں فوری طور پر شعر گوئی کے لیے آمادہ کرتی ہے۔ تاباں کی شاعری میں آتش، آگ، شمع، جلن، شفق، آہ، سوز و تڑپ، جیسے الفاظ بار بار آتے ہیں۔ ان لفظوں سے اس آگ کا پتہ چلتا ہے جو ان کے وجود میں روشن تھی۔ سرخی، تیزی، تندی سے گہری نسبت ہے وہ بے کیف و بے رنگ زندگی پسند نہیں کرتا:

لگی ہے شمع صفت دل کے دوداں کو آگ — اگر بیاں میں کروں لگ اُٹھے زباں کو آگ
نہیں ہے باغ میں لالا، لگی ہے اے یارو — یہ آہِ گرم سے بلبل کی گلستاں کو آگ
نہیں فلک پہ شفق لگ گئی ہے اے تاباں — ہماری آہ کے شعلے سے آسماں کو آگ
ہوکر سوختہ دل گرچہ کروں غم میں ترے آہ — ہو موئے بدن ہو ہے مرا شعلۂ آتش
سنا ہے جب سے مرے سوزِ دل کو اے تاباں — لگی ہے شمع کے تب سے بدن کے تئیں آتش
شعلہ خو کے ہاتھ سے جل کر ہوا ہے بسکہ داغ — آہ یوں نکلے ہے میرے دل سے جوں دودِ چراغ

گرچہ رکھتی ہے سراپا آب وہ سوز و گداز پر مرے واسوخت کے تئیں بن کے جل جاتی ہے شمع
ہے کفِ خاک مری بسکہ تپِ عشق سے گرم پاؤں واں جس کا پڑے آبلہ پا ہوتا ہے
بیان کوچۂ قاتل کا کیا کروں تاباں گیا میں ان کے یہاں طرف کربلا کے تئیں

اردو غزل میں واقعۂ کربلا کی بازگشت کی مثالیں عہد تاباں کے دیگر شعرا کے یہاں بھی تلاش کی جاسکتی ہیں۔ واقعۂ کربلا آگے چل کر اردو شاعری کا ایک اہم تخلیقی رجحان بن گیا۔ تاباں نے اپنے شعر میں کوچۂ قاتل کی ترکیب استعمال کی ہے۔ کوچۂ قاتل محبوب کی گلی کے لیے بھی شعرا نے باندھا ہے۔ تاباں کے شعر میں کوچۂ قاتل کی ترکیب اس عہد کے ظالم و جابر حکومت اور حملہ آور کی جانب بھی ہمارے ذہن کو منتقل کر دیتی ہے۔ اس طرح تاباں کی دہلی کربلا کی صورت میں ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

تاباں کی غزل کا ایک امتیازی وصف اس کی خوش آہنگی بھی ہے وہ عام طور پر مشکل اور ادق الفاظ سے گریز کرتے ہیں۔ بعض حروف اور الفاظ کی تکرار سے انھوں نے ایک آہنگ اور کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے:

زلف کہاں، یہ رخ کہاں، سنبل کہاں، ارغواں کہاں لعل کہاں، یہ لب کہاں، غنچہ کہاں، دہاں کہاں
خانہ بخانہ، در بدر، کوچہ بکوچہ، دشت بدشت تم بن نرے پھرے ہیں ہم روتے ہوئے کہاں کہاں
پھرتے ہوئے ہوئی ہے عمر تیری گلی، سوائے اب ہم سے فلک زدوں کے تئیں اور کوئی مکاں کہاں
دونوں جہاں کا بے نصیب روز ازل سے میں بنا یاں تو مجھے ہے رنج و غم راحت و عیش واں کہاں
اب یہ قفس ہے اور ہم گل ہیں یہ ہم صفیر ہیں ہائے کہاں وہ ہم صفیر وائے وہ گلستاں کہاں
عمر ہوئی کہ جا چکا تیرے ہوائے عشق میں مشتِ غبار کا مرے ہوئے گا اب نشاں کہاں
غم میں ترے ہے ہر طرف تاباں ترے کو دور دور روئے گز ہر وہ بیٹھ کر اور وہ کرے فغاں کہاں

اس غزل کے پہلے شعر میں آٹھ بار لفظ ''کہاں'' آیا ہے۔شعرا نے محبوب کے زلف و رخ کی تعریف طرح طرح سے کی ہے۔تاباں لفظ ''کہاں'' کی مدد سے ایک شئے کو دوسری شئے پر فوقیت دیتے ہیں۔تاباں نے محبوب کے زلف، رخ اور قد کو تشبیہات کے ذریعہ بلند و برتر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔اس غزل میں وہ اس طرح کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتے بلکہ اشاراتی انداز میں محبوب کے لب اور دہن کے تعلق سے کہتے ہیں۔لعل، کہاں، یہ لب کہاں، غنچہ کہاں، دہاں کہاں۔شعر کی خوبصورتی کا سارا مدار لفظ کہاں کی تکرار پر ہے۔دوسرے شعر میں بھی کوئی نیا خیال نہیں ہے۔محبوب کے غم میں در بدر پھرنے کو تاباں نے دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔خانہ بہ خانہ، کوچہ بہ کوچہ، دشت بدشت ان لفظوں میں خ، ب، ک، ش اور ت جیسے حروف کی تکرار سے ایک آہنگ پیدا ہوتا ہے۔ثانی مصرعے میں ''غم میں ترے پھرے ہیں ہم روتے ہوئے کہاں کہاں''، ''کہاں کہاں'' کا ایک ساتھ استعمال قافیہ اور ردیف کی ایک ایسی مماثلت کا اظہار ہے جس کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ہم عام گفتگو میں بھی یہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو کہاں کہاں دیکھا۔یعنی ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں ہم نے آپ کو نہ دیکھا ہو۔ تاباں کے شعر میں ''کہاں کہاں'' معنوی لحاظ سے ایک ہی معنی کی ادائیگی کرتے ہیں جس سے شعر میں زور پیدا ہو جاتا ہے۔چوتھے شعر کے دوسرے مصرعے میں ''یاں'' اور ''واں'' کا استعمال شعر کو خوبصورت بناتا ہے۔اسی طرح پانچویں شعر کا دوسرا مصرعہ بھی ''ہائے کہاں وہ'' اور ''ہم صفیر وائے وہ'' کے ٹکڑے سے خوش آہنگ ہو گیا ہے اور پہلے مصرعے میں ''ہم'' کی تکرار بھی خوبصورت ہے۔ساتویں شعر کے پہلے مصرعے میں لفظ ''ترے'' کے دو بار استعمال سے اور ثانی مصرعے میں لفظ کدھر، کر، کرے سے خوش آہنگی پیدا ہوتی ہے۔تاباں کی اس غزل میں خوش آہنگی اور دلکشی کا سبب لفظوں اور حروف کی تکرار ہے۔ تاباں کی درج ذیل غزل میں بھی حرف کی تکرار سے پیدا ہونے والی موسیقی کو محسوس کیا جا سکتا ہے:

شب کو پھرے وہ رشک ماہ خانہ بخانہ کو بکو　　دن کو پھِردں میں داد خواہ خانہ بخانہ کو بکو

قبلہ نہ سرکشی کر وحسن پہ اپنے اس قدر — تم سے بہت ہیں کج کلاہ خانہ بخانہ کو بکو
خانہ خراب عشق نے کھو کے مری حیا و شرم — مجھ کو کیا ذلیل آہ خانہ بخانہ کو بکو
تو نے جو کچھ کہ کی جفا تا دم قتل میں بسی — میری وفا کے ہیں گواہ خانہ بخانہ کو بکو
تیری کمند زلف کے ملک بہ ملک ہیں اسیر — بسمل خنجر نگاہ خانہ بخانہ کو بکو
کل تو نے کس کا خون کیا مجھ کو بتا کہ آج ہے — شور و فغاں و آہ آہ خانہ بخانہ کو بکو
مجھ کو بلا کے قتل کر، یا تو مرے گناہ بخش — ہوں میں کہاں تلک تباہ خانہ بخانہ کو بکو

چند اور مثالیں ملاحظہ کیجیے:

لایا ہمارے سر پہ یہ دل کیا خرابیاں — اس خانماں خراب کا خانہ خراب ہو
یاں تک تپش ہے عشق کی مجھ میں کہ بعد مرگ — گل بھی مرے مزار پہ گل کر گلاب ہو
اے میری جان مجھ تو انصاف کچھ بھی ہے — غیروں سے ہم کلام ہو ہم کو جواب ہو
تجھ کو چاہا اے ستمگر اب جو ہونا ہو سو ہو — مرگ کا بھی اُٹھ گیا ڈر اب جو ہونا ہو سو ہو
خار ہوں صحرا میں میں یا دربدر روتا پھروں — عشق میں تیرے تجا گھر اب جو ہونا ہو سو ہو

اس غزل کی ردیف ''اب جو ہونا ہو سو ہو'' عام گفتگو کی زبان ہے، تاباں لمبی ردیفوں کے ذریعہ شعر میں آہنگ اور تاثیر پیدا کرتے ہیں۔

میر عبدالحئی تاباں کی شاعری کے سلسلے میں اکثر ناقدین نے لکھا ہے کہ ان کے یہاں سادگی اور صفائی ہے، گہرے اور دقیق خیالات نہیں پائے جاتے۔ کچھ لوگ ایہام گوئی کے بعد کی صورتحال میں بھی تاباں کی شاعری کو دیکھتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تاباں نے بدلے ہوئے ماحول میں شعوری طور پر غزل کو عشقیہ اور عام جذبات سے قریب لانے کی کوشش کی اور ان کی تمام تر توجہ زبان کی صفائی اور سادگی پر تھی۔ اس میں شک نہیں کہ تاباں کا کلام اپنے ہمعصر شعرا کے

مقابلے میں زیادہ صاف اور رواں ہے لیکن اسے تاباں کی شعری کمزوری سمجھنا غلط ہوگا۔ مشکل اور ادق خیالات کو شاعری میں برتنا شاعرانہ عظمت کی دلیل نہیں۔ لیکن تاباں کے دیوان میں ایسی غزلیں بھی موجود ہیں جن میں فکر و زبان، مشکل پسندی اور پیچیدگی موجود ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تاباں کی غزل کا یہ اسلوب آگے چل کر غالبؔ کے یہاں کچھ زیادہ بامعنی صورت اختیار کر لیتا ہے:

ڈھونڈ لے اس خاک میں ظالم نشانِ سوختہ — جس میں آتی ہوے بوے استخوانِ سوختہ
غم میں پروانے کے ہے جو کچھ کہ اس کی سرگذشت — شمع کہہ سکتی نہیں ہے با زبانِ سوختہ
عشق کی آتش میں قمری جل کے خاکستر ہوئی — رہ گئی ہے سرو پر جوں آشیانِ سوختہ
نعمتِ الوان بھی خوانِ فلک کی دیکھ لی — ماہ نانِ خام ہے اور مہر نانِ سوختہ
آہ آتش ناک کا جب دل سے نکلا دودِ آہ — آشکارا ہوگیا سوزِ نہانِ سوختہ
صرف پروانے ہی پہ موقوف نہیں ہے سوزِ عشق — میں بھی رکھتا ہوں دلِ پُر داغ و جانِ سوختہ
اپنے تاباں سوختہ دل کا وہی تو جان گھر — جس جگہ تجھ کو نظر آوے مکانِ سوختہ

☆

میسّر سب کے تئیں اے چرخ گلگشتِ گلستاں ہو — ہمیں کو ہو قفس اور آہ داغِ ہم صفیراں ہو
ہمارا مزرعِ امید ہے گا خشک مدت سے — نہ کر منت کشِ باراں تو ہی اے اشکِ باراں ہو
بجا ہے اس کی تربت پر چڑھانا دستۂ نرگس — جو کوئی مقتولِ شمشیرِ نگاہِ چشمِ خوباں ہو
خط ہے یا یہ مصحفِ رُخ کی ترے تصویر ہے — یا کسی عاشق کے دودِ آہ کی تاثیر ہے
دام لاتا ہے عبث صیاد بلبل کے لیے — رنگِ گل کی موج ہی اس کے تئیں زنجیر ہے
دل نہیں ہے مرا یہ اخگر ہے — لائق طعمۂ سمندر ہے
کوتاہی نہیں ہے ہوسِ مُطعم و مُلبس — یہ نفسِ ہوسناک و بد آموز ہوس

مانند کماں خم نہ کروں قد کو طمع سے   گردش میں رکھے گو مجھے یہ چرخِ مقوّس

کلاسیکی شاعروں کے یہاں چھوٹی بحر کی غزل ایک خاص قسم کا تاثر قائم کرتی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شئے ہے جو بڑی آہستگی کے ساتھ ہمارے دل و دماغ میں جگہ بنا رہی ہے۔ چھوٹی بحر کی غزلیں عام طور پر سادہ ہوتی ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ چھوٹی بحر میں مربوط اور بامعنی غزل کہنا دشوار ہے۔ دردؔ اور مصحفیؔ کے بارے میں ناقدین کا خیال ہے کہ ان کی چھوٹی بحر کی غزلیں بڑی معنی خیز اور پُر اثر ہیں۔ میر عبدالحیٔ تاباں کے دیوان میں بھی چھوٹی بحر کی غزلوں میں وہی خوبی پائی جاتی ہے جس کا ذکر دردؔ اور مصحفیؔ کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ بڑی بحروں میں غزل کہنا نسبتاً آسان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعر اپنے احساس اور تجربے کو زیادہ سے زیادہ الفاظ میں بیان کر کے اپنی فنی کمزوری کو چھپا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا اطلاق ان شاعروں پر نہیں ہوتا جنھیں ہم بڑا یا اہم شاعر کہتے ہیں۔ شاعری میں زبان کو برتنا ایک مشکل فن ہے۔ بڑے شاعروں کے یہاں زبان کا عجز اگر مل جاتا ہے تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی شدید تجربہ لفظوں کی گرفت میں نہیں آتا اس طرح کسی اچھے شعر میں کوئی بھرتی کا لفظ بھی آجاتا ہے۔ چھوٹی بحر کی غزلوں کا مسئلہ دراصل حشو و زوائد سے بچنے کا ایک وسیلہ بھی ہے۔ محمد حسن عسکری نے اپنے مضمون ''میر غالب اور چھوٹی بحر کا قصہ'' میں لکھا ہے:

> ''چھوٹی بحر میں اچھا شعر نکال لینا ہمارے یہاں ہمیشہ کمال کی دلیل سمجھا گیا ہے۔ چھوٹی بحر کی حیثیت گویا ایک کسوٹی سی رہی ہے، جس سے فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ شاعر کو زبان و بیان پر کتنی قدرت حاصل ہے اور جس تجربے کا اظہار مقصود ہے، اس پر پورا قابو ہے یا نہیں۔ اس طرح چھوٹی بحر میں کامیاب شعر کہہ کر گویا شاعر اپنی فنی پختگی کا ثبوت دے دیتا ہے۔ یہ سب درست ہے مگر جس انداز میں ہمارے یہاں چھوٹی بحر کا ذکر ہوتا ہے اس سے کچھ یہ احساس ہوتا ہے جیسے چھوٹی بحر میں

کامیابی کا کوئی یکساں اور غیر شخصی معیار ہے اور اس میں ہر شاعر ایک ہی نوعیت کی کامیابی حاصل کرے گا۔ غالباً اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹی بحر کے اختصار میں کچھ ایسی کھٹک، چبھن اور نشتریت ہوتی ہے کہ آدمی کامیاب شعر سنتے ہی پھڑک اُٹھتا ہے اور کبھی تلخیِ کام ودہن میں، کبھی شیرینی میں ایسا کھو جاتا ہے کہ آگے سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملتی......'' (تخلیقی عمل اور اسلوب)

اپنے اس مضمون میں حسن عسکری نے ان محرکات کی جانب بھی اشارا کیا ہے، جن کے سبب شعرا نے چھوٹی بحر میں غزلیں کہی ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے چار باتوں کی جانب توجہ دلائی ہے۔ ان باتوں کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ بس یہ دیکھنا مقصود ہے کہ تاباں کی چھوٹی بحر کی غزلیں اپنے اندر کیا خوبیاں رکھتی ہیں اور یہ کہ تاباں ان غزلوں میں اپنے جذبے کا جس طرح اظہار کرتے ہیں ان سے انھیں کون سی نفسیاتی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ تاباں کی ایسی غزلوں میں ہر طرح کے مضامین مل جاتے ہیں۔ بعض غزلوں میں تمسخر اور طنز کی مثالیں بھی ہیں۔ ایسی غزلیں بھی ہیں جن میں تسلسلِ خیال پایا جاتا ہے۔ حسن عسکری کے اس اقتباس کی روشنی میں تاباں کی چھوٹی بحر کی غزلوں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے:

یار ایسے شوخ کا ہونا نہ تھا　　تخم دل میں درد کا بونا نہ تھا
کیا کہوں اب کچھ نہیں ہوتا علاج　　دل کو اپنے ہاتھ سے کھونا نہ تھا
مجھ کو اپنے اشک کے پانی بغیر　　نامۂ اعمال کو دھونا نہ تھا
تیر مژگاں سے مشبک ہوگیا　　دل کو ان کے روبرو ہونا نہ تھا
عشق ظاہر اب ہوا تاباں مرا　　مجھ کو یوں بے تاب ہو رونا نہ تھا

تاباںؔ

اس غزل میں نہ کوئی مشکل لفظ ہے اور نہ کوئی نادر ترکیب واستعارہ، مضامین بھی نئے نہیں ہیں۔ آخر کون سی ایسی خوبی ہے جو اس غزل کو ہمارے جذبے اور احساس سے قریب کر دیتی ہے۔ ایک سامنے کی بات یہ ہے کہ تاباں کی اس غزل میں خود کلامی کا انداز ہمیں متاثر کرتا ہے۔ اس انداز کو خود احتسابی کے عمل سے گزرنا بھی کہا جا سکتا ہے۔

مطلع کے شعر میں دل میں درد کے تخم کو بونے کا افسوس ہے اور مقطع کے شعر میں شاعر ملال کا اظہار کرتا ہے کہ میرے عشق کا حال دوسروں پر عیاں ہو گیا۔ پانچ شعر کی اس غزل کے تین شعر میں لفظ ''دل'' آیا ہے۔ عاشق نہایت سنجیدگی کے ساتھ عشق و محبت کے معاملات پر غور کرتا ہے اور اسے زیاں کا احساس ہوتا ہے۔ یہ تمام مضامین اردو غزل میں بکھرے ہوئے ہیں لیکن تاباں کی غزل میں یہ مضامین اس لیے متاثر کرتے ہیں کہ اس کا انداز بیان بڑا ہی سبک اور رسیلا ہے۔ ردیف ''نہ تھا'' بھی اس کی دلکشی کا سبب ہے۔ ''نہ تھا'' کی ردیف اس بات کا اشاریہ ہے کہ جو کچھ ہو گیا اس میں کسی شعوری کوشش کا دخل نہیں تھا:

مجھ کو اپنے اشک کے پانی بغیر نامۂ اعمال کو دھونا نہ تھا

نامۂ اعمال کا تعلق انسانی زندگی کے معاملات سے ہے۔ نامۂ اعمال میں اچھے اور برے دونوں اعمال شامل ہیں لیکن اس شعر میں تاباں نے نامۂ اعمال کو برے اعمال کا مجموعہ قرار دیا ہے جسے وہ ندامت کے آنسو سے دھونا چاہتے ہیں تاکہ گناہ دھل جائیں۔ تاباں نے چھوٹی بحر کی غزلوں میں جس سادگی کا ثبوت پیش کیا ہے وہ بڑا ہی مشکل فن ہے۔ حسن عسکری نے چھوٹی بحر کی غزلوں کی ایک خوبی کے تعلق سے لکھا ہے وہ ''سیدھے سادے ابتدائی جذبات کی شدت اور وفور جو بے لاگ، بے تکلف، براہِ راست اور فوری اظہار کا طالب ہو''۔ اس خیال کی روشنی میں تاباں کے ان شعروں کو بھی دیکھیے:

نہ تجھے شرم بے وفائی ہے　　نہ مجھے طاقتِ جدائی ہے
بتاں پر جب سے دل مائل ہوا ہے　　خدا کی یاد سے غافل ہوا ہے
آج آیا ہے یار گھر میرے　　یہ خوشی کس سے میں کہوں تاباں
دیکھ لو میرے یار کی صورت　　ہے سراپا، بہار کی صورت
غنیمت جان جینا آدمی کا　　بھروسہ کچھ نہیں اس زندگی کا
ہجر بھی کم نہیں ہے دوزخ سے　　اس سقر کا عذاب اور ہی ہے

حسن عسکری نے چھوٹی بحر کی دوسری قسم کے بارے میں لکھا ہے:

''یہاں اظہار براہِ راست اور بے لاگ نہیں ہوگا بلکہ تھوڑے سے تکلف اور ادبیت کے ساتھ، بہر حال شاعر کی کوشش یہ ہوگی کہ شعر کا اثر فوری ضرور ہو اور شعر دل میں کھٹک اور چبھن سی پیدا کرے۔ یہاں وہ بات نہیں ہوگی کہ جذبہ شدت اور وفور سے خود بخود ابل پڑے اور کم سے کم الفاظ میں اپنا اظہار کرے۔ یہاں ذرا بات بنائی جاتی ہے، تجربے میں شعوری کوشش سے حسن پیدا کیا جاتا ہے''۔

مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں تاباں کے یہاں ایسے اشعار نکالے جاسکتے ہیں:

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا　　جس کو دیکھو سو اپنے مطلب کا
تبسم دیکھ اس غنچہ دہن کا　　جگر ٹکڑے ہوا ہے ہر کلی کا
دیکھیے کیا ترمی ہوا میں ہو　　میرے مشتِ غبار کی صورت
داغ دل اپنا جب دکھاتا ہوں　　رشک سے شمع کو جلاتا ہوں
بجائے رخنۂ دیوار گلشن　　ہمیں صیاد اب چاکِ قفس ہے
سفر دنیا سے کرنا کیا ہے تاباں　　عدم ہستی سے راہِ یک نفس ہے

تاباں کی ایک غیر مردف غزل کو پڑھ کر ہم ایک خوش گوار تجربے سے گزرتے ہیں۔ مجھے

نہیں معلوم کہ اس خوش گوار شعری تجربے کی ایسی کوئی اور مثال ان کے معاصرین کے یہاں ملتی ہے یا نہیں:

عزیزاں ستمگر نہ آیا مرے گھر — نہ آیا مرے گھر عزیزاں ستمگر
محبت تو مت کر دل اس بے وفا سے — دل اس بے وفا سے محبت تو مت کر
لگا دل میں خنجر تمھاری نگہ کا — تمھاری نگہ کا لگا دل میں خنجر
ہوا کیوں مکدر تو اے آئینہ رُو — تو اے آئینہ رُو ہوا کیوں مکدر
وہ ایذا مقرر تجھے دے گا تاباں — تجھے دے گا تاباں وہ ایذا مقرر

پانچ شعر کی اس غزل میں تاباں نے پہلے مصرعے کے ابتدائی حصّے کو ثانی مصرعے کا آخری حصّہ بنادیا ہے اور پہلے مصرعے کے آخری حصّے کو ثانی مصرع کا اوّل حصّہ بنادیا ہے اس عمل سے شعر کے معنی میں کوئی اضافہ تو نہیں ہوتا لیکن اس کے اظہارِ بیان میں خوبصورتی پیدا ہوگئی ہے۔ اس غزل میں چار مرتبہ فعولن آیا ہے۔ تاباں نے پہلے مصرعے کے پہلے دو فعولن کو ثانی مصرعے کے اخیر کے دو فعولن کی جگہ پر رکھا ہے اور پہلے مصرعے کے اُخیر کے دو فعولن کو ثانی مصرعے کے پہلے دو فعولن کے مقام پر رکھا ہے چوں کہ پہلے مصرعے کے دو فعولن کے آخری الفاظ قافیہ ہیں۔ اس لیے بھی اس غزل کو پڑھتے ہوئے خوش آہنگی کا احساس ہوتا ہے:

<u>محبت تو مت کر</u> دل اس بے وفا سے — دل اس بے وفا سے <u>محبت تو مت کر</u>

اس غزل سے اندازہ کرنا دشوار نہیں کہ کلاسکی شعرا نے شاعری میں زورِ بیان اور حسن پیدا کرنے کے لیے کن شعری وسائل سے کام لیا ہے۔ تاباں نے اپنی غزل میں ان ہی رعایتوں سے وہ کام لیا ہے جسے کلاسیکی شاعری کا امتیاز کہنا چاہیے:

ساقی ہو اور چمن ہو، مینا اور ہم ہوں — باراں ہو اور ہوا ہو سبزہ ہو اور ہم ہوں
زاہد ہو اور تقویٰ، عابد ہو اور مصلّیٰ — مالا ہو اور برہمن، صہبا ہو اور ہم ہوں

مجنوں ہیں ہم، ہمیں تو اس شہر سے ہے وحشت　　　شہری ہوں اور بستی، صحرا ہو اور ہم ہوں
یارب کوئی مخالف ہووے نہ گرد میرے　　　خلوت ہو اور شب ہو پیارا ہو اور ہم ہوں
دیوانگی کا ہم کو کیا حظ ہے ہر طرف گر　　　لڑکے ہوں اور پتھر بلوا ہو اور ہم ہوں
اوروں کو عیش و عشرت اے چرخ بے مروت　　　غصہ ہو اور تم ہو رونا ہو اور ہم ہوں
ایمان و دیں سے تاباں کچھ کام نہیں ہے ہم کو　　　ساقی ہو اور مئے ہو دنیا ہو اور ہم ہوں

تاباں کی غزل میں لمبی ردیف بھی ملتی ہے اور کسی لفظ کی تکرار سے آہنگ پیدا کرنے کی کوشش بھی۔ مثلاً اس غزل کو دیکھیے:

کیوں ملا ظالم سے جا دل ہائے دل افسوس دل
کھینچتا ہے کیا جفا دل ہائے دل افسوس دل

''دل ہائے دل افسوس دل'' غزل کی ردیف ہے اور اس میں لفظ ''دل'' تین بار آتا ہے۔ ردیف کو پورے شعر سے معنی کے لحاظ سے مربوط کرنا آسان نہیں ہوتا۔ ہائے دل افسوس دل کے لیے جس قسم کے مضامین کی ضرورت غزل کے مختلف اشعار میں ہوسکتی ہے انھیں برتنا آزمائش کا کام ہے۔

میر عبدالحیٔ تاباں کی شعر گوئی کا اصل میدان غزل ہے۔ غزل میں شاعر کی قوتِ بیان کا مظاہرہ مشکل ہے۔ قوتِ بیان دراصل فکر و خیال کے تسلسل اور بہاؤ کا متقاضی ہوتا ہے۔ تاباں کا شمار عہد میرؔ کے دوئم درجے کے شاعروں میں ہوتا ہے اور یہ بات کہی جاتی ہے کہ تاباں سیدھے سادے اسلوب کے شاعر ہیں۔ اسلوب کا سادہ اور رواں ہونا عیب نہیں ہے۔ اصل شے شاعر کی تخلیقی بصیرت اور اس کا وژن ہے۔ تاباں نے رباعی، مثلث، مخمس، مسدس ترکیب بند، مستزاد قصیدہ اور مثنوی کو بھی اپنی فکر کا حصہ بنا کر اردو شاعری کی مختلف اصناف کے ذریعہ اپنی وابستگی اور تخلیقی حسیت کا ثبوت بھی پیش کیا ہے۔ حافظ، مظہر جان جاناں کی غزلوں پر تضمین لکھ کر تاباں نے

فارسی شاعری کو بھی اپنے دیوان کا فطری حصہ بنا دیا ہے۔ تاباں نے صرف ایک مثنوی اور ایک قصیدہ لکھا ہے۔ ان دونوں تخلیقات سے تاباں کی قوت بیان واضح ہو جاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ شاعری کی دوسری اصناف میں بھی اپنی طبیعت کی روانی کے کرشمے دکھانے پر قادر تھے 41 اشعار پر مشتمل ان کے قصیدے میں وہ شان و شکوہ تو نہیں جو سودا کے یہاں ہے، لیکن انھوں نے لفظی و معنوی رعایتوں اور مناسبتوں سے قصیدے کی معنویت میں اضافہ کیا ہے۔ قصیدے کا ابتدائی حصہ موسم سے متعلق ہے۔ مندرجہ ذیل شعر کی خوبصورتی کی داد بھلا کون نہیں دے گا۔

گلوں نے سر کو گریباں سے اپنے کاڑھا ہے

چمن میں سبزۂ خوابیدہ پھر ہوا بیدار

مثنوی 134 اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی امیر خاں انجام عمدۃ الملک کی مدح میں ہے جو محمد شاہی عہد کے وزیر تھے ۔ تاباں نے عمدۃ الملک کی تعریف میں مبالغے سے کام لیا ہے۔ زبان و بیان میں جو زور اور قوت ہے اس سے تاباں کی قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ حافظ اور مظہر جان جاناں کی غزلوں پر تضمین دیوان تاباں کی اہمیت میں اضافہ کا سبب ہیں۔

تاباں کی شاعری سے متعلق میرے ان چند صفحات کی اہمیت تنقیدی نقطۂ نظر سے کتنی ہے مجھے اس بارے میں کچھ کہنا نہیں، آپ انھیں تاثرات بھی کہہ سکتے ہیں۔ مختلف اوقات میں تاباں کو پڑھتے ہوئے میں جن جذبات و احساسات سے گزرا ہوں انھیں بغیر کسی لگاوٹ کے پیش کر دیا ہے۔ خدا بخش لائبریری کے اراکین کا شکریہ واجب ہے کہ اُنھوں نے دیوان تاباں کے نسخے کی فراہمی میں تعاون کیا۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب میری اس کاوش کو کتابی شکل میں نہیں دیکھ سکے اُنھیں یقیناً خوشی ہوتی کہ میں نے ان کی ہدایات اور مشورے کی روشنی میں اس کام کو تکمیل تک پہنچایا۔ خدا اُنھیں اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے۔ استاد محترم پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی صاحب کا ممنون ہوں کہ انھوں نے دیوانِ تاباں کے اس نئے ایڈیشن کے لیے اپنی تحریر عنایت کی،

استاد محترم ڈاکٹر اسلم اور ڈاکٹر خلیق انجم صاحب نے متن کی تصحیح و ترتیب میں اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا ہے میں اس کے لیے تہہ دل سے شکر گزار ہوں، ڈاکٹر مظہر مہدی ہمیشہ کی طرح اس تحقیقی کاوش میں بھی میرے معاون اور نگراں رہے ہیں اور اس موقع پر اپنے یار غار شاداب خاں کی محبتوں کو بھی نہیں فراموش کر سکتا ہوں۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے وائس چیرمین اور اردو کے نامور ناقد و دانشور شمس الرحمٰن فاروقی اور ادارے کے ڈائرکٹر جناب ایس موہن صاحب دونوں کا شکریہ واجب ہے کہ انھوں نے مجھے اس اہم خدمت کا اہل سمجھا اور ریسرچ آفیسر کلیم اللہ صاحب کا اس معاملے میں بہت تعاون ملا اور ضیاء الدین انصاری صاحب نے بڑی محنت سے دیوان کمپوز کیا ہے اگر وہ اتنی توجہ نہ کرتے تو مسودہ مزید تاخیر سے تیار ہوتا ان سب کا شکریہ واجب ہے۔

یکم مارچ 2006ء

سرورالہدیٰ
شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

میر عبدالحئی تاباںؔ تذکرہ نگاروں

اور ناقدین کی نظر میں

نکات الشعرا

میر تقی میرؔ

میر عبدالحئی تاباں، نو جوان با مزہ بود۔ سید نجیب الطرفین، مولد او شاہ جہان آباد ست۔ بسیار خوش فکر و خوب صورت و خوش خلق و پاکیزہ سیرت، معشوق عاشق مزاج۔ تا حال در فرقۂ شعرا، ہمچو او شاعر خوش ظاہر از (مکمن) بطون عدم بعرصۂ ظہور جلوہ گر نشدہ بود۔ زبان رنگینیش پاکیزہ تر از برگ گل، گلستان سخن را نازک دماغ بلبل۔ سمندر رنگینی فکرش باگلگوں باد بہار (ی) طابق النعل بالنعل است۔ ہر چند عرصۂ سخن او ہمیں در لفظہائے گل و بلبل تمام است، لقا بسیار برنگیں ی گفت۔ از دیدن رنگ آتش بے اختیار از دہن من گل کمالش سر ی زد نسبت بشعر او استاد او را رتبہ شاگردی او نبود۔

با فقیر یک صفائی داشت۔ از چندے بہ سبب کم اختلاطی ایں ہیچمداں کدورتے بمیاں آمدہ بود۔ اجلش مہلت نداد کہ تلافیش کردہ آید۔

آخر آخر کہ اوائل جوانی او بود، ایں قدر مداومت شراب کردہ کہ ملاقات ہمہ یاراں موقوف شد۔ اکثرے از دوستانش کہ بخانہ اوی رفتند، او راست طافح یافتند۔ ازیں جہت یاراں دیدن او را موقوف نمودہ بودند و آب بردن ایں ماجرا را بہ بینید کہ ہشت ہفت روز ز ودیعت حیات سپردن او باقی ماند، یک مرتبہ توبہ کردہ و بہمہ آشنایان (و دوستان) خود رقعہ با نوشتہ (بایں مضمون واقعہ) کہ

عزیزان من (از شرب شراب) توبہ کردہ ام۔ شما شاہد و خبر گیراں من باشید چرا کہ شراب بہ سبب کثرت استعمال مزاج من شدہ بود۔ از گذاشتن ایں از خود گذشتن من پر نزدیک می نماید۔ غافل از احوال من بودن از عقل بسیار دور است۔ آخر الامر ہماں شد کہ گفتہ بود۔ حاصل آفتاب تاباں او زود بلب بام رسید، معشوق مچھے از دست روزگار رفت، افسوس، افسوس، افسوس۔ امید قویست کہ حق تعالٰی مغفرتش کردہ باشد۔

مولف نے 45 اشعار اور ایک رباعی بطور انتخاب درج کیا ہے۔

مرتبہ: ڈاکٹر محمود الٰہی

ناشر ادارۂ تصنیف ڈی۔7، ماڈل ٹاؤن، دہلی 9۔ جنوری 1972ء

ریختہ گویاں

سید فتح علی حسینی گردیزی

نخل بند گلشن بیان میر عبدالحیٔ، تاباں جوانے بود، خوب صورت و خوش سیرت، شمع محفل جمالہا و چراغ بزم دلہا، در خاک پاک ہندستاں نخل حیاتش برومند شدہ و در ہمیں گل زمیں بہ نشو و نما رسیدہ، در عین عنفوان جوانی خاک مال فلک خوردہ و بساط حیات مستعار بر چیدہ، داعی اجل را اجابت کرد۔

مولف نے 25 اشعار بطور انتخاب درج کیا ہے۔

مرتبہ: عبدالحق، انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، دکن۔

مخزن نکات

قائم چاند پوری

میر عبدالحیٔ المتخلص بتاباںؔ جوانے بود در نہایت حسن و جمال، ہم صحبت یاراں حال باوجود لیلٰی

منشی بختوں راداب محبت آموختی و باکمال انجمن آرائی شمع وار داغ بر جگر سوختی اخلاق حمیدہ واوصاف پسندیدہ داشت ۔ آخر حال برفاقت نواب عنایت اللہ خاں بہ تسم می گزارند چوں درخوردن شراب کثر تہا کرد رطوبت فضلی بہم رسانده مستقی گردید و ہمیں احوال از جہاں رفت ۔

مولف نے 15 شعر بطور انتخاب درج کیا ہے۔

مولفہ: قائم چاند پوری۔ ص: 50

چمنستان شعرا

لچھمی نارائن شفیق

تاباں ، میر عبدالحیٔ تاباں ، طوطی شیریں بیاں، بلبل ہزار داستاں۔ طبیعت روشن اور سخن درخشاں۔ کہا جاتا ہے کہ حسن وصورت بغایت تھا۔ نازک خیال شعرا کو ان کے پر معانی اشعار ول پسند تھے۔ عین جوانی میں انتقال ہو گیا۔ میر تقی میر نے تذکرہ نکات الشعرا میں ان کو محمد علی حشمت کا شاگرد لکھا ہے۔ لیکن وہ خود اپنے دیوان میں شاگردی حاتم کا اقرار کرتے ہیں:

اور ہی رتبہ ہوا ہے تب سے اس کے شعر کا
جب سے حاتم نے توجہ کی ہے تاباں کی طرف

پھر کہتے ہیں:

ریختہ کیوں نہ میں حاتم کو سناؤں تاباں
اس سوا دوسرا کوئی ہند میں استاد نہیں

حاتم بھی اپنے دیوان میں اکثر جگہ ان کا ذکر کرتے ہیں:

ریختے کے فن میں ہیں شاگرد حاتم کے بہت
پر توجہ دل کی ہے ہر آن تاباں کی طرف

ظاہراً علم کی تحصیل حشمت سے کی ہو اور اصلاحِ سخن حاتم سے لی ہو۔ ایک روز میں میر تقی میر کا تذکرہ پڑھ رہا تھا کہ ناگاہ تاباں کے احوال پر نظر پڑی اور ان کا یہ شعر پڑھا:

پاس تو سوتا ہے چنچل پر گلے لگتا نہیں
منتیں کرتے ہی ساری رات ہو جاتی ہے صبح

دوستوں میں سے کسی ایک نے کہا کہ تاباں کے اِس شعر سے پتہ نہیں چلتا کہ مخاطب کون ہے۔ "فاعل" ہے یا "مفعول"۔ چونکہ صورتاً بہت حسین تھے۔ گمان غالب یہ ہے کہ عاشق سے خطاب کیا ہوگا۔ میں نے فوراً ہی ایک شعر جو شعر بالا کے تحت لکھا ہوا تھا، پڑھ کر جواب دے دیا:

جیو میں آوے سو کہہ تو تاباں کو   لیس من فیك شتنا بقبیح

مختصر یہ کہ تاباں کے اشعار رنگین بہت ہیں۔ اس تذکرہ لکھتے وقت ان کا دیوان مختصر سات سو اشعار پر مشتمل دیکھنے میں آیا۔

تذکرۂ مصحفی ہندی

میر عبدالحیٔ تاباں کہ قصہ حسن یوسفیش در چار سوئے مصر دہلی شہرت تمام دارد جوانے بود شیریں شمائل، نہال قامت رعنائیش در باغ لطافت از شیرۂ جانہا پرورش یافتہ و لعبتی بود حور نژاد کہ لعبت باز پردۂ نیلگون آسمان دست صبر چندیں عاشق بیتاب را بیک کرشمۂ دلفریبش برتافتہ۔ طبع موزونش حسن و عشق را یکجا ساختہ و شیرینی گفتارش نمک بر زخم جگر ملیحان ہند انداختہ۔ اگرچہ زبانی شاہ حاتم در ابتدا شاگرد شاہ حاتم است اما آنچہ شہرت دارد و واقعی است اینست کہ بہ شاگردی محمد علی حشمت کہ شاگرد محمد غنی بیگ قبول کشمیریست بسیار بسر بردہ و حشمت تخلص محتشم علی خاں برادر میر ولایت اللہ ولد میر باقی نیز بود۔ چوں ایں ہر دو بزرگ نسبت شعر ہندی میلان طبع بہ شعر فارسی بیشتر داشتند لہذا احوال ایں صاحبان در تذکرۂ فارسی تسوید یافتہ۔ غرض ازیں جملۂ معترضہ تصریح احوال ہر یکے بنا بر رفع اشتباہ سامع بود۔ آمدم بر مطلب کہ اگرچہ فقیر آن یوسف ثانی را بہ سبب نہ بودن

درآں دورہ کہ درعین جوانی کہ گرگِ اجلش درربود ندیدا ما تصویر آں آفتِ جاں در چاندنی چوک بر دوکان پارچہ فروش کہ مرقع تصاویر گونا گوں داشت بملاحظہ رسیدہ والحق کہ از دیدن آں معنی عین الیقین بمشاہدہ افتادہ ہر کہ ہر چہ در وصف حسن و جمال خوئ اعضائے آں دلفریب عالم گوید بجا است دیوان ریختہ اش مشہور است۔

مولف نے 25 شعر بطور انتخاب درج کیا ہے۔

مرتبہ: مولوی عبدالحق

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، دکن 1933ء۔

تذکرۂ گلشن ھند

میرزا علی لطف

تاباں تخلص، میر عبدالحیٔ نام، شاہ جہان آبادی۔ نہایت عزیز خوبصورت اور صاحب جمال تھا، ایسا کہ دلی سے شہر میں بے مثال تھا۔ ہندو مسلمان ہر گلی کوچہ میں ایک نگاہ پر اس کی لاکھ جان سے دین و دل نذر کرتے تھے اور پرے کے پرے عاشقانِ جانباز کے یاد میں اس لب جاں بخش مسیحادم کے مرتے تھے۔ تکلف یہ ہے کہ اس رعنائی اور دل رُبائی پر خود بدولت بھی دل کو کھو بیٹھے تھے اور ہنستے ہنستے بے اختیار صبر اور اختیار کو رو بیٹھے تھے۔ اس بے دردی اور شیریں ادائی پر مانند فرہاد کے چاشنیِ درد سے آگاہ، اس سردمہری اور لیلیٰ صفتی پر مانند مجنون کے ہمیشہ سرگرمِ نالہ و آہ تھے، یعنی ایک سلیمان نام لڑکے کو چاہتے تھے اور اُس کے درد محبت سے باوجود وصل کے آٹھ پہر کراہتے تھے۔ وہی سلیمان کہ بالفعل شاہ سلیمان کر کے معروف تھا اور ادا کرنے میں راہ و رسمِ درویشی کے بہ شدت مصروف، اس مور ضعیف نے عالمِ پیری اُس کا 1201ھ تھے کہ بلدۂ لکھنؤ میں دیکھا۔ اگرچہ ریش سفید اور قد خمیدہ رکھتا تھا۔ لیکن اُس کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس

نے کسی وقت میں بڑے بڑے گردن کش، سوئی کے ناکے سے نکالے ہوں گے۔

مجموعہ نغز

(یعنی تذکرۂ شعرائے اردو) حکیم ابوالقاسم میر قدرت اللہ

تاباں تخلص، جوانے اس زیبا نازک اندام، عبدالحیٔ نام وے از شعرائے طبقہ ثالثہ و عاشق پیشہ معشوق مزاج بود گویند کہ خوبانِ جہاں طریق دلبری و شیوہ ستمگری و آئین خوبی و رسم محبوبی از وے می آموختند، بزرگے کہ از دلش کذب معرا و از آلودگی افترا مبرا بودمی گفت کہ آخر ہائے روز امردان شیریں ادا و سادہ رویان ملاحت آما در خانہ وے بزر وزیور آراستہ و پیراستہ می شدند و حسب الطلب امرائے قزلباش ورمحافل نشستہ بشب مہمان می رفتند از شوی ایں چنیں کردار ہائے ناہنجار بحضرت دہلی رسید آنچہ رسید نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا القصہ وے جوانے بود صبیح و رعنا از جویبار خوبی آب خوردہ بہ بوستان محبوبی سر برآوردہ افسوس کہ در عین عنفوان شباب و ریعان جوانی نہال زندگانی وے سیراب امانی و آمال دست خوش صرصر فنا گشت خداش رحمت کناد حسن عالم سورش شہرہ آفاق بود و خوبی چشم و ابرویش یکتاء و طاق شیخ ظہور الدین حاتم علیہ الرحمتہ ویرا در دیباچۂ دیوان خود کہ اسامی تلامذہ خویش ثبت فرسودہ و در رشتہ سلک شاگردان خود کشیدہ اما در اصل شاگرد محمد علی حشمتؔ است کہ بادے سر خوش داشت و یمکن کہ از نظر ہر دو صاحبان عردسان اشعار خود گذرانیدہ باشد بالجملہ اشعار آبدارش بیشتر برزبان خاص و عام جاری است و خالی از کیفیت رعنائی و عاری از چاشنی دلربائی نیست سی بیت از طبع زاد آں سرو آزاد دریں گلزار جاوید بہار ثبت افتاد منہ عفی اللہ عنہ۔

مولف نے 28 شعر اور ایک رباعی بطور انتخاب درج کیا ہے۔

مرتبہ محمود شیرانی، اکتوبر 1973، نیشنل اکاڈمی، دریا گنج نئی دہلی۔

تذکرۂ گلشن بے خار

نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ

تاباں تخلص، میر عبدالحیٔ نام۔ خمیر پیکرش از ہمیں خاک جہان آباد بودہ۔ سلسلۂ نسبش بہ حضرت علی موسیٰ رضا علیہ السلام رسد۔ باحسن یوسفی اندوہ یعقوبی داشتے و با جمال خورشیدی داغ حسرت وصال مہ رخان بر دل گذاشتے۔ نہ ہمیں میرزا مظہر را از دل گرمی شوقش تنور سینہ زبانہ زن، بل شعلۂ عشق جہان سوزش باعث گرمی ہنگامۂ فریاد بہ ہر کو و برزن۔ نالہ کہ موزوں می کرد، بہ گوش سودا می رسانید و بہ نسبت شاگردیش چمن چمن برخویشتن می بالید۔ بہ عنفوان جوانی از جہان گزراں در گذشت و داغ حسرت بر جگر عاشقانش گذاشت۔ آزاد مردے بود و چوں روے خویش طبع خوشے داشت۔ صاحب دیوان است۔

مولف نے 22 اشعار بطور انتخاب درج کیا ہے۔

مرتبہ: کلب علی خاں صادق، مجلس ترقی ادب لاہور

طبع اوّل اکتوبر 1973ء

تذکرۂ خوش معرکہ زیبا

سعادت علی خاں ناصر

مشہور یوسف کنعاں، میر عبدالحیٔ تخلص تاباں، حُسن اس کا چارسوئے دہلی میں شہرت تمام رکھتا تھا۔ چونکہ عنفوان جوانی میں وہ یوسف لقمۂ گرگ اجل کا ہوا (تھا)، ہر شخص نے واسطے تسلی خاطر کے صورت اس کی کھنچوائی تھی اور پاس رہتی تھی۔

مولف نے 6 شعر بطور انتخاب درج کیا ہے۔

مرتبہ: مشفق خواجہ، مجلس ترقی ادب، لاہور،

طبع اوّل، اپریل 1975

طبقات الشعرائے ہند

کریم الدین

تاباں تخلص، میر عبدالحیٔ نام خمیر اس کے پیکر کا اسی خاک شاہجہان آباد نیک بنیاد سے ہے۔ سلسلہ اس کے نسب کا حضرت علی موسیٰ رضا تک پہنچتا ہے باد جود حسنِ یوسفی کے اندوہ یعقوبی رکھتا تھا اور باوجود جمال خورشیدی کے داغ حسرت وصال رخوں کا دل پر کھاتا تھا نہ فقط میرزا مظہر ہے کی دل سے گرمی اس کی شوق کی تنور سینہ سے شعلہ زن تھی بلکہ شعلہ جہان سوز اس کے عشق کا باعث گرمی اور موجب فریاد کا ہر کوچہ و بازار میں تھا۔ حکیم میر قدرت اللہ قاسم اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہ شخص تیسرے طبقہ کے شعرامیں سے گنا جاتا ہے اور اس کا حال اس طرح پر لکھا ہے کہ خوبانِ جہان طریق دلبری اور شیوہ ستمگری کا اور آئین خوبی اور رسم محبوبی کی اس شخص سے تعلیم پاتے تھے اور یہ بھی انھوں نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ جو کہ معتبر اور سچا اور قابلِ اعتماد ہے اس کے زبانی سننے میں آیا کہ اس شخص کا یہ دستور تھا شام کے وقت امردانِ شیریں ادا اور لڑکے ملیح اور خوب صورت اس کے گھر سے زر و زیور سے آراستہ و پیراستہ ہو کر حسب الطلب امراءِ قزلباش امردتلاش کے ڈولیوں میں بیٹھ کر واسطے اغلام کروانے کے مہمان جاتے تھے۔ شیخ ظہور الدین حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچہ میں سب تلامذہ اپنے کا نام جہاں لکھیں ہیں اس کا نام بھی اپنے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔ لیکن اصل میں شاگرد محمد علی حشمت کا ہے جو کہ اس کو چاہتا تھا اور ہو سکتا ہے دونوں کو شعر دکھلاتا ہو۔ اور صاحب تذکرہ گلشن بیخار نے لکھا ہے کہ جو شعر یہ کہتا تھا سوداؔ کو دکھلاتا تھا، عین عنفوان جوانی میں اس جہاں سے رحلت پا کر اپنے عشاق کے جگر پر داغ حسرت چھوڑ گیا۔

مولف نے 20 شعر بطور انتخاب درج کیا ہے۔

اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ۔ 1983

سخن شعراء

عبدالغفور نساخ

تاباں تخلص، میر عبدالحیٔ دہلوی، شاگرد مرزا سودا حضرت علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے۔ جمال پری تمثال پر ان کے ایک جہاں دیوانہ و عاشق زار تھا۔ شروع جوانی میں انتقال کیا۔ صاحبِ دیوان گزرے۔

مولف نے 11 اشعار بطور انتخاب درج کیا ہے۔

تذکرہ شعرایے ہند

تاباں، میاں عبدالحیٔ، المتخلص بہ تاباں در وقت محمد شاہ بادشاہ مشہور و معروف ست۔ در وقتِ خویش نظیرے نہ داشت۔ سیّد زادۂ بود بہ کمال حسن و وجاہت، تمام عالم فریفتۂ حسنِ او بود۔ بلکہ گرم بازاری ریختہ از اں شعلہ روز دو بالا شد۔ اکثر اشخاص ایں فن را وسیلہ ساختہ، دخیلِ صحبت اوی شدند۔ شاعرِ بامزہ و رنگیں طبع بود۔ چہرۂ کلامش با حسن یوسفی و احسن القصص بیانش با گرمیِ عشق یعقوبی۔ عاشقِ معشوق مزاج، بہ یک طفلے، سلیمان نام تعشق داشت۔ چوں ہفت ہشت روز از حیات او باقی ماند، توبہ کرد۔ از بس کہ بہ سبب کثرتِ استعمال شراب مزاج او شدہ بود، از گزاشتنِ او از خود گزشت۔ از شاگردانِ میرزا محمد علی حشمت۔ غرض آفتابِ تابانِ عمر در شروعِ شبِ جوانی پنہاں گردید۔ خدائیش بیامرزد۔

مولف نے 39 شعر بطور انتخاب درج کیا ہے۔

گلستان بے خزاں

میر قطب الدین باطن

تاباں تخلص، میر عبدالحیٔ نام گل ولالے جسم ان کے نے بیچ خاکدان دہلی کے صورت آب و رنگ پائی انھوں نے قرابت اپنی تا حضرت علی موسی رضا رضی اللہ عنہ پہنچائی باوصف خوبرویی شیرین عشق فرہادی دکھاتے اور باوجود وجاہت لیلی محبت مجنونی جتاتے غلطی حساب سخن کہ خامہ سجدہ گاہ شعرا سے درست ہوئی فرد اربع متناسبہ شکستہ رقم مضمون کی چست ہوئی مرزا جان جاناں مظہر علیہ الرحمتہ مجروح خنجر ناز اسی محبوب رشک غلمان کے مانند عندلیب دور افتادہ گلشن ہزار جان سے تابع . فرمان کے عہد شباب میں اختر تابان عمران کا آسمان زندگی سے ببرج قضا پنہان ہوا ستارۂ مضمون بالاے چرخ کاغذ اس طرح درخشاں ہوا۔

مولف نے 7 شعر بطور انتخاب درج کیا ہے۔

اتر پردیش اردو اکادمی، 1982۔

تذکرۂ گلشن گفتار

خواجہ خاں حمید اورنگ آبادی

میر عبدالحیٔ نام ہے اور تاباں تخلص۔ مغل زادے ہیں۔ میرزا مظہر جان جاناں کے ہم مجلسوں میں سے ہیں۔ خوب شعر کہا ہے۔

مسرت ہے تجھے عاشق کے مارے سیتی اے ظالم　　　کہ ہم تیغی کشوں کا خون بیشک زہر قاتل ہے

کہا جاتا ہے کہ ایک روز ایک طبع زاد مصرع میر مبارک آبرو کی زبان سے برجستہ ادا ہوا۔ وہ مصرع یہ ہے:

دلی کے شاعروں میں اِک آبرو ہوا ہے

چنانچہ تاباںؔ نے میرزا مظہر جان جاناں کی محفل میں بالفعل محفل کے سامنے یہ مصرع پڑھا۔ میرزا نے اس کے جواب میں فوراً یہ مصرع بہم پہنچایا۔

جانے سے ایک چشم کے بے آبرو ہوا ہے

لوگوں نے اس دوسرے مصرع کو میر مبارک آبروؔ کے گوش گذار کیا۔ میرؔ نے فوراً کہا۔

کیا ہوا حق کے کیے سے کور میری چشم ہے   آبرو جگ میں رہے تو جان جاناں پشم ہے

میرزا مظہر جان جاناں نے اس کے جواب میں فی الفور کہا۔

مبارک باد تم کو آبرو صاحب سخنور ہو   بھلے ہو یا بُرے ہو خوب ہو کان جواہر ہو

ترجمہ: ایم کے فاطمی، دانش محل، لکھنؤ۔

اشاعت 1963

آبِ حیات

محمد حسین آزاد

میر عبدالحیٔ تاباں تخلص ایک نوجوان شریف زادہ حُسن خوبی میں اس قدر شہرۂ آفاق تھا کہ خاص و عام اُس کو یوسف ثانی کہتے تھے۔ گوری رنگت پر کالے کپڑے بہت زیب دیتے تھے اس لیے ہمیشہ سیہ پوش رہتا تھا۔ اس کے حُسن کی یہاں تک شہرت پھیلی کہ بادشاہ کو بھی دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ معلوم ہوا کہ مکان حبش خاں کے پھاٹک میں ہے اور وہ بڑا دروازہ جو کوچۂ مذکور سے بازار لاہوری دروازہ میں نکلتا ہے اس کے کوٹھے پر نشست ہے زمانہ کی تاثیر اور وقت کے خیالات کو دیکھنا چاہیے کہ بادشاہ خود سوار ہو کر اس راہ سے نکلے۔ انھیں بھی خبر ہوگئی تھی۔ بنے سنورے اور بازار کی طرف موڑھا بچھا کر آ بیٹھے۔ بادشاہ جب اس مقام پر پہنچے تو اس لیے کہ ٹھیرنے کو ایک بہانہ ہو۔ وہاں آبِ حیات مانگا اور پانی پی کر دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ الغرض تاباں خود صاحبِ دیوان

تھے۔ شاہ حاتم اور میر محمد علی حشمت کے شاگرد تھے اور مرزا صاحب کے مرید تھے، مرزا صاحب بھی چشم محبت اور نگاہ شفقت سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مرزا صاحب بیٹھے ہیں اور ان کی صحبت میں کہ جہاں کبھی وعظ و ارشاد اور کبھی نظم و اشعار کا جلسہ رہتا تھا۔ تاباں بھی حاضر ہیں اور باادب اپنے مرشد کی خدمت میں بیٹھے ہیں۔ حضرت اگر چہ محفل ارشاد کے آداب سے گرمجوشی ظاہر نہ کرتے تھے مگر معلوم ہوتا تھا کہ انھیں دیکھتے ہیں اور مارے خوشی کے باغ باغ ہوئے جاتے ہیں۔ تاباں بھی مزاج داں تھے۔ اشعار اور لطائفِ نمکین کہتے۔ حضرت سن سن کر خوش ہوتے۔ کوئی بات سب کے سامنے کبھی خلاف ادب ہوتی تو اہلِ عقیدت میں ادب کا طریقہ ہے اسی طرح دست بستہ عرض کرتے کہ کچھ اور بھی عرض کیا چاہتا ہوں۔ حضرت مسکرا کر اجازت دیتے۔ وہ کان کے پاس منہ لے جاتے اور چند کلے چپکے چپکے ایسے گستاخانہ کہتے کہ سوا اس پیارے عزیز کے کوئی نہیں کہہ سکتا جسے بزرگوں کی محبت نے گستاخ کیا ہو۔ پس حضرت مسکراتے اور فرماتے کہ درست ہے۔ پھر وہ اسی قسم کی کچھ اور باتیں کہتے۔ آپ پھر فرماتے کہ یہ بالکل درست ہے۔ جب تاباں اپنی جگہ پر آ بیٹھتے تو پھر حضرت خود کہتے کہ ایک بات کا تمھیں خیال نہیں رہا۔ تاباں پھر کان کے پاس منہ لے جاتے۔ اس وقت اس سے بھی تیز تر کوئی لطیفہ آپ اپنے حق میں کہتے اور اپنے پیارے عزیز کی ہم زبانی کا لطف حاصل کرتے۔ نہایت افسوس ہے کہ وہ پھول اپنی بہار میں لہلہاتا گر پڑا (ہائے میری دلّی تیری جو بات ہے جہان سے نرالی ہے) جب اس یوسف ثانی نے عین نوجوانی میں دلوں پر داغ دیا تو تمام شہر نے اس کا سوگ رکھا۔ میر تقی میر نے بھی اپنی ایک غزل کے مقطع میں کہا ہے۔

داغ ہے تاباں علیہ الرحمتہ کا چھاتی پہ میر　　　ہو نجات اس کی بچارا ہم سے بھی تھا آشنا

☆☆☆☆

مولوی عبدالحق:

مقدمہ ☆

میر عبدالحیٔ تاباں شاہجہاں آباد کے رہنے والے اور دور محمد شاہی کے شعرا میں سے تھے۔ میر صاحب سے لے کر شیفتہ تک جس قدر تذکرے اردو شعرا کے لکھے گئے ہیں ان سب میں ان کے حسن و جمال کی بے انتہا تعریف لکھی ہے۔ عین عالمِ شباب میں کثرت مے نوشی کے باعث انتقال کیا۔

ان کی شاگردی کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ لطف اور شیفتہ اور ان کے تقلید میں نساخ نے انھیں سودا کا شاگرد لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ میر صاحب محمد علی حشمت کا شاگرد بتاتے ہیں۔ قاسم نے بھی اسی کو صحیح مانا ہے اور حاتم کی استادی کو تسلیم نہیں کرتا۔ مصحفی کا قول اس بارے میں زیادہ قرینِ صحت ہے وہ لکھتے ہیں کہ ''اگر چہ زبانی شاہ حاتم درابتدا شاگرد شاہ حاتم است، اما آنچہ شہرت دارد و واقعی است این ست کہ بہ شاگردی محمد علی حشمت کہ شاگرد محمد غنی بیگ قبول کشمیریست، بسر بردہ''۔ آزاد نے بھی مصحفی کی تقلید میں ان کے تلمذ کو حاتم اور حشمت دونوں سے منسوب کیا ہے۔ حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچے میں اپنے تلامذہ کے جو نام لکھے ہیں ان میں تاباں کا نام بھی شریک ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کے مکمل دیوان میں دو شعر ایسے پائے جاتے ہیں جن میں حاتم نے اُن کی استادی کا دعویٰ کیا ہے۔

فیض صحبت کا تری حاتم عیاں ہے ہند میں
طفلِ مکتب تھا سو عالم بیچ تاباں ہو گیا

☆۔ ماخوز از مقدمہ تاباں (مطبوعہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد 1935ء)

ریختے کے فن میں ہیں شاگرد حاتم کے بہت
پر توجہ دل کی ہے ہر آن تاباں کی طرف

تاباں کے دیوان میں بھی دو ایسے شعر موجود ہیں جن میں اپنے استاد کی طرف اشارہ کیا ہے، ان میں ایک شعر کا دوسرا مصرع حاتم کے مصرع سے لڑ گیا ہے۔

ریختہ کیوں نہ میں حاتم کو سناؤں تاباں
اس سوا دوسرا کوئی ہند میں استاد نہیں
اور ہی رتبہ ہوا ہے تب سے اس کے شعر کا
جب سے حاتم نے توجہ کی ہے تاباں کی طرف

لیکن ایک قلمی دیوان میں جس سے اس مطبوعہ نسخے کی ترتیب میں مدد لی گئی ہے۔ ان دونوں شعروں میں بجائے حاتم کے حشمت لکھا ہے۔ مگر حشمت کی شاگردی کا ایک قطعی ثبوت تاباں کے دیوان میں ایسا موجود ہے جس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ تاباں نے ایک مثنوی اپنے اُستاد اور عمدۃ الملک امیر خاں انجام کی مدح میں لکھی ہے جس میں وہ صاف صاف حشمت کی شاگردی کا اعتراف کرتے ہیں:

نہ اُستاد کی مجھ کو تابِ ثنا
کہوں گر تو کب ایسی فکرِ رسا
کمالوں میں جن کے نہیں کچھ قصور
وے سب طفل مکتب ہیں اُن کے حضور
کسی کو کہاں اس سے ہے برتری
کہ ہے نام اس کا محمد علی
تخلص بھی حشمت ہے اس کا بجا
وہ اہل سخن بیچ ہے بادشا

اس سے بڑھ کر کسی دوسرے ثبوت کی ضرورت نہیں۔ تاباں کا کلام صاف سادہ اور شیریں ہے، تخیل کی بلند پروازی نام کو نہیں، خیالات بھی کچھ گہرے یا دقیق نہیں۔ عشق و محبت کی عام باتیں ہیں لیکن زبان اور بول چال کا لطف ضرور پایا جاتا ہے۔ اگرچہ تاباں دور محمد شاہی کے شاعر ہیں۔ لیکن قدیم الفاظ اور محاورے ان کے کلام میں نسبتاً بہت کم ہیں۔ میر صاحب نے ان کے کلام کے متعلق بہت سچی رائے دی ہے۔

''ہر چند عرصۂ سخن او ہمیں در لفظہائے گل و بلبل تمام است، اما بسیار رنگیں گفت''۔

دیوان میں علاوہ غزلوں کے کچھ رباعیات، ایک مثلث، چھ مخمس، دو مسدس، ایک ترکیب بند، ایک مستزاد، ایک قصیدہ مدح بادشاہ میں، ایک مثنوی اپنے استاد اور نواب عمدۃ الملک کی مدح میں، چند تضمینیں حافظ اور مظہر جان جاناں وغیرہ کی غزلوں پر اور آخر میں تاریخی قطعات وفات ہیں۔ ان قطعات میں بعض ایسے شعراء وغیرہ کی وفات کی تاریخیں بھی ہیں جو دوسری جگہ نہیں ملتیں۔

تاباں کی وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوئی۔ میر صاحب نے ان کے احوال کے ضمن میں ان کی وفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ میر صاحب کے تذکرے کا سنِ تالیف 1165ھ ہے۔ تاباں کے دیوان کے آخر میں جو تاریخی قطعات ہیں اُن میں سب سے آخری قطعہ حشمت کی وفات پر ہے جو سنِ 1161ھ میں واقع ہوئی۔ اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ تاباں کا انتقال سن 1161ھ اور سن 1165ھ کے درمیان ہوا۔

یہ نسخہ تین قلمی نسخوں سے مرتب کیا گیا ہے۔ ایک نسخہ جو سب سے ضخیم اور مکمل ہے، وہ محترم پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی کا عطیہ ہے، دوسرا ریسرچ انسٹیٹیوٹ مدراس یونیورسٹی کا اور تیسرا انجمن کا۔

☆☆☆

مجنوں گورکھپوری:

میر عبدالحیٔ تاباں اور اردو غزل

میر عبدالحیٔ تاباں کا مرتبہ اردو غزل میں اتنا ہی مسلم ہے جتنا آثر اور ان کے ہم چشموں کا۔ متقدمین میں سوائے قائم کے اب تک کوئی تذکرہ نگار ایسا میری نظر سے نہیں گزرا جس نے تاباں کو اپنے تذکرہ میں خاطر خواہ جگہ نہ دی ہو اور حال کے تذکروں میں جہاں تک مجھ کو یاد ہے "گل رعنا" میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ان کے کلام کی تاثیر کا ہر شخص معترف ہے لیکن ان کو شرف تلمذ کس سے حاصل تھا اس بارے میں مختلف تذکرہ نویسوں نے مختلف خبر دی ہے۔ شیفتہ لکھتے ہیں کہ تاباں سودا سے مشق سخن کرتے تھے۔ "گلشن ہند" اور "گلزار ابراہیم" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو سودا اور مظہر جان جاناں دونوں سے مجالست رہتی تھی اور دونوں سے استفادہ کرتے تھے۔ مصحفی اپنے "تذکرۂ ہندی" میں لکھتے ہیں کہ تاباں اول اول شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے مگر بعد کو محمد علی حشمت کے شاگرد ہو گئے۔ یہی روایت آزاد نے "آب حیات" میں نقل کر دی ہے۔ خود تاباں نے ایک غزل لکھی ہے جس کی ردیف "حشمت" ہے اس کا مقطع یہ ہے:۔

پرستش کیوں نہ دنیا میں کریں ہم اس کی اے تاباں
ہمارا قبلہ حشمت، دین حشمت، رہنما حشمت

یہ حشمت یہی محمد علی حشمت ہیں اور اس غزل کے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حشمت کے ساتھ تاباں کو ایک والہانہ عقیدت تھی میر نے بھی "نکات الشعراء" میں محمد علی حشمت کے تذکرہ میں صاف لکھ دیا ہے کہ وہ تاباں کے استاد تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاباں کے کلام میں حاتم اور

مظہری کے انداز پائے جاتے ہیں۔ سودا کی کوئی خصوصیت ان کی کسی غزل میں نظر نہیں آتی۔ اگر چہ یہ مسلم ہے کہ سودا سے ان کی صحبت رہا کرتی تھی۔ سو یہ قدرتی بات تھی۔ تاباں اپنے وقت کے ''یوسف ثانی'' تھے اور جو کوئی ان کو ایک بار دیکھ پاتا تھا ان کا گرویدہ ہو کر رہ جاتا تھا اور ان سے قرب و مجالست کی تمنا کرنے لگتا تھا۔ مرزا مظہر کو تو ان سے ایسا شدید تعلق خاطر تھا کہ اکثر ان کی گستاخیوں سے بھی محظوظ ہوتے تھے۔ میرؔ جیسا بد دماغ تذکرہ نویس تاباں کے ذکر میں ڈیڑھ صفحے رنگ ڈالتا ہے اور پانچ صفحے ان کے کلام کے انتخاب کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ تاباں کی تعریف و توصیف میں میرؔ نے دریا بہا دیا ہے۔ ''نوجواں بامزہ'' ''بسیار خوش فکر'' ''شاعر خوش ظاہر'' غرضکہ کیا کیا نہیں کہا ہے۔ میرؔ کا کسی کی ''زبان رنگین'' کو ''برگ گل سے پاکیزہ تر'' بتانا کوئی معمولی خراج تحسین نہیں ہے۔ انداز سے صاف ٹپکتا ہے کہ میرؔ کا دل بھی اس ''لعبت حور نژاد'' پر بری طرح مائل تھا۔ تاباں کو بھی میرؔ سے اختلاط تھا۔ آخر میں کسی وجہ سے درمیان میں کدورت آ گئی اور وہ اگلا سا اختلاط باقی نہیں رہا۔ میرؔ کو اس کا افسوس رہا۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''اجلش مہلت نداد کہ تلافیش کردہ آید''۔ میرؔ کا ایک شعر بھی مشہور ہے:۔

داغ ہے تاباں علیہ الرحمتہ کا چھاتی پر میرؔ
ہو نجات اس کی بچارا ہم سے بھی تھا آشنا

تاباں کے متعلق چند باتوں میں تذکرہ نویسوں کا اتفاق ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے وقت کے حسینوں میں ایک تھے اور ایک خلق اللہ تھی کہ ان کی مبتلا تھی۔ جس تذکرہ نویس کو دیکھیے ان کے ''حسن یوسفی'' کی گواہی دیتا ہے۔ مصحفی نے ان کو نہیں دیکھا تھا لیکن وہ بھی ''تذکرۂ ہندی'' میں ان کے حُسن و جمال کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ انھوں نے اس آفت جان کی تصویر چاندنی چوک میں کسی پارچہ فروش کی دوکان پر دیکھی تھی۔ ان کے حُسن کا شہرہ ایسا تھا کہ شاہ عالم بادشاہ بھی ان کو دیکھنے کے لیے ایک دفعہ گئے تھے۔

دوسری بات جو تاباں کے بارے میں اکثر تذکروں میں ملتی ہے وہ ان کی عاشق مزاجی

ہے اس جگہ فارسی کا ایک شعر یاد آ گیا:۔

اے تماشاگاہِ عالم روے تو تو کجا بہر تماشا ی روی

تاباں خود سلیمان نامی ایک جوان پر عاشق تھے جو درویشی کا پیشہ کرتا تھا اور شاہ سلیمان کر کے مشہور تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عشق میں ان کو ناکام رہنا پڑا اور سلیمان نے آخر تک محبت نہیں نباہی۔ خود تاباں کا ایک شعر ہے:۔

سلیمان کیا ہوا گر تو نظر آتا نہیں مجھ کو
مری آنکھوں کی پتلی میں تری تصویر پھرتی ہے

اب تک کوئی ایسا تذکرہ میری نظر سے نہیں گزرا جس میں تاباں کا تذکرہ موجود ہو اور ان کی جواں مرگی پر آنسو نہ بہائے گئے ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ تاباں کے مرنے پر سارے شہر نے سوگ منایا۔ تاباں شراب کثرت سے پیتے تھے اور بقول میرؔ ہر وقت ''مست طافح'' رہتے تھے اس نے ان کی صحت کو برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ اکثر احباب منع کیا کرتے تھے۔ بالآخر زندگی کے سات آٹھ دن باقی رہ گئے کہ انھوں نے شراب سے توبہ کی اور اپنے دوستوں کو لکھا:۔

میرے عزیزو!

میں نے توبہ کی ہے، تم لوگ گواہ اور میرے خبر گیر رہنا، کیوں کہ شراب کثرت استعمال کے سبب سے میرا مزاج ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کے چھوڑ دینے کی وجہ سے میرا خود اپنی جان سے گزر جانا بہت قریب کی بات معلوم ہوتی ہے۔ میرے حال سے غافل رہنا عقل سے دور ہوگا۔ آخر کار یہی ہوا۔ یہ میرؔ کا بیان ہے۔ میر حسن نے اپنے تذکرے میں اسی کا اعادہ کیا ہے۔ مصحفی لکھتے ہیں۔ ''فقیر آں یوسف ثانی را بہ سبب نہ بودن دراں دورہ کہ درعین جوانی گرگ اجلش درربودند ید......''

شیفتہ کہتے ہیں: ''تاباں عنفوانِ جوانی میں اس جہانِ گزراں سے گزر گئے اور اپنے

عاشقوں کے دل پر داغ حسرت چھوڑ گئے''۔ لیکن ابھی کل میں راقم بابو سکسینہ کی ''تاریخ ادب اردو'' (انگریزی) کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ اس میں یہ عبارت میری نظر سے گزری تو میں بڑی دیر تک افسوس کرتا رہا ''اکثر تذکرہ نویس جن میں آزاد بھی شامل ہیں لکھتے ہیں کہ تاباں اوائل جوانی ہی میں مر گئے اور ان کی موت کا سبب اِستسقا ہوا جو کثرت شراب نوشی کے باعث ان کو لاحق ہو گیا تھا۔ لیکن لطفؔ اپنے ''تذکرۂ گلشن ہند'' میں کہتے ہیں کہ تاباں کو انھوں نے 1201 ھ (1786-87ء) میں بمقام لکھنؤ دیکھا جب کہ وہ بڑھے ہو چکے تھے اور اس عالم میں بھی ان کا حُسن لاثانی تھا جس کے لیے وہ اس قدر مشہور تھے۔ فیلنؔ بھی لکھتے ہیں کہ تاباں 1797ء میں زندہ تھے''۔ رام بابو سکسینہ کی اس انگریزی کتاب کا جو ترجمہ مرزا محمد عسکری صاحب نے اردو میں کیا ہے اس میں بھی اس بیان پر کوئی تحشیہ یا تنقید نہیں ہے۔

فیلن کا بیان میری نظر سے نہیں گزرا ہے لیکن لطفؔ کا ''گلشن ہند'' مع ''گلزار ابراہیم'' مطبوعۂ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد میرے پاس موجود ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ رام بابو سکسینہ کو اس کی عبارت میں ایک نہایت افسوس ناک دھوکا ہوا ہے۔ جس عبارت کو انھوں نے تاباں سے متعلق سمجھ رکھا ہے وہ متعلق ہے تاباں کے معشوق سلیمان سے ۔ تاباں کا ذکر کرتے کرتے لطفؔ سلیمان کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا اصل بیان یہ ہے:۔

''اس سرد مہری اور لیلیٰ صفتی پر مانند مجنون کے ہمیشہ سرگرم نالہ و آہ تھے، یعنی ایک سلیمان نام لڑکے کو چاہتے تھے اور اُس کے درد محبت سے باوجود وصل کے آٹھ پہر کراہتے تھے۔ وہی سلیمان کہ بالفعل شاہ سلیمان کر کے معروف تھا اور ادا کرنے میں راہ و رسمِ درویشی کے بہ شدت معروف، اس مولفِ ضعیف نے عالم پیری اُس کا 1201 ھ تھے کہ بلدۂ لکھنؤ میں دیکھا۔ اگرچہ ریش سفید اور قد خمیدہ رکھتا تھا لیکن اُس کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کسی وقت میں بڑے بڑے گردن

کش، سوئی کے نا کے سے نکالے ہوں گے"۔

اگر صرف اس بات پر غور کیا جاتا کہ تاباں کا ذکر لطفؔ تعظیم و احترام سے کرتے ہیں اور "تھا" کی جگہ "تھے" استعمال کرتے ہیں تو بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عبارت تاباں سے متعلق نہیں بلکہ سلیمان سے متعلق ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ "تاریخ ادب اردو" کے مصنف نے اس کے بعد کی عبارت کو بالکل نہیں پڑھا۔ یا اگر پڑھا تو اس پر غور نہیں کیا وہ عبارت یہ ہے:۔

"غرض میر عبدالحئی تاباں تخلص میرزا جان جاناں مظہرؔ سے اور مرزا رفیع سوداؔ سے ہمیشہ صحبت رکھتے تھے، بلکہ مرزا رفیع سودا بنا بر ایک نظر توجہ کے کہ ان کے حال پر تھی اکثر اشعار کو ان کے اصلاح کرتے تھے عین شباب کے عالم اور جوبن کے عروج میں کہ زمان فرمان فرمانروائے محمد شاہ فردوس آرامگاہ کا تھا اس ماہ تاباں حسن نے جامۂ زندگی کو مانند کتاں کے چاک کیا ہے"۔

مجھے امید ہے کہ ان اقتباسات سے بہت صاف واضح ہو گیا ہوگا کہ رام بابو سکسینہ کو کیا غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ تو معلوم ہی ہو گیا کہ لطفؔ نے "گلشن ہند" میں تمام تذکرہ نویسوں کی تائید کی ہے اور تاباں کی جوانی کی موت کا ماتم کیا ہے۔ اب ایک اور غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ رام بابو سکسینہ آگے چل کر لکھتے ہیں وہ (تاباں) حاتم اور حشمت کے شاگرد تھے اور لطفؔ کے بیان کے مطابق اپنے اشعار لکھنؤ میں سودا کو دکھاتے تھے"۔ لطفؔ نے یہ ضرور لکھا ہے کہ سودا تاباں کے اشعار کی اصلاح کر دیا کرتے تھے لیکن اس سلسلہ میں لکھنؤ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نہ معلوم مصنف موصوف لکھنؤ کو درمیان میں کہاں سے لائے۔ تاباں کا لکھنؤ میں ہونا کسی تذکرہ سے ثابت نہیں ہے اگر انھوں نے اصلاحیں لیں بھی تو دلی ہی میں۔ رام بابو سکسینہ کی اِس غلطی نے مجھ کو آمادہ کیا کہ آج میں نے تاباں کا ذکر چھیڑا اور اب جب کہ میں نے ذکر چھیڑ دیا ہے تو کسی طرح جی نہیں چاہتا کہ اس ذکر کو ادھورا اور تشنہ رہنے دوں۔ کچھ تاباں کے تغزل پر بھی لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

میں اکثر قدیم متغزلین کے ساتھ تاباں کا نام لیتا رہا ہوں۔ تاباں شاعروں کے اس گروہ میں ہیں جس کا سرگروہ میں قائم چاند پوری کو سمجھتا ہوں کچھ خواہ مخواہ تاریخی اعتبار سے نہیں بلکہ کلام کے مرتبہ کے لحاظ سے۔ اس گروہ کے ساتھ یقینؔ میرؔ اثر، بیاںؔ، بیدارؔ وغیرہ سب ہی آجاتے ہیں تاباں غرضکہ اس طبقہ کے شاعر ہیں جو اپنے کلام کی گرمی اور خروش کے لیے ممتاز ہے، ان کا مرتبہ یقینؔ کے برابر ہے اگر کوئی فرق ہے تو یہ کہ یقینؔ کا کلام تاباں کے کلام سے زیادہ ہموار ہے یہاں تک کہ اس میں کبھی کبھی ایک تھکا دینے والی یک آہنگی کا بھی احساس ہونے لگتا ہے۔ میرؔ ایک تذکرہ نویس کی حیثیت سے نہایت نا قابل اعتبار ہیں اس لیے کہ وہ اکثر اپنی بے دماغی کو ضرورت سے زیادہ راہ دینے لگتے ہیں یہاں تک کہ وہ ہم کو کم بیں نظر آنے لگتے ہیں لیکن تاباں کا حق انھوں نے بھی خوب ادا کیا ہے جیسا کہ میرؔ اور تاباںؔ دونوں کے شایان شان تھا۔ حالانکہ اسی ''نکات الشعرا'' میں تاباں کے استاد حشمت کو غارت کر کے رکھ دیا ہے۔

اردو غزل گوئی میں تاباں ایک ایسی ہستی ہے جو اپنی شخصیت اور شاعری دونوں کے اعتبار سے یکساں ممتاز نظر آتی ہے۔ شخصیت کے متعلق تھوڑا بہت لکھا جا چکا ہے۔

تذکرہ نگار ان کی لیلیٰ ادائی اور مجنون شیوگی میں کچھ ایسا محو نظر آتے ہیں کہ ان کی شاعری کے خصوصیات کی طرف کسی کو توجہ کرنے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔ سب کلام کا اقتباس دے کر رہ جاتے ہیں صرف میرؔ نے ان کی ''زبان رنگین'' اور رنگینی فکر کا ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاباں کے کلام میں وہ تمام خصوصیات بدرجۂ تمام موجود ہیں جن کی ترکیب کا نام تغزل ہے اور جو ان کے ہمعصروں میں بھی کم وبیش برابر پائی جاتی ہے۔ تاباں کا موضوع عشق اور بالخصوص حرمان عشق ہے وہ اس کو بڑی سرگشتگی اور بڑی آن بان کے ساتھ اظہار کا جامہ پہناتے ہیں۔ ان کے ہر شعر میں والہانہ سپردگی کے ساتھ ساتھ جوانی کا ایک تیکھا پن بھی پایا جاتا ہے۔ ان کی دل باختگی ایک پندار لیے ہوئے ہوتی ہے۔ ان کے تغزل کا انداز ستیا گرہی ہے بڈھوں کی طرح نہیں بلکہ ان جوانوں کی

طرح ہے جن کے خون میں صرف آگ بھری ہوتی ہے اور جن کا دستور العمل یہ ہوتا ہے:۔

''بہ حسرت مُردن استغنائے قاتل راجواب استے''

تاباں اپنے ہر شعر میں یہی پکار پکار کہتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ''تم مٹاؤ گے تو ہم بھی مٹیں گے''۔ یہ خصوصیت مجھے یقین اور تاباں دونوں میں مشترک معلوم ہوتی ہے اور دونوں میں یکساں نمایاں ہے یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ دونوں مرزا مظہر جان جاناں کی صحبت سے نہ صرف فیض یاب تھے بلکہ ان کے منظور نظر بھی تھے اور دونوں عین جوانی میں مر گئے۔ ان دونوں کی مثال انگریزی کے جوان مرگ شاعر کیٹس کی ہے جوانھیں کی طرح 26 برس کی عمر میں مر گیا اور شاعری کے مکمل نمونے یادگار چھوڑ گیا۔ سب سے پہلے تاباں کا جو شعر میری نظر سے گزرا وہ یہ تھا:۔

اخگر کو چھپا راکھ میں میں دیکھ یہ سمجھا — تاباں تو تہِ خاک بھی جلتا ہی رہے گا

تشبیہ کی واقعیت اور جامعیت اور جذبات کی سپردگی پر غور کیجیے گا۔ کہیں سے نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعر ابھی محض نومشق ہوگا۔ اس کے بعد میں برابر تاباں کے کلام کا مطالعہ کرتا رہا۔ چند اشعار منتخب کر کے یہاں درج کیے جاتے ہیں:۔

اُڑا دے صبا خاک میری اگر تو — تو کوچہ میں اس بے وفا ہی کے لیجا

❀

نہیں کوئی دوست اپنا یار اپنا مہرباں اپنا — سُناؤں کس کو غم اپنا، الم اپنا، فغاں اپنا

❀

رہتا ہے خاک و خوں میں سدا لوٹتا ہوا — میرے غریب دل کو الٰہی یہ کیا ہوا

❀

آشنا ہوچکا ہوں میں سب کا — جس کو دیکھو سو اپنے مطلب کا

ہم تو تاباں ہوئے ہیں لا مذہب — مجملہ دیکھ سب کے مذہب کا

❁

رکھتا تھا ایک جی سو ترے غم میں جا چکا　　آخر تو مجھ کو خاک میں ظالم! ملا چکا
بیتابیوں کا عشق میں کرتا ہے کیوں گلہ　　تاباں اگر یہ دل ہے تو آرام پا چکا

❁

نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے بے ظالم　　وہ ایک دم ہی ترے رو برو ہوا سو ہوا

❁

سر نہ پھوڑوں کہ میں نہ کھاؤں زہر　　دل کے ہاتھوں سے آہ کیا نہ کروں

❁

بے وفاؤں سے جی میں ہے تاباں　　اور سب کچھ کروں وفا نہ کروں

❁

ہے آرزو یہ جی میں اس کی گلی میں جاویں　　اور خاک اپنے سر پر من مانتی اُڑا دیں

❁

کہتے ہیں اثر ہوگا رونے میں یہ ہیں باتیں　　اِک دن بھی نہ یار آیا روتے ہی کٹیں راتیں
سودا میں گزرتی ہے کیا خوب طرح تاباںؔ　　دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

❁

میں دل کھول تاباںؔ کہاں جا کے روؤں　　کہ دونوں جہاں میں فراغت نہیں ہے

❁

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی　　مجھے بات کرنے کی طاقت کہاں ہے

❁

غم، وصل میں ہے ہجر کا ہجراں میں وصل کا　　ہرگز کسی طرح مجھے آرام ہی نہیں

کس سے فریاد کروں میں کہ وہ ہرجائی ہے   آہ! اس بات میں میری بھی تو رسوائی ہے

گل زمیں سے جو نکلتے ہیں برنگِ شعلہ   کون جاں سوختہ جلتا ہے تہِ خاک ہنوز

تو دیکھ مجھ کو نزع میں مت گوہ کہ میرے بعد   مجھ سے بہت ہیں ایک نہ ہوگا تو کیا ہوا

ترے غم سے نسیاں ہے یاں تک تو مجھ کو   اِدھر بات کہنا اُدھر بھول جان

نہیں اِک لحہ بیتابی سے فرصت   الٰہی دل لگا تھا کس گھڑی کا

عجب اَحوال ہے تاباںؔ کا تیرے   کہ رونا رات دن اور کچھ نہ کہنا

ہاتھ میں اس کے ہاتھ تھا ہیہات   دل مرا گم ہوا ہے ہاتھوں ہاتھ

ہم کو تم بن ایک دم اے جان جینا ہے محال   تم تو ہوتے ہو جدا لیکن ہمارا کیا علاج

تو بھلی بات سے بھی میری خفا ہوتا ہے   آہ! یہ چاہنا ایسا ہی بُرا ہوتا ہے

جفا سے اپنی پشیماں نہ ہو ہوا سو ہوا   تری بلا سے مرے جی پہ جو ہوا سو ہوا

روتے ہی تیرے غم میں گزر گئی ہے اس کی عمر　　پوچھا کبھی نہ تو نے کہ تاباںؔ کو کیا ہوا

مختلف تذکروں اور مولانا حسرتؔ کے انتخاب (اردوے معلّیٰ) سے یہ اشعار یوں ہی سرسری طور پر چن لیے گئے ہیں۔ یہ اس شخص کا کلام ہے جس نے زندگانی کا پھل نہیں اُٹھایا اور جس کو جوانی کا کچھ مزا نہیں ملا۔ اگر تاباں زندہ رہتے تو اردو غزل کی تحسین وتہذیب میں وہ جو حصہ لیتے اس کا کچھ اندازہ اس کلام سے لگایا جاسکتا ہے جو وہ یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ زبان کی پاکیزگی اور معصومیت، انداز بیان کی ندرت اور تازگی، جذبات کی گرمی اور سرشاری ان کی وہ خصوصیات ہیں جن کی بدولت وہ ہم کو عشق وتغزل کی ایک خاص منزل پر نظر آتے ہیں۔ مشہور ہے کہ تاباںؔ شراب کی کثرت استعمال سے مرے مگر یہ عجیب بات ہے کہ اُن کے کلام میں ایسے اشعار کی تعداد کم ہے جن میں شراب کا ذکر کیا گیا ہو اور جن اشعار میں یہ ذکر ہے ان میں بہت کم ایسے ہیں جن میں کوئی یادگار خصوصیت ہو۔ شاید یہ سچ ہے کہ شاعر اپنی حالت سے بلند وبرتر رہتا ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں:

عبدالحیٔ تاباں پر ایک نظر[1]

شعرائے متقدمین میں عبدالحیٔ تاباں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، اسی لیے انجمن ترقی اردو نے ان کا دیوان 1935ء میں شائع کیا تھا۔ لیکن شاید کسی مصروفیت کی وجہ سے مولوی عبدالحق صاحب اس کے مقدمے کے لیے زیادہ وقت نہ نکال سکے تھے۔ تاہم انھوں نے تاباں کے حسن و جمال اور مے نوشی کے ذکر کے بعد ان کے استاد کے متعلق مصحفی کے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ "اگر چہ زبانی شاہ حاتم در ابتدا شاگرد حاتم است۔ اما آنچہ شہرت دارد و واقعی ست این ست کہ بہ شاگردی محمد علی حشمت کہ شاگرد محمد غنی بیگ قبول کشمیری ست بسیار بسر بردہ"۔ اس کے بعد مولوی صاحب موصوف نے تاباں کی مثنوی کے یہ اشعار نقل کر کے حشمت کی استادی کو تسلیم کیا ہے۔

نہ اُستاد کی مجھ کو تابِ ثنا
کہوں گر تو کب ایسی فکرِ رسا
کمالوں میں جن کے نہیں کچھ قصور
دے سب طفلِ مکتب ہیں اُن کے حضور
تخلص بھی حشمت ہے اس کا بجا
وہ اہلِ سخن بیچ ہے بادشا

لیکن تاباں کے حالات اور حشمت کی استادی کا زمانہ وغیرہ متعین نہیں کیا گیا۔ اسی طرح

1۔ رسالہ اردو کراچی۔ بابت اپریل 1954ء

تاباں کی جن غزلوں میں استاد کا نام آیا ہے وہاں نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے یہ فیصلہ نہیں کیا گیا کہ فلاں مقام پر حاتم چاہیے اور فلاں جگہ حشمت۔ چناں چہ اس مضمون میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ حاتم اور حشمت کی استادی کا زمانہ متعین کیا جائے تا کہ اس طرح غزلوں کا بھی کسی قدر تعین ہو جائے کہ کس استاد کی تقلید میں کون سی غزل لکھی گئی تھی۔ اس لیے تاریخی ترتیب سے پہلے حاتم کی وہ زمینیں پیش کی جاتی ہیں جن میں تاباں نے اپنی غزلیں مرتب کی تھیں۔

حاتم اور تاباں:

حاتم نے ''دیوان زادہ'' میں نشان دہی کی ہے کہ 1135ھ[1] میں اُنھوں نے ناجی کی زمین میں جو غزل لکھی تھی اُس کا پہلا مصرع یہ ہے:

ع گلشن اُس گل بن مری نظروں میں ویراں ہوگیا

(الف)

گلشن اُس گل بن مری نظروں میں ویراں ہوگیا
جھاڑ جھاڑ اور بوٹا بوٹا دشمنِ جاں ہوگیا
ایک نے پائی نہ اب تک نبض کی رفتار حیف
درد میرا تختۂ مشقِ طبیباں ہوگیا
اشکِ خوں آلودہ میرے اس قدر جاری ہیں آج
جابجا لعلوں سے ہندستاں بدخشاں ہوگیا
شور دریا تک ملاحت کا تری پہنچا ہے شور
بے نمک آگے ترے لب کے نمکداں ہوگیا

1۔ بحوالہ سرگزشت حاتم از ڈاکٹر زور صفحہ 110-73

فیض صحبت کا تری حاتم عیاں ہے ہند میں
طفل مکتب تھا سو عالم بیچ تاباں ہوگیا[1]

اس غزل کے مقطع میں حاتم نے لکھا ہے کہ اُن کے فیض صحبت سے عبدالحیٔ تاباں اُس وقت تک یعنی 1135ھ تک "طفل مکتب[2]" نہ رہے تھے، بلکہ اچھا لکھ کر اچھی خاصی شہرت کے مالک ہوگئے تھے۔ گویا اس سن سے پہلے ہی تاباں کا تعلق حاتم سے ہو چکا ہوگا۔ تاباں نے اس زمین میں جو غزل کہی تھی وہ یہ ہے:

کون سا عاشق ترے کوچے میں گریاں ہوگیا
اشک خونیں سے بتا کس کے گلستاں ہوگیا
کیوں کیا میں نے گریباں چاک اُس کے غم میں ہائے
داغ سینے کا مرے سب میں نمایاں ہوگیا
کیا بُری ساعت تھی جو صیاد آیا باغ میں
ایک دم میں آشیاں بلبل کا ویراں ہوگیا
جب ہوئی معلوم میرے تئیں حقیقت عشق کی
جیونا مرنا مرے نزدیک یکساں ہوگیا
بات کہتے بے ستوں میں کوہکن نے جی دیا
کام تو مشکل تھا لیکن اُس کو آساں ہوگیا

1۔ حسرتؔ کے شائع کردہ انتخاب میں اس غزل کے دو شعر بھی ہیں۔ ہم نے لطفؔ کے تذکرۂ گلشن ہند (صفحہ 102۔ لاہور 1906ء) میں سے متن والے اشعار نقل کیے ہیں۔
2۔ سرگزشت حاتم (صفحہ 74) میں ڈاکٹر زورؔ نے "طفل مکتب" سے یہ مطلب سمجھا ہے کہ مکتب کا طفل، عمر میں بھی طفل تھا اور اُس وقت یعنی 1135ھ میں تاباں کی عمر 15 سال سے بھی کم رہی ہوگی۔

کس ہوس سے بلبلیں جاتی تھیں گلشن کو چلی
راہ میں صیاد اُن کا دشمنِ جاں ہوگیا
صبح کو آیا ہمارے بَر میں وہ خورشید رو
خانۂ دل دیکھ اُس کے منھ کو تاباں ہوگیا

اس غزل سے اندازہ ہوتا ہے کہ تاباں اُس وقت تک پختہ مشق شاعر ہو چکے تھے۔ خصوصاً تیسرا اور چھٹا شعر کوئی نومشق شاعر مشکل سے کہہ سکتا ہے۔ 1135ھ کے بعد مختلف سنین میں حاتم کے یہاں ہم کو ایسی زمینیں نظر آتی ہیں، جن میں تاباں نے بھی غزلیں لکھیں ہیں اور یہ تعلق مسلسل 1158ھ تک ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً 1136ھ میں حاتم کی ایک غزل تھی:

(ب)

کاملوں کا یہ سخن مدت سے مجھ کو یاد ہے
یعنی بے معشوق جینا زندگی برباد ہے

اس غزل پر تاباں نے یہ غزل لکھی تھی:

فصلِ گل آتی ہے لیکن باغ میں صیاد ہے
بلبلوں کے حق میں یارو سخت یہ بیداد ہے

(ج)

حضرت مظہر جانِ جاناں (م1195ھ) کی ایک مشہور غزل تھی:

چلی، اب گل کے ہاتھوں سے لٹا کر کارواں اپنا
نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں آشیاں اپنا

اِس غزل پر 1140ھ [1] میں حاتم نے یہ غزل لکھی تھی:

چمن میں کیوں نہ باندھے عندلیب اب آشیاں اپنا
کہ جانے ہے گل اپنا، باغ اپنا، باغباں اپنا

اور تاباں نے جو غزل لکھی تھی اُس کا مطلع یہ ہے:

نہیں کوئی دوست اپنا، یار اپنا، مہرباں اپنا
سناؤں کس کو غم اپنا، الم اپنا، فغاں اپنا

(د)

میر محمد باقر حزیں نے جو حضرت مظہر کے شاگرد تھے ایک غزل لکھی تھی:

فصلِ گل آخر ہوئی کیا دیکھ ہوں گے شاد ہم
کچھ کرا ے صیاد اب ہوں گے نہیں آزاد ہم [2]

اس غزل پر 1150ھ [3] میں حاتم نے یہ غزل لکھی تھی جیسا کہ دیوان زادے میں ہے:

1۔ دیوان زادہ بحوالۂ سرگزشت حاتم صفحہ 111۔ لیکن اس میں حاتم کا پہلا مصرع یہ ہے:

کیا جب فاختہ نے سرو اوپر آشیاں اپنا

ہم نے اوپر حسرتؔ موہانی کے انتخاب میں سے وہ مطلع درج کیا ہے جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ غزل 1130ھ کی ہے۔ اگر یہ سنہ صحیح ہے تو پھر تاباں کا تعلق حاتم سے اس سنہ کے قریب ہوا ہوگا یا حضرت مظہرؒ کے مرید ہونے کی وجہ سے یہ زمین اختیار کی ہوگی۔ میر محمد باقر حزین نے اور صانع بلگرامی نے بھی مرزا مظہرؒ کی یہ زمین اختیار کی تھی۔ دیکھیں گلشنِ ہند صفحہ 169-105۔

2۔ حزیں کا یہ مطلع گلشن ہند (صفحہ 105) میں ملتا ہے۔

3۔ سرگزشت حاتم، صفحہ 112۔ لیکن اس میں حاتم کا صرف پہلا مصرع ہے اور وہ اس طرح ہے:

ع   کس کنے لے جائیں تیرے ظلم کی فریاد ہم

اسی زمین میں نواب امیر خاں انجام کی غزل ہے جس کا مقطع عین اُن کے خاتمے کے مطابق ہے کہ خنجر کے ایک ہی وار نے اُنھیں ختم کر دیا تھا۔ دیکھیں تذکرہ گلشنِ ہند (صفحہ 14) انجامؔ کا مقطع یہ تھا:

ساتھ اپنے سر کے تھا انجام پاسِ حکمت   شکر ہے تڑپے نہ زیرِ خنجرِ فولاد ہم

کس جگہ لے جائیں تیرے ظلم کی فریاد ہم　　تجھ ہی سے تیرے ستم کی چاہتے ہیں داد ہم

حاتم کی اس غزل پر تاباں نے بھی طبع آزمائی اس طرح کی تھی۔

سو طرح سے گر کریں گے نالۂ و فریاد ہم　　اس قفس سے تو بھی ہو سکتے نہیں آزاد ہم

(ہ) انعام اللہ خاں یقینؔ (م 1169ھ) کی ایک غزل کا مطلع تھا:

حار سے مژگاں کے جی ڈرتا ہے میرا بے طرح　　رکھ مری آنکھوں پہ دیتے ہو کفِ پا بے طرح

اس غزل پر 1155ھ[1] میں حاتم نے یہ غزل لکھی تھی:

ع:　جی دیا حاتم نے کیا بے وقت، بے جا، بے طرح

اور تاباں نے اپنی غزل اس طرح شروع کی تھی:

پھر بہار آتی ہے جی ڈرتا ہے میرا بے طرح　　ہر طرف شورِ جنوں ہووے گا برپا بے طرح

(و) یقینؔ کی ایک اور زمین ہے:

گالی بھی سہہ گئے ہیں ماریں بھی کھائیاں ہیں　　کیا کیا تری جفائیں ہم نے اُٹھائیاں ہیں

اس غزل پر 1156ھ[2] میں حاتم نے یہ غزل لکھی تھی:

جب سے تمھاری آنکھیں عالم کو بھائیاں ہیں　　تب سے جہاں میں تم نے دھومیں مچائیاں ہیں

حاتم کی اس غزل پر تاباں نے یہ غزل لکھی تھی:

سن فصل گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں　　کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں

(ز) یقینؔ کی ایک اور غزل ہے:

دل نہیں کھنچتا ہے بن تیرے بیاباں کی طرف　　خوش نہیں آتا نظر کرنا غزلاں کی طرف

1۔ سرگزشت حاتم، صفحہ 113

2۔ سرگزشت حاتم، صفحہ 113۔ لیکن اُس میں ایک مصرع ملتا ہے:

ع　جب سے تری ادائیں عالم کو بھائیاں ہیں

اوپر کی قرأت گلشنِ ہند (صفحہ 103) کے مطابق ہے۔

1157ھ[1] میں حاتم نے اس غزل پر غزل لکھی تھی:

دیکھ کر بلبل لب و رخسار خوباں کی طرف — منہ پھرا کر بیٹھ گر بیٹھے گلستاں کی طرف

اس غزل کے مقطع میں حاتم نے پھر تاباں سے اپنا تعلق ظاہر کیا ہے:

ریختے کے فن میں ہیں شاگرد حاتم کے بہت — پر توجہ دل کی ہے ہر آن تاباں کی طرف

اور تاباں نے بھی اپنی غزل میں استاد کا ذکر کیا ہے۔ مطلع اور مقطع اس طرح ہے:

جو کوئی دیکھے تری زلفِ پریشاں کی طرف — سیر کے تئیں پھر نہ جاوے سنبلستان کی طرف

اور ہی رتبہ ہوا ہے تب سے اس کے شعر کا — جب سے حاتم نے توجہ کی ہے تاباں کی طرف

(ح) حاتم جیسے بے نفس بزرگ نے اپنے شاگرد کے علاوہ دوسرے کم رتبہ شاعروں کی غزلوں پر بھی غزلیں لکھی ہیں۔ 1158ھ[2] میں تاباں کی زمین میں خود بھی غزل لکھی ہے اور اس کا اعتراف دیوان زادے[3] میں کیا ہے۔ وہ غزل یہ ہے:

کیا مدرسے میں دہر کی الٹی ہوا اُٹھی — واعظ نہی، کو "امر" کہے، امر، کو "نہی"

راضی ہوگر ہماری جفا پر تو یوں صحیح — پر ہم نے جان اتنی کسو کی نہیں سہی

کس کی زیادتی ہے ٹک انصاف تو کرو — ہم نے کہی تھی ایک تمھیں تم نے سو کہی

حاتم کو لے چلو کر ترے عاشقوں کے بیچ — ڈھونڈھے تھا جس کے تئیں سو گنہگار ہے یہی

تاباں کی یہ زمین جو حاتم کو پسند آئی تھی اس طرح ہے:

1۔ بحوالۂ سرگزشت حاتم صفحہ 113-71۔ یقین کے ایک مصرع کو تاباں نے ایک مخمس میں تضمین کیا ہے۔ دیکھیں دیوان تاباں صفحہ 217۔

2۔ اس غزل میں مولوی عبدالحق صاحب نے متن (ص 79) میں حشمت لکھا ہے جو درست نہیں کیونکہ حاتم کی غزل موجود ہے جس میں تاباں کا ذکر ہے۔ تاباں نے ایک اور غزل اسی زمین میں لکھی ہے:

کر نظر تیرے خط اور زلف پریشاں کی طرف — دیکھتا نہیں میں کبھی سنبل و ریحاں کی طرف

3۔ بحوالۂ سرگزشت حاتم۔ ص 114۔ سودا نے بھی اس زمین میں غزل لکھی تھی۔

اک دن بھی ہنس کے بات نہ اس شوخ نے کہی　　مجھ کو تمام عمر یہی آرزو رہی
عاشق نے وقتِ مرگ کہا یار سے یہی　　سمجھوں گا تجھ سے حشر کے دن دیکھ تو سہی
دیکھا جو میری نبض کو کہنے لگا طبیب　　مجنوں مرا تھا جس سے یہ آزار ہے وہی
یاراں ہمارے اشک کو کیوں کر پہنچ سکے　　پھرتی ہے موج اشک کی بھی یاں بہی بہی
تاباں نے تجھ کو دیکھتے ہی اپنا جی دیا　　سننے نہ پایا تیری نہ اپنی ہی کچھ کہی

تاباں کی اس غزل کے علاوہ حاتم نے اپنے سے کم رتبہ شاعروں کی زمینیں بھی اختیار کی ہیں۔ دیوان زادے سے معلوم ہوتا ہے کہ حاتم نے عنایت خاں راسخ، انور خاں انور، جعفر علی صادق، میر محمد اسلم، میر حسین کلیم، عالمگیر ثانی اور فغاں وغیرہ کی غزلوں پر بھی غزلیں کہی تھیں اور یہ شعرا یقیناً حاتم سے کم رتبہ تھے۔ فغاں کے متعلق حاتم کہتے ہیں۔

خوب گو سب ہیں لیکن اے حاتم　　خوب سے خوب ہے فغاں کی زباں

اور خود اپنا عجز ظاہر کرتے ہیں کہ:

کئی دیواں کہہ چکا حاتم　　اب تلک پر زباں نہیں ہے درست

''مضمون و معنی'' کے متعلق بھی عجز ہے کہ:

ہمیں مضمون و معنی سے نہیں کچھ ربط اے حاتم　　نشے کی لہر میں جو دل میں آیا ہم بھی بک بیٹھے

اسی لیے حکیم قدرت اللہ قاسم نے مجموعۂ نغز میں حاتم کو ''خلیقے خوش مزاج و خلیق'' لکھا ہے اور یہ بھی کہ ''درویشے بود نیک دین، صاحبِ یقین و شاعرے بود با تمکین''۔ لیکن میر نے نکات الشعرا میں انھیں بالکل نہیں بخشا۔ لکھتے ہیں کہ ''مردیست جاہل و متمکن و مقطع وضع دیر آشنا غنا نہ دارد، و دریافتہ نمی شود کہ ایں رگِ کہن بسبب شاعری است کہ بجو من دیگرے نیست یا وضع او ہمین است''۔ یہ قول میر کا ہے جن کی ''بے دماغی'' کی وجہ سے اسے حقیقت سمجھنے میں تامل ہوتا ہے۔ کیونکہ دیوان زادے میں حاتم نے میر کی غزلوں پر بھی اپنی غزلیں ترتیب دی تھیں اور اپنے سے کم

رتبہ شاعروں کی زمینیں بھی اختیار کی تھیں۔ حاتم اور تاباں کی متعدد غزلیں ایسی بھی ملتی ہیں جو ہم طرح ہیں۔ لیکن تاباں کی وفات کے بعد حاتم نے لکھی تھیں اور کچھ تاباں کے آخری عہد کی بھی ہیں۔

مثلاً حاتم:

نہیں معلوم میرے کام کا انجام کیا ہوگا　　یہی ہے فکر ہر دن صبح کیا اور شام کیا ہوگا
(اس غزل کی صحیح تاریخ معلوم نہیں)

تاباں:

جو ہوگا رند مشرب اُس کو ڈر سے کام کیا ہوگا　　اگر قاضی بھی اس پر بھیج دے اعلام کیا ہوگا

حاتم:

غنچے کہیں ہیں سر کو جھکا کر چمن کے بیچ　　یعنی نہیں ہے جائے سخن اس دہن کے بیچ
1161ھ

تاباں:

کی ہم نے سیر خوب جہاں کے چمن کے بیچ　　پائی نہ بو وفا کی کسی گلبدن کے بیچ

حاتم:

جو ذائقے سے درد کے دل آشنا نہیں　　دنیا میں زندگی کا اُسے کچھ مزا نہیں
1161ھ

تاباں:

لڑکا جو خوب رُو ہے وہ مجھ سے بچا نہیں　　وہ کون ہے کہ جس سے میں یار و ملا نہیں
فغاں کی زمین میں حاتم نے کہا تھا:

گر تجھ سے دل آزار سے دل یار نہ ہوتا　　　تو دل کو کسو طرح سے آزار نہ ہوتا
1161ھ[1]

تاباں کی غزل ہے:

خوباں سے اگر مجھ کو سروکار نہ ہوتا　　　تو دل کو مرے ہائے کچھ آزار نہ ہوتا

حاتم:

پہنچا زمیں سے نالہ مرا آسماں تلک　　　یہ کیا جو کچھ خبر نہ ہوئی دلستاں تلک
1163ھ[2]

تاباں:

رکھتا ہوں اے ہما تپش عشق یاں تلک　　　جل جاوے جو تو آوے مری استخواں تلک

حاتم:

جنوں سے مل گیا دل راہ میں ناگاہ کیا کیجے　　　جو کچھ ہونی تھی اُس پر ہو چکی اب آہ کیا کیجے
1163ھ

1۔ دیوان زادہ بحوالۂ سرگزشت حاتم۔ صفحہ 114۔ لیکن حسرت کے انتخاب میں اس کا سن 1169ھ ہے۔
فغاں کا مطلع سر دیوان یہ ہے:

عالم میں اگر عشق کا بازار نہ ہوتا　　　کوئی کسی بندے کا خریدار نہ ہوتا

فغاں کی ایک اور زمین ہے:

شمع رو خلوت میں مت دے راہ پروانے کے تئیں　　　اے ترے قربان میں کیا کم ہوں جل جانے کے تئیں

اور تاباں نے لکھا تھا:

دسترس کیا حق نے دی ہے ہائے اس شانے کے تئیں　　　کس طرح لپٹے ہیں جا زلفوں کے سلجھانے کے تئیں

2۔ سودا نے بھی یہ زمین اختیار کی تھی:

ہے پرورش سخن کی مجھے اپنی جاں تلک　　　جوں شمع زندگانی مری ہے زباں تلک

تاباں:

ملے ہے غیر سے جا جا مرا دل خواہ کیا کیجے　　مرا کچھ بس نہیں چلتا ہے اُس پر آہ کیا کیجے

حاتم:

آرزو ہے ایک دن مستی میں ہوں بے باک ہم　　دخترِ رز کو اُڑا لیں چل کے زیرِ تاک ہم

1169ھ

تاباں:

یار کے کوچے میں پھرتے ہیں نپٹ بے باک ہم　　سر اگر کاٹے کوئی ہونے کے نہیں غم ناک ہم

حاتم:

ابر میں دیکھ کنارے سے بہارِ دامن　　برق ہوتی ہے ترے آگے نثارِ دامن

1173ھ[1]

اشکِ گلگوں سے بھرا بس کہ کنارِ دامن　　کٹ گیا دیکھ کے گلچیں بھی بہارِ دامن

مذکورۂ بالا غزلوں کے علاوہ تاباں نے حاتم کی دوسری زمینیں بھی اختیار کی تھیں۔ ڈاکٹر زورؔ نے سرگزشت حاتم میں ایسی دو غزلوں کی نشان دہی کی ہے اور اُن کے مقطعے پیش کیے ہیں۔ یعنی:

(1)

کہا ہے دیکھ تاباں راست اُس خوش قد کو حاتم نے　　!!!!　!!!!　!!!!　!!!!　!!!!

(2)

تاباںؔ خزاںؔ کے آنے کی حاتمؔ سے سن خبر　　بلبل اُٹھی پکار چمن سے کہ ہائے گل

یہاں پہلی غزل میں تو بے شک تاباں نے حاتم کو یاد کیا ہے اور یہی قرأت صحیح ہے۔

1۔ بیدارؔ نے بھی لکھا ہے:

خاک عاشق ہے جو ہوتی ہے نثارِ دامن　　اے مری جان تو مت جھاڑ غبارِ دامن　　(لطف صفحہ 73)

انجمن کے مطبوعہ نسخے (صفحہ 15) میں پہلا مصرع مسخ ہو گیا ہے۔ لیکن دوسرے مقطع میں حاتم کی جگہ تاباں نے حشمت لکھا ہوگا۔ کیونکہ وہ غزل تذکرۂ گلشنِ ہند (صفحہ 104) میں محمد علی حشمت سے منسوب ہے اور اس کا مطلع اس طرح ہے:

جب آ خزاں چمن میں ہوئی آشنائے گل　　　تب عندلیب رو کے پکاری کہ ہائے گل

حشمت اور تاباں:

بہر حال حاتم اور حشمت [1] دونوں تاباں کے استاد تھے۔ اب ضرورت ہے کہ ان دونوں کی استادی کی مدت متعین کی جائے۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ 1135ھ سے 1158ھ تک مسلسل حاتم کی زمینوں میں تاباں نے غزلیں لکھی تھیں۔ اس کے بعد 1161ھ میں جب حشمت کا انتقال ہوا تو شاگرد نے مخمس کی شکل میں آخری بند میں اس طرح تاریخ لکھی:

تیرا تاباں غریب و خستہ جگر　　　فکر تاریخ میں تھا حد مضطر
مصرع آخری پہ کی جو نظر　　　کد سے ہاتف نے اس کو دی یہ خبر

24
ہائے حشمت شہید وا ویلا

1161ھ = 11　3　7+24

یعنی 1161ھ میں حشمت کا انتقال ہوا۔ تاباں نے ایک رباعی حشمت کی زندگی میں اس طرح کہی تھی:

ہم کو تو تمھارے غم میں جینا ہے محال　　　تم ہم کو لکھو کہ ہے تمھارا کیا حال
دو سال جو ہم تم رہے یک جا حشمت　　　اب اس کے عوض ہجر کا ہے روز ہی سال

(صفحہ 203)

1۔ حشمت شاگرد تھے مرزا عبد الغنی بیگ قبول کشمیری کے جو دہلی میں رہتے تھے۔ حشمت کے دو بھائی اور تھے یعنی عابد یار خاں اور مراد علی خاں جو شاہ عالم ثانی کے یہاں داروغۂ جواہر خانہ تھے (تذکرۂ قدرت و خمِ خانۂ جاوید)

اس رباعی میں تاباں نے "دو سال" کی صحبت کا ذکر کیا ہے اور دوسرے مصرع میں "تم ہم کو لکھو" دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ حشمت کسی دوسری جگہ (یعنی مراد آباد) چلے گئے تھے۔ اسی فراق میں ایک دوسری رباعی ہے:

سب غم مجھے باتوں میں تری بھولے ہے　　پھر آ کہ ہوئے ہجر میں تیرے اکٹھے
روتا ہوں میں اس غم سے کہ تجھ بن حشمت　　اب کس سے کہوں کہ میرے آنسو پونچھے

(صفحہ 204)[1]

"دو سال" کی صحبت کے بعد ممکن ہے کہ یہ فراق اُسی محاربے اور مجادلے کی وجہ سے ہوا ہو جو مراد آباد میں رونما ہوا تھا۔ جس کے متعلق حشمت کے ذیل میں تذکروں میں آتا ہے کہ "ہمت مردانہ داشت" چنان چہ ہمراہ قطب الدین خاں در مراد آباد کہ محاربہ باپسران علی محمد خاں روہیلہ روداده بود بہ دلیری کشتہ شد"۔[2]

بہر حال تاباں اور حشمت کی صحبت کے یہ دو سال 1161ھ سے پہلے گزرے ہوں گے۔ اس سے قبل یعنی 1159ھ میں نواب عمدۃ الملک امیر خاں انجام شہید ہوئے تھے۔ جن کی شہادت پر تاباں نے لکھا تھا:

تاریخ وفات میں خرد نے　　"مارا ہے امیر خاں" خبر دی
1159ھ

چنانچہ ظاہر ہے کہ وہ مثنوی جو امیر خاں اور حشمت دونوں کی مدح میں تاباں نے لکھی تھی وہ

1۔ دیوان تاباں صفحہ 205 میں ایک رباعی یہ ہے:

میں ہجر میں رہتا ہوں تمھارے رنجور　　اب تو مجھ میں رہا نہیں کچھ مقدور
نزدیک نہیں کہ ہووے ہر نالہ بجوں　　گردش نے فلک کی ہائے کیا ہے گا دور

2۔ لطف: 104، قطب الدین خاں پوتے تھے نواب نعمت اللہ خاں رئیس مراد آباد کے۔

1159ھ سے پہلے کی ہوگی۔ یوں بھی حشمت اور تاباں کا تعلق 1157ھ سے پہلے بھی ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ تاباں کے ایک دوست سیدی احمد تھے جو غالباً فوج میں تھے اور اُن کی وفات پر 1157ھ کا قطعۂ تاریخ تاباں کے دیوان (صفحہ 270) میں موجود ہے۔ اُن کے اور حشمت کے متعلق بہ یک وقت ایک مخمس کے آخری دو بند میں تاباں نے کہا ہے:

نہیں رہتی ہے ہرگز جان اس ظالم کے مارے میں　　کبھی دیکھا نہیں ہے رحم اس خوں خوار پیارے میں
نہ ہووے کیونکہ دہشت اس سے یارو دل ہمارے میں　　جدا عاشق کے تن سے سر کرے ہے اک اشارے میں
یہ ابرو سیدی احمد کی ہے گویا تیغ فولادی

نہ اب دل میں مرے ہے شوق ان خوباں کی الفت کا　　نہ ہوں مشتاق اس دنیا میں تاباں شان و شوکت کا
سجن سے آشنائی ہے نہیں محتاج دولت کا　　لکھا میں چاہتا ہوں ان دنوں دیوان حشمت کا
بہ شرط آں کہ پیدا ہووے کاغذ دولت آبادی[1]

اس مخمس میں چونکہ سیدی احمد (المتوفی 1157ھ) اور حشمت کا ذکر ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ وہ 1157ھ سے پہلے لکھا گیا ہوگا۔ یعنی اس سنہ سے پہلے ہی حشمت سے تاباں کا تعلق ہو چکا ہوگا اور یہ جو مصرع ہے کہ ع ''سجن سے آشنائی ہے نہیں محتاج دولت کا'' یہ اشارہ ہے اس بات کا کہ تاباں کا تعلق حشمت جیسے گمنام شاعر سے کچھ اُن کی شاعرانہ عظمت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ''حاجت روائی'' کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ مثنوی جس میں حشمت اور نواب امیر خاں جیسے ''سجن سے آشنائی'' ظاہر کی گئی ہے اُس سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے۔ اُس میں پہلے حشمت کی بہت سی صفتیں بیان کی ہیں۔ یعنی حکمت، رمل، ہیئت، نجوم، منطق، اشراق، کیمیا، حدیث، تصوف وغیرہ علوم کا ماہر بتا کر یوں کہا ہے:

1۔ دیوان تاباں۔ صفحہ 214

کسی کو کہاں اُس سے ہے برتری　　کہ ہے نام اُس کا محمد علی[1]
تخلص بھی حشمت ہے اُس کا بجا　　وہ اہلِ سخن بیچ ہے بادشا
غرض اُس سا کوئی نہ ہوگا کبھی　　جوں احمد پہ ہوئی ختم پیغمبری
کوئی آج اُس کے برابر نہیں　　وہ سب کچھ ہے لا پیمبر نہیں
زیادہ کہوں وصف میں اُس کا کیا　　بہ صورت ہے انساں، بمعنی خدا

اس آخری شعر میں تاباں نے انتہائی مبالغے سے کام لیا ہے۔ ایک غزل میں جو حشمت کی مدح میں ہے تاباں نے لکھا ہے کہ حشمت کی وجہ سے "دولتِ دنیا" اور "سیم و زر" کی اب کیا حاجت ہے بلکہ "ظلِ ہما" کی بھی اب پروا نہیں ہے۔ وہ غزل یہ ہے:

ہوا ہوں اس جہاں میں دل سے تیرا آشنا حشمت
کروں میں دولتِ دنیا کے تئیں اب لے کے کیا حشمت
جو تیرا آشنا ہو اُس کو سیم و زر سے کیا حاجت
میں تیرے ربط کے تئیں جانتا ہوں کیمیا حشمت
نہ ہوں محتاج دنیا میں کسی شاہ و گدا کا میں
رہے لطف و کرم ایسا ہی گر مجھ پر ترا حشمت
تری باتوں میں اپنا درد و غم سب بھول جاتا ہوں
کروں کس طرح تجھ کو آپ سے اک دم جدا حشمت
ہے سب کو آرزو ظلِ ہما کی مجھ کو کیا پروا
قیامت تک رہے سر پر مرے سایہ ترا حشمت

1۔ ایک غزل میں تاباں نے کہا ہے:
نہ مانے جو کوئی حشمت کو تاباں　　وہ دشمن ہے محمدؐ اور علیؓ کا

سخن کے بحر میں آ کے مری کشتی تباہی تھی
کنارے آ گئی جب سے ہوا تو ناخدا حشمت
پرستش کیوں نہ دنیا میں کریں ہم اس کی اے تاباں
ہمارا قبلہ حشمت، دین حشمت، رہنما حشمت

اس غزل میں شروع کے تین شعر اور پھر پانچویں شعر سے صاف ظاہر ہے کہ حشمت کی صحبت '' کیمیا اثر'' (شعر نمبر 2) تھی جو اغلب ہے کہ نواب عمدۃ الملک امیر خاں انجام کی تربیت کی وجہ سے ہوگی اور نواب نے شاعری ہی کی وجہ سے حشمت کو اس قدر نوازا ہوگا کہ حشمت سے تعلق رکھنے والے (تاباں) بھی ''سیم و زر'' کے محتاج نہ رہے ہوں گے۔ حشمت کی کیمیا اثر صحبت کا ایک اور شعر میں اس طرح اظہار کیا ہے:

آشنا حشمت سا رکھتا ہوں، نہیں محتاج میں　　کیمیا کا علم تاباں مجھ کو کیا درکار ہے

بہر حال سیدی احمد (المتوفی 1157ھ) اور حشمت کا ذکر بیک وقت کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سنہ سے قبل تاباں کا تعلق حشمت سے ہو چکا تھا۔ اب دوسری طرف آیئے۔ یعنی حاتم کے اُس تعلق پر غور کیجیے جو اُن کو نواب امیر خاں انجام سے تھا۔ یعنی نواب کی فرمائش پر حاتم نے ایک ''مثنوی قہوہ'' لکھی تھی۔ جیسا کہ اُس کے عنوان سے ظاہر ہے یعنی ''حسب الارشاد نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر [1]'' اس نواب ''ادب نواز'' کی صحبت میں حاتم نے کچھ وقت ضرور گزارا تھا اور باورچی خانہ کے داروغہ کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی تھی۔ کیونکہ جب حاتم نے اس ملازمت سے استعفا چاہا تو یہ منظوم عرضی پیش کی تھی۔

عرضی بہ جناب عمدۃ الملک در استعفا خدمت در 1155ھ

تمھارا عمدۃ الملک اس قدر سے خوانِ نعمت ہے　　کہ جس پر رات دن شاہ و گدا مہمانِ نعمت ہے

1۔ سرگزشت حاتم: صفحہ 33

سحر سے شام تک اور شام سے تا صبح مدت تک — ہمارا کام تیری بزم میں سامانِ نعمت ہے
ہوا ہوں سیر ایسی چاشنی سے چشک کی تیری — خدا شاہد ہے کس کافر کے تیں ارمانِ نعمت ہے
جیوں گا جب تلک حقِ نمک تیرا نہ بھولوں گا — مجھے سب یاد ہے جو جو ترا احسانِ نعمت ہے
ہوا ہوں جب سے داروغہ ترے باورچی خانے کا — اگر شکوہ کروں اس کا تو یہ کفرانِ نعمت ہے
ولیکن کھا گئی ہے مجھ کو رات اور دن کی یہ محنت — ہے مطبخ کانِ نعمت، پر مجھے زندانِ نعمت ہے
یہی ہے عرض خدمت میں تری حاتم بکا دل کی — کہ یہ خدمت اُسے دے جو کوئی خواہانِ نعمت ہے

حاتم کے استعفا سے ان کا استغنا ظاہر ہے۔ ڈاکٹر زورؔ نے[1] اس نظم کی تاریخ میں 1145ھ لکھا ہے۔ لیکن حسرت نے اپنے انتخاب میں 1155ھ لکھا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ 1150ھ میں (یہی سال خود زورؔ نے بھی ''سرگزشت حاتم'' کے صفحہ 112 میں نقل کیا ہے) حاتم نے میر محمد باقر حزیں کی غزل پر یہ غزل لکھی تھی:

کس جگہ لے جائیں تیرے ظلم کی فریاد ہم — تجھ ہی سے تیرے ستم کی چاہتے ہیں داد ہم

اس غزل پر (تاباں کے علاوہ) خود نواب امیر خاں انجام (المتوفی 1159ھ) کی بھی ایک غزل تذکرۂ گلشنِ ہند (صفحہ 14) میں ملتی ہے:

ٹک تو فرصت دے کہ جو لیں رخصت اے صیاد ہم
مدتوں اس باغ کے سایے میں تھے آباد ہم
منھ ترا تکتے ہیں سب اقلیم حسن و عشق کے
تو ہی بتلا دے کریں کس سے تری فریاد ہم
دل تو ہے داغِ غلامی سے تری طاؤس وار
سامنے قمری کے گو ہیں سرو ساں آزاد ہم

1۔ سرگزشت حاتم: صفحہ 44

اب کسی نے دل جلایا مہربانی سے تو کیا
عمر مانند شرر جب کر چلے برباد ہم
ساتھ اپنے سر کے (ہے؟) انجامؔ پاس تمکنت
شکر ہے تڑپے نہ زیر خنجر فولاد ہم

یعنی 1150ھ میں حاتم نے جوز مین اختیار کی تھی درباری تعلق کی وجہ سے اُسی کو انجام نے بھی اختیار کیا ہوگا۔ اس لیے اس سنہ کے بعد نہیں تو اسی سنہ میں انجامؔ کی یہ غزل انجام پائی ہوگی۔ چنانچہ اس سال تک ضرور حاتمؔ اور انجامؔ کا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے بعد 1155ھ میں حاتم نے استعفادیا ہوگا اور اس کے بعد ہی حشمت کو (ممکن ہے کہ اسی باورچی خانے کے داروغہ کی) خدمت سپرد ہوئی ہوگی جس کے متعلق حاتم نے یہ عرض کی تھی:

ع کہ یہ خدمت اُسے دے جو کوئی خواہان نعمت ہے

غرض کہ 1145ھ کے بعد اور سیدی احمد کے انتقال 1157ھ سے پہلے (یعنی 1156ھ کے قریب) حشمت کا تعلق نواب امیر خاں انجام سے ہوا ہوگا اور جوں ہی حاتم کے مالی زوال پر حشمت کو عروج حاصل ہوا ہوگا تو اُسی زمانے میں تاباں نے بھی مالی منفعت کی غرض سے حشمت سے ناتا جوڑ کر یوں کہا ہوگا کہ:

سخن کے بحر میں آکے مری کشتی تباہی تھی
کنارے آ لگی جب سے ہوا تو ناخدا حشمت

ممکن ہے کہ تاباں کو اس تعلق کی ضرورت شراب کی کثرت کی وجہ سے پیش آئی ہو۔ جس کا ذکر میرؔ نے بڑے افسوس کے ساتھ کیا ہے کہ اسی وجہ سے تاباں کا انتقال ہوا۔ چنانچہ تاباں نے شراب پینے کی خوشی کا ذکر رسمیہ نہیں بلکہ حقیقت میں کیا ہوگا۔ ایک رباعی اس طرح ہے:

ہے مجھ کو بہت شراب پینے کی خوشی یا ہے گی مطالعہ سفینے کی خوشی

چھٹ اس کے میں آزاد ہوں سب سے تاباں　　مرنے کا نہ غم ہے کچھ نہ جینے کی خوشی

اور مثنوی کے یہ دو شعر بھی قابلِ غور ہیں:

مجھے بھی پلا مئے تو ساقی ابھی　　کہ پیتے ہی پیتے نکل جائے جی

اُٹھوں حشر کے دن نہایت ہی مست　　ہو اُس روز بھی جام و مینا بدست

بہرحال مذکورۂ بالا بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ تاباں نے حاتم ہی سے استفادہ کیا تھا۔ صرف آخر آخر میں ''حاجت روائی'' کی خاطر حشمت سے تعلق پیدا کیا جو 1156ھ کے قریب شروع ہوا ہوگا اور چونکہ حشمت آخر میں استاد ہوئے تھے۔ اس لیے میرؔ نے جب 1165ھ میں اپنا تذکرہ مکمل کیا تو حشمت ہی کو تاباں کا استاد لکھا۔

اب تاباں کے سالِ وفات پر غور کرنا ہے۔ میرؔ نے اپنا تذکرہ 1165ھ میں مکمل کیا تھا۔ اس میں انھوں نے تاباں کی وفات کا حال لکھا ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ 1165ھ سے پہلے تاباں کا انتقال ہو چکا ہوگا۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ 1161ھ میں تاباں نے اپنے استاد حشمت کی وفات پر تاریخ لکھی تھی۔ اس لیے ظاہر ہے کہ تاباں کا انتقال 1161ھ اور 1165ھ کے درمیان ہوا ہوگا۔ لیکن اگر ابراہیم اور لطف کا قول صحیح مان لیا جائے، (گلشن ہند صفحہ 83) کہ تاباں کا انتقال محمد شاہ (المتوفی 1161ھ) کے زمانے میں ہوا تو پھر ظاہر ہے کہ 1161ھ کے اواخر میں ہوا ہوگا۔

کلامِ تاباں کی اہمیت:

تاباں کا کلام تاریخی اور معاشرتی حالات کے لحاظ سے بھی اہم ہے۔ اس میں کچھ تاباں کے ذاتی حالات اور رجحانات کا ذکر بھی ملتا ہے اور کچھ معاشرے کی کیفیات کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے اہمیت یوں ہے کہ اس میں نواب امیر خاں (1159ھ)، روشن رائے (1153ھ) شرف الدین مضمون (1147ھ) شرف الدین پیام (1157ھ) سیدی احمد (1157ھ) اور حشمت (1161ھ) وغیرہ کی وفات کی تاریخیں ملتی ہیں اور ان میں سے بعض

ایسی ہیں جن کا ذکر کسی اور کتاب میں نہیں آتا۔

تاباں اپنے حالات کے متعلق بھی اشارہ کرتے ہیں کہ:

پالکی بھی مجھے خدا نے دی — تو بھی تاباں رہا میں خانہ بدوش

تاباں مرے مذہب کو تو مت پوچھ کہ کیا ہے
مقبول ہوں خلاق کا، مردود خلائق

ہے وہ احمق جو رکھے مجھ سے جدائی تاباں — گو نہیں نیک کسی سے تو نہیں ہے بد بھی

ایک اور رباعی میں اپنی غریبی کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

ہے شاہ و گدا میں فرق لیکن تاباں — آزاد کے نزدیک ہیں دونوں یکساں
شاکی تو کسی طرح سے دنیا میں نہ رہ — دن عمر کے ہر طرح سے کٹ جائیں گے یاں

اپنے محبوب سلیمان مرزا کی تعریف بھی کی ہے:

سلیماں میرزا [1] سا خوب صورت — نہیں اس دور میں کوئی زیر افلاک
سلیماں دوسرا بھی ہے و لیکن — چہ نسبت خاک را با عالم پاک

تاباں اپنے شعری رجحانات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں:

گو شاعر آساں ہیں زمین غزل کے سب — تاباں کو فکر شعر میں ہے آسماں کی سیر
تاباں بجز تلاش نہیں شعر کا مزا — پھیکا ہے وہ طعام نہ جس میں نمک پڑے

1۔ لطف نے (صفحہ 82) لکھا ہے کہ تاباں کے "منظور نظر" سلیمان کو 1201ھ میں اُنھوں نے لکھنؤ میں دیکھا تھا۔ سکسینہ کو لطف کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہوئی اور اُنھوں نے یہ لکھ دیا ہے کہ لطف نے 1201ھ میں خود تاباں کو دیکھا تھا۔

تاباں کا ایک اور شعر ہے:

سلیماں کیا ہوا گر تو نظر آتا نہیں مجھ کو — مری آنکھوں کی پتلی میں تری تصویر پھرتی ہے

کہا ہے اس زمیں میں ریختہ تاباں نے یہ ایسا
کہ کیسا ہی کوئی ہو سنگ دل اس کو رُلا دیوے

اور وہ مضموں (م 1147ھ) اور سودا (م 1195ھ) کے ریختے کی تعریف کرتے ہیں:

کہا میں چاہتا ہوں ریختہ جس وقت اے تاباں
مجھے بے اختیار اُس وقت مضموں یاد آتا ہے

☆

آبرو، یکرنگ، ناجی، احسن اللہ اور ولی
ریختہ کہتے نہ تھے تاباں مرے سودا کی طرح

معاشرے کا حال بھی بیان کیا ہے کہ لوگوں میں ''مکاری'' زیادہ ہے:

جو مردمِ دنیا ہیں وے مکار ہیں سب — میں جان بزرگ اب کروں کس کا ادب
فارغ ہوں میں دو جہاں سے تاباں مجھ کو — دنیا سے نہ کچھ کام نہ دیں سے مطلب

یہ تو ''مردمِ دنیا'' کی کیفیت تھی اور ''مردمِ دین'' کا حال یہ تھا کہ:

کہتا ہے نماز پڑھ کے یا رب دلخواہ — ہو کوئی مرید صاحبِ حشمت و جاہ
بیٹھا ہے اسی فکر میں لے کر تسبیح — کیا شیخ کی اوقات ہے سبحان اللہ

چنانچہ اس قسم کی تسبیح پھیرنے والوں کی مذمت کی ہے کہ خاکِ کربلا کی تسبیح رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے اہل نہیں ہیں کہتے ہیں کہ:

تسبیح وہ خاکِ کربلا کی رکھے
تاباں جو دل سے ہووے شبیر کا دوست
گر غیر اُسے گلے میں اپنے پہنے
خونِ شہدا تمام بر گردنِ اوست

اس قسم کے ریاکار پیروں کی ایک اور رباعی میں مذمت کی ہے کہ:

تاباں یہاں کوئی نہیں صاحب ارشاد
اس سعی میں مت عمر کر دے تو برباد
ایسا کوئی کم ہے جو نہ ہو وے پابند
یوں نام کے تئیں تو سرو بھی ہے آزاد

تاہم اُن کو صحیح قسم کے پیر حضرت مظہر جان جاناں مل گئے تھے۔ جن کی غزلوں پر بھی تاباں نے تضمین لکھی تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر جمیل جالبی:

میر عبدالحیٔ تاباں

میر عبدالحیٔ تاباں دلّی کے رہنے والے، نجیب الطرفین سید زادے اور اپنے وقت کے ایسے حسین و جمیل نوجوان تھے کہ ایک زمانہ ان پر فریفتہ تھا۔ میر نے لکھا ہے کہ:

''بہت خوش فکر، خوب صورت، خوش اخلاق، پاکیزہ طینت، عاشق مزاج معشوق (تھا)۔ اس وقت تک شعرا کے گروہ میں ایسا شخص ظاہر شاعر پردۂ عدم سے میدانِ ہستی میں نہیں آیا۔ عجب معشوق دنیا کے ہاتھوں سے جاتا رہا۔ افسوس افسوس افسوس''۔

ایک شعر میں اپنے تعلقات کا ذکر کر کے تاباں کی نجات کی دعا بھی مانگی ہے:

داغ ہے تاباں علیہ الرحمۃ کا چھاتی پہ میرؔ
ہو نجات اس کو بچارا ہم سے بھی تھا آشنا

مصحفی نے چاندنی چوک کے ایک پارچہ فروش کی دوکان پر تاباں کی تصویر دیکھی تھی اور ان کے حسن و جمال کے بارے میں لکھا تھا کہ ''اس عالم فریب کے حسن و جمال اور حسین تناسب اعضاء کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے بجا ہے''۔ تاباں کے حسن و جمال اور شاعری نے مل کر ان کی مقبولیت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا تھا۔ ابتدا میں وہ حاتم کے شاگرد تھے جس کا اعتراف تاباں نے خود بھی کیا ہے:

ریختہ کیوں نہ میں حاتم کو دکھاؤں تاباں
اس سوا دوسرا کوئی ہند میں استاد نہیں

حاتم نے بھی دیوان زادہ میں تاباں کی شاگردی کا ذکر کیا ہے:

اور ہی رتبہ ہوا ہے تب سے اس کے شعر کا
جب سے حاتم نے توجہ کی ہے تاباں کی طرف[1]

تاباں کے مطبوعہ دیوان میں حاتم کی جگہ حشمت کا لفظ ملتا ہے جو اس وقت کی تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔ جب تاباں نے حاتم سے ناراض ہوکر یا کسی اور وجہ سے حشمت کی شاگردی اختیار کر لی تھی۔ ''دیوان زادہ'' میں تاباں کی زمین میں 1153، 1156، 1158 اور 1159ھ کے تحت چار غزلیں ملتی ہیں۔ 1155ھ کی ایک غزل کے مقطع میں بھی تاباں کی طرف اشارہ ملتا ہے:

فیض صحبت کا تری حاتم عیاں ہے خلق میں
طفل مکتب تھا سو عالم بیچ تاباں ہوگیا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 1159ھ/1746ء کے لگ بھگ تاباں نے حاتم سے مشورۂ سخن بند کر کے محمد علی حشمت سے رشتۂ شاگردی استوار کر لیا تھا۔ حشمت کی وفات 1161ھ/1748ء میں ہوئی جیسا کہ تاباں کے قطعۂ تاریخ وفات کے الفاظ ''ہائے حشمت شہید واویلا'' سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایک رباعی میں تاباں نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ وہ دو سال تک یکجا رہے۔ وہ رباعی یہ ہے:

ہم کو تمھارے غم میں جینا ہے محال
تم ہم کو لکھو کہ ہے تمھارا کیا حال

☆

دو سال جو ہم تم رہے یک جا حشمت
اب اس کے عوض ہجر کا ہے روز ہی سال

1۔ دیوانِ قدیم (قلمی، انجمن ترقی اُردو پاکستان) میں یہ شعر اس طرح ملتا ہے:

ریختے کے فن میں ہیں شاگرد حاتم کے بہت　　　پر توجہ دل کی ہے ہر آن تاباں کی طرف

اور یہی دو سال دلّی میں تاباں و حشمت کی یکجائی اور شاگردی و استادی کے سال ہیں۔ اس لیے کہ 1161ھ/1748ء میں محمد علی حشمت روہیلوں کی ایک جنگ میں وفات پا گئے۔ تاباں نے اپنے دیوان میں بار بار حشمت کا ذکر کیا ہے:

نہ مانے جو کوئی حشمت کو تاباں
وہ دشمن ہے محمدؐ اور علیؓ کا
ہوا شاگرد تب حشمت کا تاباں
نہ پایا اس سا کوئی جب اور استاد
کرے تو کس طرح تاباں غلط الفاظ معنی میں
کہ تیرے پاس حشمت سا ترا استاد بیٹھا ہے

سات شعر کی ایک غزل کی ردیف ہی ''حشمت'' ہے:

ع ہمارا قبلہ حشمت، دین حشمت، رہنما حشمت

تاباں کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ لیکن داخلی شواہد سے سالِ وفات کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ دیوانِ تاباں میں جو قطعاتِ تاریخ وفات دیے گئے ہیں ان میں مضمون 1147ھ (1734-35ء)، روشن رائے 1153ھ (41 - 1740ء)، شرف الدین پیام 1157ھ (1744ء)، سیدی احمد 1157ھ (1744ء)، نواب امیر خاں انجام 1159ھ/1746ء اور آخری قطعہ محمد علی حشمت متوفی 1161ھ/1748ء کا ہے۔ گویا 1161ھ/1748ء تک تاباں زندہ تھے۔ محمد تقی میر نے نکات الشعرا (1165ھ/1752ء) میں ان کو مرحوم لکھا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تاباں نے 1162ھ اور 1165ھ (1749ء اور 1752ء) کے درمیان وفات پائی۔

تاباں کا دیوان یقین کے دیوان سے زیادہ ضخیم ہے۔ یقین کے ہاں صرف غزلیات ہیں۔ جب کہ تاباں کے ہاں غزلیات کے علاوہ رباعیات، قطعات، مثلث، مخمس، مسدس، ترکیب بند، تضمین، مستزاد، قصیدہ، مثنوی، قطعات تاریخ بھی شامل ہیں۔ تاباں کا کلام ان ہی شعری میلانات کا حامل ہے جو مرزا مظہر کے زیرِ اثر پروان چڑھے اور جس کے ممتاز نمائندے یقین ہیں، لیکن تاباں کے کلام میں ایک خصوصیت ایسی ہے جو یقین کے ہاں بھی زیادہ نہیں ابھری۔ تاباں نے اپنی شاعری کا رشتہ فارسی روایت سے جوڑنے کے باوجود اظہار کی سطح پر عام بول چال کی زبان سے قائم رکھا۔ ان کے ہاں اسی لیے زبان و بیان میں اُردو پن زیادہ ہے۔ فارسی تراکیب ان کے کلام میں بہت کم ہیں۔ وہ وہی زبان لکھ رہے ہیں جو وہ بول رہے ہیں۔ ان کے لہجے اور آہنگ میں اردو کی جھنکار سارے معاصر شعرا کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔ ان کے ہاں زبان کا چٹخارا اور مزا بھی اسی لیے زیادہ ہے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جسے میں نے رنگینی کہا ہے۔ یہی لہجہ و آہنگ اور زبان و بیان کا یہی روپ چونکہ دورِ میر کی بنیاد ٹھہرتا ہے اس لیے تاباں اردو شاعری کی روایت کے بڑے دھارے کے ساتھ چلتے ہیں اور ان کا دیوان آج بھی دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے۔ یہ اُردو پن کیا ہے؟ یہ دراصل جذبے، احساس، خیال و واردات کو شاہجہان آباد کی عام بول چال کی زبان میں بیان کرنے کی وہ صورت ہے جس نے شاعری کی زبان کا رشتہ بول چال کی زبان سے جوڑ کر اسے فطری، جان دار اور موثر بنادیا ہے۔ اس دور کی شاعری میں زبان و بیان کی یہ صورت سب سے زیادہ تاباں کے ہاں ابھرتی ہے اور یہی روایت ذوق سے ہوتی ہوئی داغ تک پہنچتی ہے۔ جس انداز سے تاباں نے اپنے احساس و جذبۂ عشق کو بیان کیا ہے۔ اس میں نہ فارسیت ہے اور نہ عربی فارسی کے مشکل الفاظ ہیں بلکہ عام زبان کی ایسی سادگی و سلاست ہے جو ہم سے براہ راست مخاطب ہے۔ اسی لیے تاباں کی زبان آج بھی ہماری زندہ زبان کا حصہ ہے۔ یہ چند شعر دیکھیے:

نہ طاقت ہے اشارے کی، نہ کہنے کی، نہ سننے کی
کہوں کیا میں سنوں کیا میں بتاؤں کیا بیاں اپنا
ہوا بھی عشق کی لگنے نہ دیتا میں اسے ہرگز
اگر اس دل پہ ہوتا ہائے کچھ بھی اختیار اپنا
خزاں تک تو رہنے دے صیاد ہم کو
کہاں یہ چمن پھر کہاں آشیانا
بلبلو، کیا کرو گے اب چھٹ کر
گلستاں تو اُجڑ چکا کب کا
یہ زنجیریں بھی ساری توڑ اور زنداں بھی چھوڑے گا
خدا حافظ ہے اب کی بے طرح بپھرا ہے دیوانا
ہوتے ہیں مفت جان کے دشمن یہ خوب رو
اقرار سے اس عشق کے انکار ہی بھلا
سبب کیا ہے کہ تم روٹھے ہو ہم سے
بتاؤ کیا کیا ہم نے تمھارا
عجب احوال ہے تاباں کا میرے
کہ رونا رات دن اور کچھ نہ کہنا
میں ہو کے ترے غم سے ناشاد بہت رویا
راتوں کے تئیں کر کے فریاد بہت رویا
عالم میں تیرے عشق سے تاباں ہوا خراب
کیا تجھ کو اس کے حال کی اب تک خبر نہیں

ہم تو آخر مر گئے رو رو تمھارے ہجر میں
سچ کہو اب بھی کبھی آتے ہیں تم کو یاد ہم

پوچھا میں اس سے کون ہے قاتل مرا بتا
کہنے لگا پکڑ کے وہ تیغ و سپر کہ ہم

نہ آیا رحم اس ظالم کو تاباں
غم اپنا اس سے کئی باری کہا ہم

سودا میں گزرتی ہے کیا خوب طرح تاباں
دو چار گھڑی رونا، دو چار گھڑی باتیں

کسی کا کام دل اس چرخ سے ہوا بھی ہے
کوئی زمانے میں آرام سے رہا بھی ہے

ہر چند تم سے حال ہمارا چھپا تو ہے
لیکن کسی سے تم نے بھی کچھ کچھ سنا تو ہے

ڈھونڈا بہت پہ کھوج نہ پایا انھوں کا ہائے
معلوم ہم کو کچھ نہ ہوا وے کہاں گئے

جو ربط میں یکساں ہی رہے تا دمِ آخر
ایسا بھی زمانے میں کوئی یار ہوا ہے

دیکھا جو میری نبض کو کہنے لگا طبیب
مجنوں موا تھا جس سے یہ آزار ہے وہی

میری تقصیر تو کرو ثابت
روٹھتا بھی ہے بے سبب کوئی

یہ اشعار طرز یقین سے قریب ضرور ہیں لیکن ان میں بات چیت کا انداز و لہجہ یقین سے کہیں زیادہ ہے۔ یقین کے ہاں فارسی تراکیب اور آہنگ کی گونج موجود ہے۔ تاباں کے ہاں یہ اثر اُردو زبان کے لہجے میں چھپ گیا ہے۔ تاباں کے ہاں اضافت کا استعمال کم ہے۔ وہ فارسی علامتِ اضافت کے بجائے اردو "کا، کی، کے" زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ یقین کے ہاں مضمون ملتے ہیں۔ تاباں کے ہاں وارداتِ عشق کا اظہار ہے۔ تاباں کی شاعری عشقیہ شاعری ضرور ہے لیکن اس کا دائرہ محدود ہے۔ یہاں صرف ان واردات کا بیان ہے جو دلِ عاشق پر گزرتی ہیں جن میں یادِ محبوب سے پیدا ہونے والی بے قراری، محبوب کی بے رحمی و بے وفائی، کیفیاتِ ہجر اور آہ و فغاں شامل ہیں۔ یہ عشق اوپری عشق ہے جو محبوب کی ذات و ظاہری صفات تک محدود ہے۔ یہ وہی موضوعات ہیں جو اشرف، فائز، جتلا کے ہاں بھی ملتے ہیں۔ لیکن "ردِ عمل کی تحریک" کے زیرِ اثر زبان کے لیے روپ اور جذبے کے ساتھ مخصوص اردو لہجے میں ظاہر ہونے کی وجہ سے زیادہ نکھرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں عام زندہ زبان کی توانائی نے نئی جان ڈالی ہے۔ تاباں کا ایک موضوع تو وصفِ محبوب اور اظہارِ عشق ہے:

سب مرادیوان ہے ان گل رخاں کے وصف میں
چاہیے مشہور ہو یہ بھی گلستاں کی طرح
مہ رویاں کی تعریف میں تو شعر کہا کر
تاباں ترا آخر کے تئیں نام بھی ہے

اور دوسرا موضوع مے پرستی ہے:

آرزو میں مے کی میں مرتا ہوں تو جائے گلاب
چھڑکیو تربت پہ میری آ کے اے ساقی شراب

گھٹا دوڑی ہے اے ساقی کرم کر
پلا اس وقت مجھ کو آ کے ساغر
مے ہو چمن ہو ابر ہو جامِ شراب ہو
یا رب کبھو تو میری دعا مستجاب ہو
ساقی ہوائے ابر، ہوائے شراب ہے
اس وقت مے نہ دے تو قیامت عذاب ہے
قہر ہے اگر نہ دے اس وقت
جھوم آئی ہے کیا گھٹا ساقی

اور چونکہ شیخ، زاہد، ناصح، محتسب شراب کے دشمن ہیں۔ اس لیے یہ موضوع بھی تاباں کے ہاں اکثر آتا ہے۔ تاباں میں تخلیقی اُپج اول درجے کی نہیں ہے۔ خیال آفرینی ان کے مزاج کے خلاف ہے۔ ان کے ہاں کسی گہرے عشقیہ تجربے کا پتا نہیں چلتا۔ محسوساتی تجربہ بھی ان کے ہاں ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن ان سب کمزوریوں کے باوجود یہ وہ رنگِ سخن ہے جو ماضی کی روایت کے چند میلانات کو مسترد کرتا ہے اور نئی روایت کو میرؔ و سوداؔ سے ملا دیتا ہے۔ کسی دور کی عظمت ایک دو شاعروں سے قائم نہیں ہوتی بلکہ لاتعداد شعرا بنیادیں مستحکم کر کے اس کی آرائش کرتے ہیں۔ ردِ عمل کی تحریک نے دورِ میرؔ کے لیے یہی کام کیا اور تاباں نے عام زبان کو، اپنے مخصوص تیور اور لہجے کے ساتھ، استعمال کر کے میر کے تخلیقی سفر کو آسان بنا دیا۔ تاباں ان شاعروں میں سے ایک ہیں جو ماضی کی روایت کو قبول کر کے مسترد بھی کرتے ہیں اور پھر اسے آنے والی نسل کے تخلیقی مزاج سے ملا بھی دیتے ہیں۔

☆☆☆

دیوانِ تاباں (غزلیات)

غزل نمبر	غزل کا پہلا مصرعہ	صفحہ نمبر
	ردیف الف	
1	اے مردِ خدا ہو تو پرستار بُتاں کا	161
2	نہیں کوئی دوست اپنا، یار اپنا، مہرباں اپنا	161
3	کئی دن ہوگئے یا رب نہیں دیکھا ہے یار اپنا	162
4	رنگیلا مرا باغ میں کل گیا تھا	162
5	مری لوحِ تُربت پہ یارو کھدانا	163
6	رہتا ہے خاک و خوں میں سدا لوٹتا ہوا	163
7	صبا میرا پیغام اُن تک یہ لے جا	164
8	کیا کہوں میں ماجرا اپنے دلِ بیتاب کا	165
9	آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا	165
10	یاں پلک بھی نہ ہم سکیں جھپکا	166
11	جدائی سے تری کیا جانیے کیسا الم ہوگا	166
12	رکھتا تھا ایک جی سو ترے غم میں جاچکا	167
13	جفا سے اپنی پشیماں نہ ہو ہوا سو ہوا	167
14	خوباں سے اگر مجکو سروکار نہ ہوتا	166
15	کہاں تک سہہ سکے ہر روز اُٹھ کر کوئی غم کھاتا	168
16	سر پہ مرے سایہ کیا گر اے ہُما تو کیا ہوا	169
17	دل درد اور الم میں گرفتار ہی بھلا	169

18	صبح آغوش میں تھا مہر درخشاں میرا	170
19	سجا ہے خوب کیا بھلا اہا ہا ہا! اہا ہا ہا	170
20	کوئی دوسرا مجھ سے ناداں نہ ہوگا	171
21	جدا تجھ سے صنم گر عاشق رنجور ہوجاتا	172
22	کون سا عاشق ترے کوچے میں گریاں ہوگیا	173
23	جو ہوگا رند مشرب اس کو ڈر سے کام کیا ہوگا	173
24	میں ہو کے ترے غم سے ناشاد بہت رویا	174
25	روا ہے یار کے تئیں نعش یار پہ رونا	174
26	بے جا نہیں ہمارا یہ ڈاہ مار رونا	174
27	فرہاد سا کوئی عاشق اور قیس سا دیوانا	175
28	تعلق سے جہاں کے جو کوئی آزاد ہو بیٹھا	175
29	غنیمت جان جینا آدمی کا	176
30	یار ایسے شوخ کا ہوتا نہ تھا	176
31	ایسا نہیں طبیب کوئی اس دیار کا	177
32	خیال مجھ کو فقیری کا اب تلک تو نہ تھا	177
33	جہاں سے قطع ہوے نام بے وفائی کا	178
34	قفس میں گل کو جی ترسے ہمارا	178
35	ہمیشہ رات کو غیروں کے رہا	178
36	عاشق میں اب تو شوخ ستم گر پہ ہوچکا	179
37	جسے لذت سے درد و غم کے کچھ حاصل نہیں ہوتا	179
38	دشمن ہوں کیوں نہ شیخ فضیلت مآب کا	180
39	آئی بہار شورش طفلاں کو کیا ہوا	180

40	ہرچند اُس صنم کے لیے ہم نے کی دعا	180
41	ایسا ہی مرے اشک کا گر زور رہے گا	181
42	گلشن میں زمانے کے کوئی یار نہ پایا	181
43	تمھارے ہاتھ سے پاکر بہت آزار دل میرا	182
44	اگر تو علائق سے چھٹ جائے گا	182
45	دل کو سمجھایا میں اپنے بارہا	183
	ردیف ب	
46	مت تو آیا کر چمن میں بار بار اے عندلیب	183
47	گو کہ مت ظلِ ہما ہو مجھے اے یار نصیب	184
48	مت کر فغاں تو باغ میں زنہار عندلیب	184
49	آرزو میں ہے کہ میں مرتا ہوں تو جاے گلاب	185
50	تمھارے ہجر میں رہتا ہے ہم کو غم میاں صاحب	185
51	مجھ پہ ہر روز جو کرتے ہو حکومت صاحب	186
52	ہو کس طرح سے آگے ترا ہمسر آفتاب	186
	ردیف ت	
53	ہوا ہوں اس جہاں میں دل سے تیرا آشنا حشمت	187
54	ہو روح کے تئیں جسم سے کس طرح محبت	187
55	مرے قاتل کے سنمکھ کون آسکتا ہے کیا قدرت	188
56	ساقی و بادہ موسم برسات	188
57	بچتا ہی نہیں، ہو جسے آزار محبت	189
58	دیکھ لو میرے یار کی صورت	189

	ردیف ٹ	
59	گر نظر آوے کہیں وہ راہ باٹ	190
	ردیف ث	
60	ظالم سے دل ہوا ہے مرا آشنا عبث	191
	ردیف ج	
61	غیر کے ہاتھ میں اُس شوخ کا دامان ہے آج	191
62	در قفس کا ہائے کیوں ہوتا نہیں وا کیا علاج	192
63	جامہ زیبوں میں تجلی ہے مرے یار کی سج	192
	ردیف چ	
64	کی ہم نے سیر خوب جہاں کی چمن کے بیچ	192
65	گر فصلِ گل میں ہم نہ گئے گلستاں کے بیچ	193
66	یہ جو ہیں اہل ریا آج فقیروں کے بیچ	193
	ردیف ح	
67	دیکھ اس کو خواب میں جب آنکھ کھل جاتی ہے صبح	194
68	نمکیں حرف ہے مرا یہ فصیح	195
69	ابرو ترے نے مجھ پہ کیا وار بے طرح	195
70	پھر بہار آتی ہے جی ڈرتا ہے میرا بے طرح	196
71	یار روٹھا ہے مرا اس کو مناؤں کس طرح	196
72	کس سے پوچھوں ہائے میں اس دل کے سمجھانے کی طرح	197
73	دیکھ بر میں گل بدن کے جامۂ رنگیں کی طرح	197

74	میرا سینہ ہے ترے ہجر میں مجمر کی طرح	198
75	کیا کہوں غم میں ترے دن کے گزرنے کی طرح	198
76	جاں بلب ہیں غم میں تیرے ساغر و صہبا کی طرح	198
77	چشم ہیں اُس گلبدن کی نرگستاں کی طرح	199
78	بلبل کی آہ گرم کے دیکھو اثر کی طرح	199
79	چاک کرتا ہوں گریباں اپنا میں گُل کی طرح	200
	ردیف خ	
80	کیا قتل اُن نے کر کے پیرہن سرخ	200
81	تجکوں غرض نہیں ہے کسو آشنا سے شوخ	201
	ردیف د	
82	نہ کر ان عندلیبوں پر تو بیداد	201
83	بُتاں کے عشق سے میں کیوں نہ ہوں شاد	202
84	تو دے ان بلبلوں کی داد صیاد	202
	ردیف ڈ	
85	آگے جو اپنے حُسن کا حد تجکو تھا گھمنڈ	203
	ردیف ذ	
86	لکھوں اس گلبدن کو کیونکہ اپنی جان کا کاغذ	203
	ردیف ر	
87	ہجر میں ساقی کے یارو جب کبھی آتا ہے ابر	204
88	اب جو تمیں آتے ہو دل اوروں سے جوڑا ہے مگر	204
89	گھٹا اُمڈی ہے اے ساقی کرم کر	205

90	لے میری خبر چشم مرے یار کی کیوں کر	205
91	عزیزاں ستم گر نہ آیا مرے گھر	206
92	کہاں تک کروں ہجر میں اس کے صبر	206
93	اگر مرجائیں گے اس شعلہ رُو کے غم میں ہم جل کر	206
94	پھرتا ہوں دردِ عشق سے روتا میں در بدر	207
95	ہرگز نہ جا کے کریئے کسی گلستاں کی سیر	207
	ردیف ڑ	
96	رویا نہ ہو جہاں میں گریباں کو اپنے پھاڑ	208
	ردیف ز	
97	کسی گل میں نہیں پانے کی تو بوے وفا ہرگز	209
98	صرف ہے چاک کلالاں میں میری خاک ہنوز	209
99	مرگ کے سے تو نہیں میرے کچھ آثار ہنوز	209
	ردیف س	
100	مر گیا جان ترے ہجر میں ہوکر مایوس	210
101	یاں تلک کی ہے ترے ہجر میں فریاد کہ بس	211
102	کھوتا ہی نہیں ہے ہوسِ منعم و مفلس	211
	ردیف ش	
103	تو مل اُس سے ہو جس سے دل ترا خوش	212
104	لگی ہے عشق کی یوں میرے تن کے تئیں آتش	213
105	تیری مخمور چشم اے مے نوش	214
106	عشق میں دل سے جو اٹھتے ہیں شرار آتش	214

107	ہے شمع کہ یہ قد ہے ترا شعلۂ آتش	215
	ردیف ص	
108	کسی سے اس لیے کرتے نہیں ہیں ہم اخلاص	215
	ردیف ض	
109	جز جفا و جور نہیں کچھ اور خوباں کی غرض	216
110	ہوں با وفا سے با وفا اور بے وفا سے کیا غرض	216
111	مرگ بہتر ہے الٰہی غمِ ہجراں کے عوض	217
	ردیف ط	
112	ہمارے دل کو ہے اس طرح گل رُخاں سے ربط	217
113	بے طرح لیے فوج نمودار ہوا خط	218
	ردیف ظ	
114	عشق میں عاشق جو ہو ہے اُس کو غم کھانے کا حظ	218
	ردیف ع	
115	ہے کس کے رشکِ حسن سے یوں سوگوار شمع	219
116	بزم میں اُس شعلہ خو کو گرم جب پاتی ہے شمع	220
	ردیف غ	
117	شعلہ خو کے ہاتھ سے جل کر ہوا ہے بسکہ داغ	220
	ردیف ف	
118	آئی خزاں چمن میں گئی اب بہار حیف	221
119	نہ سنتا ہے مرا شور و فغاں حیف	221

120	جو کوئی دیکھے ترے زلفِ پریشاں کی طرف	221
121	کر نظر تیرے خط اور زلف پریشاں کی طرف	222
	ردیف ق	
122	تمھارے ہجر میں رو رو کے آخر مر گیا عاشق	223
123	کعبہ ہے اگر شیخ کا مسجود خلائق	223
124	یکبار سر پہ ٹوٹ پڑی آ بلائے عشق	224
125	خونِ دل پینے سوا رکھتا نہیں کچھ کام عشق	224
	ردیف ک	
126	رکھتا ہوں اے ہُما تپشِ عشق یاں تلک	225
127	دلبر سے دردِ دل نہ کہوں ہائے کب تلک	225
128	اس طرح تیری کمر چلنے میں کھاتی ہے لچک	226
129	مانندِ شمع دیکھا ہے جب سے ترا تپاک	226
	ردیف گ	
130	لگی ہے شمع صفت دل کے دودماں کو آگ	227
	ردیف ل	
131	کیا تعویذ تو نے غیر کا دل	227
132	کیوں ملا ظالم سے جا دل ہائے دل افسوس دل	228
133	کوئی پاک طینتی میں نہیں ہے سوائے گل	228
134	نہ کرتی تو معیّن کاش اس گلشن میں جا بلبل	229
	ردیف م	
135	دیکھ اُس مے خوار کی سرشار چشم	230

136	سو طرح سے گر کریں گے نالہ و فریاد ہم	230
137	تجکو ہے گا رات دن اوروں سے اے خود کام کام	231
138	یار کے کوچے میں پھرتے ہیں نپٹ بے باک ہم	231
139	شعلہ خو کو غیر کی محفل میں جب پاتے ہیں ہم	231
140	نہیں دیتا ہے وہ ظالم کسی کی داد ہے ظالم	232
141	ایسا کہاں حباب کوئی چشم تر کہ ہم	232
142	کبھی تم مہربانی سے نہ آئے جان ہے ظالم	233
143	ہوا ہے غیر سے اس کو نہایت پیار ہے ظالم	234
144	مجھے طاقت نہیں کب تک جفا تیری سہوں ظالم	234
145	ہجر میں رہتے ہیں نرگس چشم کے بیمار ہم	235
146	ہوئے بے رحم سے کیوں آشنا ہم	235
147	سنی جو فصلِ گل آنے کی ہر طرف سے دھوم	236
148	کیا کروں کب تلک نہ کھاؤں غم	236
	ردیف ن	
149	جز خدا اب کوئی تھانبے اشک کے پانی کے تئیں	237
150	دسترس کیا حق نے دی ہے ہائے اس شانے کے تئیں	237
151	آج تیرے ہجر میں اے جان مجھ کو کل نہیں	238
152	جان تجھ بن عمر کو غفلت میں میں کھوتا نہیں	236
153	جن نے صاحب ہوش کی باتوں کے تئیں مانا نہیں	238
154	غم میں روتا ہوں ترے، صبح کہیں، شام کہیں	239
155	لڑکا جو خوبرو ہے سو مجھ سے بچا نہیں	240

156	کون سا وقت ہے جو جان تری یاد نہیں	240
157	آتا نہیں وہ شوخ تو کچھ ہم کو غم نہیں	240
158	خوبرو جو ایک کا محبوب نہیں	241
159	خدا عشق مجھ سے چھڑاتا نہیں	241
160	ساقی ہو، اور چمن ہو، مینا ہو، اور ہم ہوں	242
161	جی کا دینا مرے نزدیک تو کچھ دور نہیں	242
162	سن فصلِ گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں	242
163	تیری آنکھیں تری سی پیاری ہیں	243
164	رات کو دیکھا تھا اس مہ رُو کو ہم نے خواب میں	244
165	اے شمع رُو مرے گا جو کوئی تری لگن میں	244
166	دیا جی، پہ نہ آیا رحم کچھ صیاد کے دل میں	245
167	آرزو ہے میں رکھوں تیرے قدم پہ گر جبیں	245
168	مست آتا ہے تو جب پیتا گلابی باغ میں	246
169	کیا بھولاپا ہے کہ وہ خوں خوار میرا کھا کے پاں	246
170	اشک گلگوں سے بھرا بسکہ کنار دامن	247
171	سراب کی سی طرح کب تھا آب دریا میں	247
172	روا جو اہلِ وفا پہ رکھا جفا کے تئیں	248
173	داغ دل اپنا جب دکھاتا ہوں	246
174	تو ناصح نہ ہو پاس وا ہو گریباں	249
175	ہے آرزو یہ جی میں اُس کی گلی میں جاویں	249
176	جو تو مجھ پہ اے شوخ غصہ نہیں	250
177	بسکہ اشکِ گرم سے میری بھری سب آستیں	250

251	بند کرتی ہے دلوں کو جامہ زیباں کی پھبن	178
251	پھر فصل گل آتی ہے کیا کیجیے تدبیریں	179
252	کہتے ہیں اثر ہو ہے رونے میں یہ ہیں باتیں	180
252	یار سے اب کے گر ملوں تاباں	181
253	دل مجبور کو قرار کہاں	182
253	گل ہے شب ماہ ہے ہائے نہیں گلبدن	183
253	دل کو ہرچند مرے طاقت ہجراں تو نہیں	184
254	چھوڑ کر غم میں ترے مسکن و ماوا کے تئیں	185
254	ان ظالموں کو جور سوا کام ہی نہیں	186
255	ترے مژگاں کی فوجیں باندھ کر صف جب ہوئیں کھڑیاں	187
255	سینہ شق غم میں ترے کون بشر ہے کہ نہیں	188
256	ہو جس کو تم سے صرف محبت مرے میاں	189
257	ہم خاناں لٹا کر صحرا میں آرہے ہیں	190
257	کن نے آزردہ کیا مجھ سے مرے یار کے تئیں	191
258	مرنے کی مجکو آپ سے ہیں اضطرابیاں	192
258	خلق کرتی ہے ملامت تیرے سودائی کے تئیں	193
259	خوباں جو پہنتے ہیں نپٹ تنگ چولیاں	194
259	ہوتی نہیں ہے اس سے مجھے راہ کیا کروں	195
260	نہ مرے پاس عزت رمضاں	196
260	زلف کہاں، کہاں یہ رخ، سنبل ارغواں کہاں	197

	ردیف و	
198	شب کو پھرے وہ رشکِ ماہ خانہ بخانہ کو بکو	261
199	مے ہو، چمن ہو، ابر ہو، دامِ شراب ہو	261
200	کب پہنچتا ہے سنبل اس زلف پر شکن کو	262
201	وہ شوخ ہم سے ہے بیزار دیکھیے کیا ہو	262
202	تمھارے غم میں جو کچھ مجھ پہ ہے جنجال مت پوچھو	263
203	پھر بہار آئی ہے دیوانہ کی تدبیر کرو	263
204	چمن ہو، ابر ہو، ساقی ہو، جامِ صہبا ہو	264
205	میں تو اب مرتا ہوں تم بھی جان صاحب آئیے	264
206	مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو	264
207	جس پہ کہ جورِ یار و فلک کی جفا بھی ہو	265
208	میسر سب کے تئیں اے چرخ گلگشتِ گلستاں ہو	265
209	تجکو چاہا اے ستمگر اب جو ہونا ہو سو ہو	266
210	عاشق ترا مرے تو قیامت ہی دھوم ہو	267
	ردیف ہ	
211	ڈھونڈے اُس خاک میں ظالم نشانِ سوختہ	267
212	گر اُٹھے شعلۂ سوزِ جگر پروانہ	268
213	ترا منہ دیکھ کر کہتا ہوں اے ماہ	268
214	ظالم تو کھینچتا ہے عبث تیغ مجھ پہ آہ	269
215	یک بیک تم ہم سے چھوڑی آشنائی واہ واہ	269
216	دے قول اب تلک بھی نہ آیا وہ یار آہ	270

217	کیوں غیر سے لکھا کر بھیجا جواب نامہ	270
218	گئے نالے ترے برباد مانندِ جرس چپ رہ	271
	ردیف ی،ے	
219	کسی کا کام دل اس چرخ سے ہوا بھی ہے	271
220	میں نے چاہا تھا رکھوں عشق کو پنہاں تیرے	272
221	کوئی کم ہے ایسا کہ جیتا بچا ہے	272
222	فصلِ گل آئی ہے لیکن باغ میں صیاد ہے	273
223	مرا خورشید رُو سب ماہ رُویاں بیچ یکتا ہے	273
224	خط ہے یا یہ مصحفِ رُخ کی ترے تصویر ہے	273
225	تو بھلی بات سے ہی میری خفا ہوتا ہے	274
226	قفس سے چھوٹنے کی کب ہوس ہے	274
227	ساقی ہوائے ابر، ہوائے شراب ہے	275
228	گلے لگ رات کو وہ گلبدن جب ساتھ سوتا ہے	275
229	بتاں پر جب سے دل مائل ہوا ہے	276
230	فصلِ گل ہے بہارِ گلشن ہے	276
231	ہوئے ہیں جا کے عاشق اب تو ہم اس شوخ چنچل کے	277
232	دل نہیں ہے مرا یہ اخگر ہے	277
233	ہزاروں بار صاحب ہوش کی تدبیر پھرتی ہے	278
234	کیا کریں کیوں کر رہیں دنیا میں یارو ہم خوشی	278
235	نہیں دیتا ہے وہ ظالم کسی کی داد کیا کیجے	278
236	مرا خورشید رُو آتا ہے کھولے بال کیا کیجے	279

237	ملے ہے غیر سے جاجا مرا دل خواہ کیا کچھ	279
238	کرے گر قتل ظالم ہم کو بے تقصیر کیا کچھ	280
239	ہر چند تم سے حال ہمارا چھپا تو ہے	281
240	عشق کیا ہے جا کسی کامل سے پوچھا چاہیے	281
241	کس طرح سے ہوسکے تیرے مقابل آرسی	281
242	نہیں تم مانتے میرا کہا جی	282
243	اس بے وفا کو میرے جا کر کوئی سنادے	282
244	یار نے پگڑی بھی ہے زور ہی	283
245	مرے دل کی سی اے یارو جرس فریاد کیا جانے	283
246	پھرے ہے آج بلبل گرد دیواروں کے منڈلاتی	284
247	ہجر میں ظالم کے کیوں کر دل کے تئیں بہلائیے	285
248	پوچھیں کسے کہ یار ہمارے کہاں گئے	285
249	بتاں کے شہرِ ناپرساں میں کوئی کب داد کو پہنچے	285
250	ہوتا تمھارے عشق کا کیوں دردِ سر مجھے	286
251	اے باغباں چمن سے نہ کر اب جدا مجھے	266
252	غم اپنا گلبدن کے تئیں سنایا ہم نے کئی باری	287
253	ہمارا دل لگا ہے گلبدن سے	287
254	ایک ہی جام کو پلا ساقی	288
255	نہ جاؤ باغ میں اے بلبلو صیاد بیٹھا ہے	288
256	باغباں مغرور مت ہو فصلِ گل دن چار ہے	289
257	عاشق کو ستا مت کہ بُرا کام یہی ہے	289
258	دل زلف کے حلقے میں گرفتار ہوا ہے	290

259	جوں برگِ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے	290
260	اگر گلشن میں تیرے پان کھانے کا بیاں ہووے	290
261	اگر وہ شعلہ رُو منہ سے نقاب اپنا اُٹھا دیوے	291
262	عیش سب خوش آتے ہیں جب تلک جوانی ہے	291
263	تم سے اب کامیاب اور ہی ہے	292
264	برابر عشق میں کب ہوسکے ہے کوہکن ہم سے	293
265	پہاڑوں میں مجھے فرہاد محزوں یاد آتا ہے	293
266	قفس سے چھٹ کبھی دیکھیں گے یارب گلستاں پھر بھی	293
267	میں رویا غم سے یاں تک لالہ رو کے	294
268	مدت سے نہ تھی مجکو خوباں کی گرفتاری	294
269	مجھے عیش و عشرت کی قدرت نہیں ہے	295
270	خوشی گل سے بلبل کو کب ہوئے گی	296
271	بندہ ہوں اس کا جی سے مجھے کچھ کہو کوئی	296
272	صلا اے عندلیباں پھر گلستاں میں بہار آئی	296
273	کس سے فریاد کروں میں کہ وہ ہرجائی ہے	297
274	محفوظ عشق سے ہم یارو اگر رہیں گے	297
275	نہ تجھے شرم بے وفائی ہے	298
276	یا رب اس غم نے کیا پیر، ہوا خم قد بھی	298
277	مجھے ان دنوں سخت دیوانہ پن ہے	299
278	ساقی ہوا ہے ابر ہے زور ہی بہار ہے	299
279	ترے پاس عاشق کو عزت کہاں ہے	300

280	میرے سیاہ روز کو غم خوار کون ہے	300
281	ممکن نہیں کہ ان سے کبھو دل مرا پھرے	301
282	یوں تری زلف میں دیکھے ہیں گرفتار کئی	301
283	الفت ہوئی ہے کنجِ قفس سے زبس مجھے	301
284	ترے ہجر میں کچھ خوش آتا نہیں ہے	302
285	دلا حوادثِ دنیا سے کیوں تجھے غم ہے	302
286	دلِ بے تاب کی آہوں سے تو ڈر بہتر ہے	303
287	جہاں میں سیرِ ارم گرچہ سیرِ گلشن ہے	303
288	کب تلک اس ماہ رُو کے غم میں رویا کیجیے	304
289	چاہنے میرے سے تیری گرم بازاری ہوئی	304
290	اک دن بھی جس کے بات نہ اُس شوخ نے کہی	305
291	قیامت مجھ پہ کل کی رات اُس کے ہجر میں لائی	305
292	لگ جائے ہے دل میرا ہر یوسفِ ثانی سے	306
293	عشق تو کرچکا ہے سب کوئی	306
294	علاجِ دلِ فگاراں ہے تری انکھیوں کی مخموری	307
295	نامہ تو (؟) شعلہ کو کبوتر تو لے اُڑے	307
296	جو کشتۂ تیغِ نگہ یار نہ ہووے	308
297	ظلم میں تجھ سا بھی قصاب کہیں ہوتا ہے	309
298	یار بھی دشمن ہوا اور چرخ بے بنیاد بھی	309
299	دل سے یک لخت اُٹھا اپنے یہ سب یار منی	310
300	کیوں ہر کسی کے ساتھ دل اپنا لگایئے	310

☆	متفرق اشعار	311
☆	رباعیات	314
☆	قطعات	318
☆	مثلث	319
☆	مخمسات	322
☆	مسدسات	339
☆	ترکیب بند	344
☆	تضمین بر غزل حافظ	354
☆	تضمین بر غزل مظہر	360
☆	تضمین بر غزل حافظ	362
☆	مستزاد	372
☆	قصیدہ	374
☆	مثنوی	379
☆	قطعات تاریخ	394

☆☆☆☆

غزلیات

ردیف الف

1

اے مردِ خدا ہو تو پرستار بُتاں کا   مذہب میں مرے کفر ہے انکار بُتاں کا
لگتی وہ تجلی شررِ سنگ[1] کے مانند   موسیٰ تو[2] اگر دیکھتا دیدار بُتاں کا
گردن میں مرے طوق ہے زنار کے مانند   ہوں عشق میں از بسکہ گنہ گار بُتاں کا
دونوں[3] کی ٹک اک سیر کر انصاف سے اے شیخ   کعبے سے ترے گرم ہے بازار بُتاں کا
دوں ساری خدائی کو عوض اُن کے میں تاباں
کوئی مجھ سا بتا دے تو[4] خریدار بُتاں کا

2

نہیں کوئی[5] دوست اپنا یار اپنا مہرباں اپنا   سناؤں کس کو غم اپنا الم اپنا فغاں اپنا
نہ طاقت ہے اشارے کی نہ کہنے کی نہ سننے کی   کہوں کیا میں سنوں کیا میں بتاؤں کیا بیاں اپنا

1۔ ن خ "طور" 2۔ ن خ "جو" 3۔ ن خ "دودن بھی" 4۔ ن خ "جو"
5۔ کوئی بروزن فع باندھا ہے دیوان تاباں میں ایسی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ (مرتب)

نپٹ رکھتا ہے جی میرا خفا ہوں ناک میں دم ہے   نہ گھر بھاتا ہے نے صحرا کہاں کیجے مکاں اپنا
ہوا ہوں گم میں لشکر میں پری رویاں کے ہے ظالم   کہاں ڈھونڈوں کسے پوچھوں نہیں پاتا نشاں اپنا
بہت چاہا کہ آوے یار یا اس دل کو صبر آوے   نہ یار آیا نہ صبر آیا دیا میں جی نداں اپنا
قفس میں بند ہیں یہ عندلیبیں سخت بے بس ہیں[1]   نہ گلشن دیکھ سکتی ہیں نہ اب وے آشیاں اپنا

مجھے آتا ہے رونا ایسی[2] تنہائی پہ اے تاباں
نہ یار اپنا، نہ دل اپنا، نہ تن اپنا، نہ جاں اپنا

3

کئی دن ہو گئے یارب نہیں دیکھا ہے یار اپنا   ہوا معلوم یوں شاید کیا کم ان نے پیار اپنا
ہوا بھی عشق کی لگنے نہ دیتا میں اسے[3] ہرگز   اگر اس دل پہ ہوتا ہائے کچھ بھی اختیار اپنا
یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں گویا کہ آپس میں   نہ یار اپنا کبھو ہوتے ستانے روزگار اپنا
ہوا ہوں خاک اس کے غم میں تو بھی سینہ صافی سے   نہیں کھوتا ہے وہ آئینہ رو دل سے غبار اپنا
یہ شعلہ سا تمھارا رنگ کچھ زور ہی جھمکتا ہے   جلا کیوں کر نہ دوں میں خرمنِ صبر و قرار اپنا
سر فتراک تھا اُس کو نہ تھا لیکن نصیبوں[4] میں   تڑپتا چھوڑ کر جاتا رہا ظالم شکار اپنا

تجھے لازم ہے ہونا مہرباں تاباں پہ اے ظالم
کہ ہے بیتاب اپنا عاشق اپنا بے قرار اپنا

4

رنگیلا مرا باغ میں کل گیا تھا   اُسے دیکھ کانٹوں پہ گُل لوٹتا تھا

1۔ ن خ "قفس میں بند ہیں بے بال و پر ہیں سخت بے بس ہیں۔   2۔ ن خ "اپنی"
3۔ ن خ "اس کو میں"   4۔ ن خ "نصیب اس کے"۔

مجھے لے کے ظالم سے دل نے ملایا — بغل میں یہ دشمن کہاں کا دھرا تھا
نہ رہنے دیا ہائے یاں باغباں نے — چمن میں نہایت مرا دل لگا تھا
فغاں نے مرا منہ پھر آ کر کھلایا — ابھی روتے روتے میں چپکا رہا تھا

لیا[1] چاہ سے کھینچ یوسف کو اپنے
مرا عشق تاباں قیامت وسا تھا

5

مری لوحِ تربت پہ یارو کھدانا — کہ اُس سنگ دل سے نہ کوئی دل لگانا
خزاں تک تو رہنے دے صیاد ہم کو — کہاں یہ چمن پھر کہاں آشیانا
ہوا جا کے ظالم کے قابو میں بے بس — کہا ہائے اِس دل نے میرا نہ مانا
جو کچھ میں کہوں تم کو واسوختگی[2] سے — مری بات خاطر میں ہرگز نہ لانا
ترے غم سے نسیاں ہے یاں تک کہ مجھ کو — ادھر بات کہنا ادھر بھول جانا
زبس تیرے مژگاں سے ہے مجھ کو الفت — جہاں دیکھنا خار واں لوٹ جانا

نہ کھو[3] ہاتھ سے اپنے تاباں کو ہرگز
کہ پھر اُس سا مشکل ہے کوئی ہاتھ آنا

6

رہتا ہے خاک و خوں میں سدا لوٹتا ہوا — میرے غریب[4] دل کو الٰہی یہ کیا ہوا
میں اپنے دل کو غنچۂ تصویر کی طرح — یا رب کبھو[5] خوشی سے نہ دیکھا کھلا ہوا

1۔ ن خ ”ترا“ 2۔ ن خ ”سوداجی“ 3۔ ن خ ”دے“ 4۔ ن خ ”مجھ ناتواں کے“
5۔ ن خ ”کبھی“

ناصح عبث نصیحتِ بیہودہ تو نہ کر　　ممکن نہیں کہ چھوٹ سکے دل لگا ہوا
تو دیکھ مجھ کو نزع میں مت کڑھ کہ میرے یار　　مجھ سے بہت ہیں ایک نہ ہوگا تو کیا ہوا
ہم بے کسی پہ اپنی نہ روئیں تو کیا کریں　　دل سا رفیق ہائے ہمارا جدا ہوا
ہردم کروں میں کیوں نہ گریباں کو اپنے چاک　　آتا ہے یاد یار کا جاما چسا ہوا
کچھ دیکھتے ہی تجھ کو تڑپنے لگا یہ دل　　اچھا تھا رات کو تو، اسے آج کیا ہوا

تاباں کے دیکھنے سے بُرا مانتے تھے تم
کھو دی بہار خط نے تمھاری بھلا ہوا

7

صبا میرا پیغام اُن تک یہ لے جا　　کہ تم چھوڑ ہم کو رہے کیوں جدے جا
کسی بات کا میں نہ شکوہ کروں گا　　ترے جی میں آوے سو مجھ کو کہے جا
زبانی ہی قاصد تو اس سے یہ کہیو　　کہ خط آ گیا ہم کو خط بھی نہ بھیجا
ابھی ڈوب جاتا ہے گنبد فلک کا　　تو اے اشک چشموں سے اک دم بہے جا
اگر یار میرا کہاتا ہے اے دل　　تو ظالم کے کوچے میں مجھ کو نہ لے جا
تڑپتا ہے بسمل ترا تشنگی سے　　تو ٹک آبِ شمشیر پھر اُس کو دے جا
کُداتا ہے جس وقت تو اپنا گھوڑا　　دھڑکتا ہے گاوِ زمیں کا کلیجا
اُڑا دے صبا خاک میری اگر تو　　تو کوچے میں اس بے وفا ہی کے لیجا
نہ جب تک کے ڈوبے یہ گنبد فلک کا　　تو اے اشک آنکھوں سے تب تک بہے جا[1]

1۔ ن خ: نہ جب تک بہ کے ڈوبے یہ گنبد فلک کا　　تو اے اشک آنکھوں سے تب تک بہے جا

بھلے اور بُرے کی[1] پریرو کو تاباں
وہ مانے نہ مانے تو اُس کو کہے جا

8

کیا کہوں میں ماجرا اپنے دلِ بیتاب کا آب جس کو دیکھ کر زہرا ہوا سیماب کا
آئینہ میں دیکھ اپنی زلف اور مت پُوچھ کر پوچھ مت احوال میرے دل کے پیچ و تاب کا
جب سے دیکھی ہے ترے رُخ کی جھلک اے شعلہ رو رنگ تب سے زرد ہے خورشید عالم تاب کا
بیچ میں آ زلف کے کوئی سرو قد نئیں بچا خشک کر دینا شجر کا کام ہے بلاب کا
خنجرِ مژگاں کا مارا کوئی جیتا ہی نہیں
کیا جیے مذبوح تاباں دشنۂ قصاب کا

9

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا جس کو دیکھا سو اپنے مطلب کا
شیخ کیا کیا تو پاوے کیفیت یار ہو گر ہمارے مشرب کا
آ کبھو تو مری طرف کافر میں ترستا[2] ہوں دیکھ تو کب کا
ہیں بہت جامہ زیب پر ہم نے کوئی دیکھا نہیں تری چھب کا
اے طبیبو سوائے وصل کہو کچھ بھی درماں ہے عشق کی تب کا
جب سے آیا عدم سے ہستی میں آہ روتا ہی میں رہا تب کا
بلبلو کیا کروگی اب چھٹ کر گلستاں تو اُجڑ چکا کب کا

1۔ ن خ "سب" 2۔ ن خ "تڑپتا"

میرے روزِ سیہ کو وہ جانے　　　دکھ پڑے جس پہ ہجر کی شب کا

ہم تو تاباں ہوئے ہیں لا مذہب

تُجھلا دیکھ سب کے مذہب کا

10

یاں پلک بھی نہ ہم سکیں جھپکا　　　ایسا قاصد تو جائیو لپکا

غم میں ساقی کے اشک کا میرے　　　ہے لگا مینہ کی طرح ٹپکا

آرزو ہی رہی پہ دانۂ تاک　　　قطرۂ مے کبھو نہ ہو ٹپکا

دیکھ اس ماہ رو کو اے تاباں

کیا تو چیتے کی طرح سے لپکا

11

جدائی سے تری کیا جانیے کیسا الم ہوگا　　　پہ اتنا جانتا ہوں میں کہ جینا بھی ستم ہوگا

میں حیراں ہوں کرے گا عذر کیا اس وقت اے ظالم　　　کہ جب میرا نشانِ آہ محشر کو علم ہوگا

ہمارے میکدے میں ہیں جو کچھ کیفیتیں ظاہر　　　کب اِس خوبی سے اے زاہد ترا بیت حرم ہوگا

جلا دوں ریش قاضی بوجہ ریش محتسب کو میں　　　کوئی مجھ سا بھی رند وکیفی و بدمست کم ہوگا

تجھے جلدی ہے کیا اے شمع پروانے کے مرنے کی　　　کوئی دم کے تئیں آپ ہی یہ بے چارہ عدم ہوگا

پڑے گا میرے اور یعقوب کے شبہ قیامت کو　　　کہ میرا پیرہن بھی دیدۂ گریاں سے نم ہوگا

نہ ہو اِن زاہدوں کی ضد سے بیت اللہ کا حاجی　　　عرب سے لے کے تو بدنام تاباں تا عجم ہوگا

12

رکھتا تھا ایک جی سو ترے غم میں جا چکا　　آخر تو تجکو خاک میں ظالم ملا چکا
کچھ فائدہ نہیں ہے نصیحت کا اب تری　　ناصح حیا ٹیں عشق میں اپنی اُڑا چکا
کاکل کی طرح کیوں نہ پریشاں مجھے کرے　　تو جانتا ہے دام میں میرے یہ آچکا
کس مُنھ سے بولتے ہو خطط ہو مجھ سے اب　　جب تک تھا حسن ناز تمھارے اُٹھا چکا
کرتے ہو میرے عشق کا یارو عبث علاج　　میں جانتا ہوں مجھ سے یہ آزار جا چکا
خاطر میں میری ایک بھی آیا نہ اُس کا جور　　سو آفتوں کو چرخ مرے سر پہ لا چکا
بیتابیوں کا عشق کی، کرتا ہے کیوں گلا
تاباں اگر یہ دل ہے تو آرام پاچکا

13

جفا سے اپنی پشیماں نہ ہو ہوا سو ہوا　　تری بلا سے مرے جی پہ جو ہوا سو ہوا
سبب جو میری شہادت کا یار سے پوچھا　　کہا کہ اب تو اسے گاڑ دو ہوا سو ہوا
مبادا ٔسن کے مرا قتل اور کوئی بھڑکے　　نہ اشتہار دو، چپکے رہو ہوا سو ہوا
یہ دردِ عشق مرا جی ہی لے کے چھوڑے گا　　ہزار کوئی دوائیں کرو ہوا سو ہوا
ہمارے دل کی حقیقت کو پوچھتے ہو کیا　　تمھارے ہاتھ سے اے دلبرو ہوا سو ہوا
بھلے بُرے کی ترے عشق میں اُڑادی شرم　　ہمارے حق میں کوئی کچھ کہو ہوا سو ہوا
نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر[1] ظالم
وہ ایک دم ہی ترے روبرو ہوا سو ہوا

1۔ ن خ: "اے"

14

خوباں سے اگر مجکو سروکار نہ ہوتا　　تو دل کو مرے ہائے کچھ آزار نہ ہوتا
دل بستگیٔ زلف اگر دل کو نہ ہوتی　　تو دامِ بلا میں یہ گرفتار نہ ہوتا
مژگاں نہ تری کھینچتیں گر دل کو ہر اک کے　　تو کوئی تری چشم کا بیمار نہ ہوتا
یوسف کی کبھو گرمیٔ بازار نہ ہوتی　　گر اُس کا زلیخا سا خریدار نہ ہوتا
غم سایۂ طوبیٰ کا مرے دل سے نہ جاتا　　گر مجکو ترا سایۂ دیوار نہ ہوتا
تاریک ہی رہتا یہ مرا کلبۂ احزاں　　گر یار مرا شمعِ شبِ تار نہ ہوتا
تاباں نے تمنا میں تری جی کو دیا ہائے
گر رحم تو کرتا تو گنہ گار نہ ہوتا

15

کہاں تک سہ سکے ہر روز اُٹھ کر کوئی غم کھانا　　الٰہی ہے مرے نزدیک بہتر اس سے مر جانا
میں باتیں عشق کی کس طرح سے ناصح کو سمجھاؤں　　کہ جو احمق ہو، ہے بے فائدہ کچھ اس کو سمجھانا
ہمیشہ غیر کے جاتے ہو اپنے شوق سے ہر دم　　بلاتے ہیں اگر ہم تم کو تو یاں ناز سے آنا
ارے ناصح میں کہتا ہوں کہ مت دے پند تو مجکو　　وگر نہ سوجھتا ہے آبرو کا تیری اب جانا
جو ہووے تند خو معشوق اور دانا کہاتا ہو　　جو دل چاہے سو اُس سے کر کے پھر نادان ہو جانا
یہ زنجیریں بھی ساری توڑ اور زنداں بھی چھوڑے گا　　خدا حافظ ہے اب کی بے طرح بپھرا ہے دیوانا
ہمیشہ کھینچتا ہے یہ تمھاری زلف و کاکل کو　　تمھارے سر چڑھا ہے بے طرح کچھ آن کر شانا
ہمیشہ دیکھتا تھا اس کو چھپ کر چوری چوری سے　　الٰہی کیا کروں میں آج تو اُن نے بھی پہچانا

خدا دیوے اگر قدرت مجھے تو ضد سے زاہد کی   جہاں تک مسجدیں ہیں، میں بناؤں توڑ بتخانا
نہ رکھنا پانو اے ناصح نصیحت کی طرف ہرگز   وگر نہ سوجھتا ہے روز تجکو جوتیاں کھانا
تو پہلے سیکھ لے تاباں سے شغلِ کبک بازی کو
کوئی یوں بوالہوس آتا ہے مہ رُویاں کا پرچانا

16

سر پہ مرے سایہ کیا گر اے ہُما تو کیا ہوا[1]   یا کھائے میرے استخواں بعد از فنا تو کیا ہوا
ظالم وفا میری میں کچھ ہرگز کمی ہونے کی نہیں   تو نے اگر مجھ پر کیے جور و جفا تو کیا ہوا
جیتا ہے جب تک تب تئیں شورِ جنوں مجنوں میں ہے   صحرا سے زنداں میں اُسے لاکر رکھا تو کیا ہوا
مرنے سے بھی ممکن نہیں جو وصل ہووے یار کا   فرہاد نے سر پھوڑ کر جی کو دیا تو کیا ہوا
جینے کی غافل حرص کیا آخر ملے گا خاک میں   گر چار دن اس دہر کی کھائی ہوا تو کیا ہوا
کوئی میں تو اُس کے وصل کی اُمید سے مایوس نہیں   وہ شوخ رہتا ہے اگر مجھ سے جدا تو کیا ہوا
دنیا کے نیک اور بد سے کچھ تاباں نہیں ہے غم مجھے
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

17

دل درد اور الم میں گرفتار ہی بھلا   یہ بے نصیب عشق کا بیمار ہی بھلا
ہو گلبدن کے عشق میں دیتا ہے مجھ کو رنج   پہلو میں ایسے دل کی جگہ خار ہی بھلا
زاہد ترا تو دین سراسر فریب ہے   رشتے سے تیرے سبحہ کے زنار ہی بھلا

1۔ ن خ ''سر پہ مرے گر اے ہُما سایہ کیا تو کیا ہوا''

ہوتے ہیں مفت جان کے دشمن یہ خوبرو　　اقرار سے اِس عشق کے انکار ہی بھلا
منظور تمھیں ہے رحم اگر میرے حال پر　　ظالم لگا تو کھینچ کے تروار ہی بھلا
راحت تو وصل میں بھی میسر نہیں ہمیں　　ہم کو تمھارے ہجر کا آزار ہی بھلا
تاباں کو سن کے خاک بسر یار نے کہا
سودائی اس طرح کا سدا خوار ہی بھلا

18

صبح آغوش میں تھا مہر درخشاں میرا　　اِس سبب خانۂ دل آج ہے تاباں میرا
سرو تعظیم کرے پھول کریں جھک کے سلام　　جاے گلشن میں اگر سرو خراماں میرا
غیر کے ساتھ جو دیکھا ہے اُسے بال کھلے　　اِس سبب دل ہے نپٹ آج پریشاں میرا
میں ہوں فرہاد سا مجنوں مجھے کیا شہر سے کام　　میں سلامت رہوں، اور کوہ بیاباں میرا
اِس ہوا میں نہیں وہ یار پیوں کیو نکے شراب　　جی کڑھاتا ہے نپٹ آج یہ باراں میرا
اشکِ گلگوں جو گرے بسکہ مری انکھیوں سے　　ہو گیا دامنِ گلچیں یہ گریباں میرا
گرم ہے عشق کا بازار اُسی سے اب تو
حق تعالیٰ کرے جیتا رہے تاباں میرا

19

سجا ہے خوب کیا پھیٹا اہا ہا ہا! اہا ہا ہا　　کہ جل جاتا ہے جی میرا اہا ہا ہا! اہا ہا ہا
ترا منھ چاندنی میں ماہ رُو، دیکھا تھا میں اک شب　　نظر آیا تھا کیا جھمکا اہا ہا ہا! اہا ہا ہا
لٹا کر عشق میں گھر بار اے میرے میاں تیرے　　ہوا ہوں خلق میں رُسوا اہا ہا ہا! اہا ہا ہا

گلابی ہاتھ میں ہے اور بغل میں یار ہے میرے   کسے یہ عیش ہے پیدا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا
وہ بچھڑا یار جن کو ڈھونڈتا تھا شہر میں یارو   سو میرے ہاتھ اب آیا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا
ترے کوچہ میں عاشق[1] ہو کے بسمل[2] ہاتھ سے تیرے   تڑپتا اور کہتا تھا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا
اگر عالم میں آئی عید تو آنے دو اے یارو   ہمارے گھر میں یار آیا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا
چمک تو آئینہ اور مہر و مہ میں ہے ولے دلبر   ترا بھی ہے عجب مکھڑا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا[3]
ہوا آزاد دنیا سے ا ہو ہو ہو! ا ہو ہو ہو   علائق سے میں اب چھوٹا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا
پھپھولے پانو میں ہیں اور خار دشت ہیں یارو   اکیلا میں ہوں اور صحرا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا
چسی ہے کہنیوں سے آستیں چولی بھی مسکی ہے   ہے تس پہ لٹ پٹا پھینٹا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا
تمھاری زلف کا عالم تو سودائی ہے اے پیارے   ہوا اب مجھ کو بھی سودا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا
ے دمعشوق ہے اور باغ ہے اور مینہ کا یارو   لگا ہے زور ہی جھکا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا
یہ تھا ویران مجنوں بن قدم سے مجھ دوانے کے   ہوا آباد پھر صحرا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا
نہ زلفیں ہیں نہ کاکل ہیں نہ خط ہے اور نہ پٹے ہیں   ترا کیا صاف ہے چہرا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا
رہے محروم سب سے نوش اُس کی بزم میں لیکن   مجھے ساقی نے دی صہبا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا

کہا میں راست تاباں دیکھ اُس خوش قد ظالم کو
اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا اہا ہا ہا ! اہا ہا ہا

20

کوئی دوسرا مجھ سے ناداں نہ ہوگا   کہ دل دے تجھے پھر پشیماں نہ ہوگا

1۔ ن خ ”بسمل“   2۔ ن خ ”عاشق“

3۔ ن خ ”چمکتا آئینہ میں ہے دلے دلبر تو ہے مہ رو   ترا یہ ہے عجب مکھڑا اہا ہا ہا!اہا ہا ہا

مٹ اب جائے مجنوں کے ہوں بعد میرے　　پھر آباد ہرگز بیاباں نہ ہوگا
ستمگر کو کیا حال اپنا سناؤں　　مرا درد و غم[1] اس سے پنہاں نہ ہوگا
مجھے تب تلک کون جانے گا مجنوں　　مرا چاک جب تک گریباں نہ ہوگا
جفا جو کرے گا سو یہ دل سہے گا　　کبھو تیرے ہاتھوں سے نالاں نہ ہوگا
اگر چھوڑ دے گا تو ہم کو قفس سے　　تو صیاد کیا تیرا احساں نہ ہوگا

ترے خط کے آنے سے اے سرو قامت
سب آزاد ہوں گے پہ تاباں نہ ہوگا

21

جدا تجھ سے صنم گر عاشقِ رنجور ہو جاتا　　خدا جانے تو کیا حالِ دلِ مہجور ہو جاتا
نہ ان جلاد نے تن سے کیا سر کو جدا میرے　　میں خوش ہوتا اگر یہ بارِ گردن دور ہو جاتا
لگا تھا شیشۂ دل جا کے میرا مست کے ہاتھوں　　اگر ٹک چھوڑتا اس کو تو چکنا چور ہو جاتا
ملیحانِ عرب اے سانورے گر دیکھتے تجھ کو　　ملاحت اور نمک کا تیرے اُن میں شور ہو جاتا
نہ ہوتا دل مرا محتاج صہبا کا تری ساقی　　مئے وحدت سے یہ ساغر اگر معمور ہو جاتا
گریباں کے عوض گر چاک کرتا اپنے سینے کو　　تو عالم میں مرا دیوانہ پن مشہور ہو جاتا

نہ آتا چاہ سے ہو مہرباں وہ یوسفِ ثانی
تو جوں یعقوب رو رو غم سے تاباں کور ہو جاتا

1۔ ن خ "درد دل"

22

کون سا عاشق ترے کوچے میں گریاں ہو گیا　　اشکِ خونیں سے بتا کس کے، گلستاں ہو گیا
کیوں کیا میں نے گریباں چاک اس کے غم میں ہائے　　داغ سینہ کا مرے سب میں نمایاں ہو گیا
کیا بری ساعت تھی جو صیاد آیا باغ میں　　ایک دم میں آشیاں بلبل کا ویراں ہو گیا
جب ہوئی معلوم میرے تئیں حقیقت عشق کی　　جیونا مرنا مرے نزدیک یکساں ہو گیا
بات کہتے بے ستوں میں کوہکن نے جی دیا　　کام تو مشکل تھا لیکن اس کو آساں ہو گیا
کس ہوس سے بلبلیں جاتی تھیں[1] گلشن کو چلی[2]　　راہ میں صیاد اُن کا دشمنِ جاں ہو گیا
صبح کو آیا ہمارے بَر میں وہ خورشید رُو[3]
خانۂ دل دیکھ اس کے منھ کو تاباں ہو گیا

23

جو ہوگا رند مشرب اس کو ڈر سے کام کیا ہوگا　　اگر قاضی بھی اس پر بھیج دے اعلام کیا ہوگا
بُتاں کے عشق میں کافر ہوا ہوں چھوڑ کر حق کو　　خدا جانے مرے اس کام کا انجام کیا ہوگا
کمی کیا ہے کی ہو جاوے گی میخانہ میں اے ساقی　　اگر ہم کو پلا دے گا کبھی اک جام کیا ہوگا
تو میرے جی کی حسرت کاڑھ ایک ہی تیغ میں قاتل　　اگر اوچھی لگا دے گا تو میرا کام کیا ہوگا
میں سارے شہر میں رُسوا ہوا خوباں سے مل مل کر
زیادہ مجھ سے اے تاباں کوئی بدنام کیا ہوگا

1۔ ن خ "ہیں" 2۔ ن خ "چلیں" 3۔ ن خ "صبح کو آیا ہماری بزم میں خورشید رو"

24

میں ہو کے ترے غم سے ناشاد بہت رویا — راتوں کے تئیں کر کے فریاد بہت رویا

حسرت میں دیا جی کو محنت کی نہ ہوئی راحت — میں حال ترا سن کو فرہاد بہت رویا

گلشن سے وہ جوں لایا بلبل نے دیا جی کو — قسمت کے اُپر اپنی صیاد بہت رویا

نشتر تو لگاتا تھا پر خوں نہ نکلتا تھا — کر فصد مری آخر فصّاد بہت رویا

کر قتل مجھے اُن نے عالم میں بہت ڈھونڈھا — جب مجھ سا نہ کوئی پایا جلّاد بہت رویا

جب یار مرا بگڑا خط آئے سے اے تاباں
تب حسن کو میں اس کے کر یاد بہت رویا

25

روا ہے یار کے تئیں نعشِ یار پر رونا — کبھو تو، تو بھی ہمارے مزار پر رونا

نہ گل رہے تھے چمن میں نہ شورِ بلبل تھا — خزاں کو دیکھ کے آیا بہار پر رونا

عجب نصیب ہیں ان کے جنھیں میسر ہے — سر اپنا رکھ کے سدا پائے یار پر رونا

میں اپنے دکھ کو کہا سنگ دل سے تو بھی ہائے — نہ آیا اس کو مرے حالِ زار پر رونا

بتاں کی سنگ دلی دیکھ کر خوش آتا ہے
اکیلے بیٹھ کے تاباں بہار پر رونا

26

بے جا نہیں ہمارا یہ ڈاہ مار رونا — تک کاڑھتا ہے یارو دل کا بخار رونا

ظالم کے ہجر میں ہیں دو عیش مجکو حاصل — اس کی گلی میں جانا اور زار زار رونا

جب اور کوئی گل بُرد ہنس ہنس کے مجھ سے بولے　سر ہاتھ رکھ کے تب تو اے میرے یار رونا
رخسار و زلف بن ہے اس گلبدن کے مجکو　مانند شمع و شبنم لیل و نہار رونا
دیتا نہیں ہے ساقی اس ابر میں پیالا
آتا ہے مجکو تاباں بے اختیار رونا

27

فرہاد سا کوئی عاشق اور قیس سا دیوانا　پیدا نہ ہوا ڈھونڈھا یہ کوہ یہ ویرانا
دن رات میں رہتا ہوں خوباں کے تصور میں　ہے شیشۂ دل میرا گویا کہ پری خانا
ایسے کے تئیں کوئی سر پر بھی چڑھاتا ہے　کھینچے ہے تری زلفیں کیا شوخ ہے یہ شانا
جب شمع کی لیتا ہے گُل گیر زباں منھ میں　مرجاے ہے غیرت سے تب جل کے یہ پروانا
یاں جام ہے گردش میں مانندِ فلک تاباں
ہے دور قیامت تک آباد یہ میخانا

28

تعلق سے جہاں کے جو کوئی آزاد ہو بیٹھا　وہ آپ زندگی سے اپنے بیشک ہاتھ دھو بیٹھا
گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھ کو وہ لگا کہنے　کہ کچھ حاصل نہیں ہونے کا ساری عمر رو بیٹھا
ہمارا وہ بُتِ کافر نظر آیا جسے یارو　وہ اپنا دین وایماں دیکھتے ہی اُس کو کھو بیٹھا
زمیں بھی تیری ظالم عاشقوں کے جی کی دشمن ہے　ہوا وہ خاک سے یکساں ترے کوچے میں جو بیٹھا
جو حقِ سعی تھا اپنی طرف سے کر چکا تاباں
میں اب ہر طرح اُس کے وصل سے مایوس ہو بیٹھا

29

غنیمت جان جینا آدمی کا بھروسا کچھ نہیں اس زندگی کا
بُتاں ہیں سخت ہی بے رحم اُن سے لگے یا رب نہ ہرگز دل کسی کا
لیا تھا دوستی سے جن نے دل ہائے وہ اب دشمن ہوا ہے میرے جی کا
نہیں اک لمحہ بیتابی سے فرصت الٰہی دل لگا تھا کس گھڑی کا
تمھارے لال کی سرخی کے آگے لگے یاقوت کا بھی رنگ پھیکا
مجھے ترسا کے اُس کافر نے مارا نتیجہ کیا یہی تھا عاشقی کا
تبسم دیکھ اُس غنچہ دہن کا جگر ٹکڑے ہوا ہے ہر کلی کا
نہ مانے جو کوئی حشمت کو تاباں
وہ دشمن ہے محمدؐ اور علیؓ کا

30

یار ایسے شوخ کا ہونا نہ تھا تخم دل میں درد کا بونا نہ تھا
کیا کروں اب کچھ نہیں ہوتا علاج دل کو اپنے ہاتھ سے کھونا نہ تھا
مجھ کو اپنے اشک کے پانی بغیر نامۂ اعمال کو دھونا نہ تھا
تیر مژگاں سے مشبک ہوگیا دل کو اُن کے روبرو ہونا نہ تھا
عشق ظاہر اب مرا تاباں ہوا
مجھ کو یوں بیتاب ہو رونا نہ تھا

31

ایسا نہیں طبیب کوئی اس دیار کا ۔۔۔ چنگا کرے جو زخم کسی دل فگار کا

بادِ سموم لگتی ہے مجھ کو نسیم صبح ۔۔۔ تجھ بن خزاں ہے باغ میں موسم بہار کا

جاری ہے اس قدر کہ بہا دے کسی طرف ۔۔۔ دشمن ہوا ہے اشک ہمارے غبار[1] کا

ہے سوزِ عشق یاں تئیں مجھ میں کہ بعدِ مرگ ۔۔۔ پروانہ مرغِ روح ہو شمعِ مزار کا

دونا نہ ہووے جس کا لہو سے مرے بہار ۔۔۔ ایسا نہیں ہے سنگ کوئی کوے یار کا

پتھر سے کیا عجب ہے جو نکلے شرر بھی سبز ۔۔۔ ایسا ہی اب کے جوش ہوا ہے بہار کا

اکثر جو اس زمین کو ہوتا ہے زلزلہ ۔۔۔ شاید گڑا ہے جسم کسی بے قرار کا

کس کس طرح سے دل میں گزرتی ہیں حسرتیں ۔۔۔ ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار کا

تاباں فلک نہ جان تو اس تیرہ روز[2] کو

گنبد ہے میرے دودِ دلِ داغدار کا

32

خیال مجھ کو فقیری کا اب تلک تو نہ تھا ۔۔۔ پر اب کروں گا مقرر کہ تو ہوا ہے جدا

یہ وہ فلک ہے کہ برباد دے گا دم میں حباب ۔۔۔ اسی امید پہ خیمے کو تو نہ کر برپا

تمھارے عشق میں ہوں، ہر طرف خراب و ذلیل ۔۔۔ حیا و شرم گئی، ہر طرف ہوا رسوا

کیا ہے سر میں تری راہِ عشق کو یاں تک ۔۔۔ کہ چومیں میرے قدم قیس و کوہکن بھی آ

گیا ہوں دونوں جہاں کے میں کام سے تاباں

نہ کام دیں سے، نہ دنیا کی کچھ مجھے پروا

1۔ ن خ ''مزار'' 2۔ ن خ ''بخت''

33

جہاں سے قطع ہوے نام بے وفائی کا　　خدا کسی کو نہ دکھلاے دن جدائی کا
مجھے ضرور ہے پاسِ ادب گلی کا تری　　سبب نہ پوچھ تو میری برہنہ پائی کا
حرم کو چھوڑ رہوں کیوں نہ میکدے میں، شیخ　　کہ یاں ہر ایک کو ہے مرتبہ خدائی کا
میں تیرے راز سے محرم ہوں خوب اے زاہد　　تو میرے آگے نہ لے نام پارسائی کا
کسی سے کریے مروت نہ اس زمانے میں　　کہ اب بُرا ہی نتیجہ ہے یاں بھلائی کا
گلی میں یار کے میں پاؤں رکھ سکوں کیوں کر　　کہ واں تو حکم نہیں مجھ کو جبہہ سائی کا

ہے اس طرح کا مرا شوخ چنچل اے تاباں
کہ جس سے برق کرے کسب اچپلائی کا

34

قفس میں گل کو جی ترسے ہمارا　　کرو اے ہم صفیرو تم نظارا
سبب کیا ہے کہ تم روٹھے ہو ہم سے　　بتاؤ کیا کیا ہم نے تمھارا
ارے صیاد ہم کو چھوڑ دے تو　　قفس میں جی نہیں لگتا ہمارا
ہوا ہے عاشقاں سے کس طرح نرم　　ترا دل سخت ہے جوں سنگ خارا

تو رویا اس قدر تاباں کہ آخر
ہوا سب راز تیرا آشکارا

35

ہمیشہ رات کو غیروں کے [1] رہنا　　پھر آ کر صبح کے تئیں ہم سے کہنا

1۔ ن خ "سے"

جو یار آیا تو میں دوں گا دکھائی　　تم اے انکھیوں مری مت پھوٹ بہنا
اگر شورِ دوعالم کم ہو لیکن　　فغاں سے چپکے اے دل تو نہ رہنا
مرے بانکے کے زخمِ تیغ کے تئیں　　نہیں رستم دلوں کا کام سہنا
عجب احوال ہے تاباں کا میرے
کہ رونا رات دن اور کچھ نہ کہنا

36

عاشق میں اب تو شوخ ستم گر پہ ہو چکا　　ہیہات اپنی جان سے یوں ہاتھ دھو چکا
پانی ہو بہہ گیا مرا نورِ نظر بھی سب　　یاں تک تو تیرے ہجر میں ظالم میں رو چکا
مجھ میں تمھارے عشق نے چھوڑا تو کچھ نہ تھا　　رکھتا تھا ایک صبر سو اب وہ بھی کھو چکا
کانٹوں پہ کس طرح نہ پھروں اب میں لوٹتا　　پھولوں کی سیج پر تو ترے ساتھ سو چکا
تاباں تو رشتۂ غم و اندوہ توڑ اب
تارِ نگہ میں اشک کے موتی پرو چکا

37

جسے لذت سے دردوغم کے کچھ حاصل نہیں ہوتا　　وہ ہرگز زمرۂ عشاق میں کامل نہیں ہوتا
کہا لاتقنطوا قرآں میں حق نے آپ اے واعظ　　ڈراتا ہے ہمیں اور آپ تو قائل نہیں ہوتا
زبس حاصل ہوئی ہے اب ہمیں لذت خموشی کی　　کسی سے بات کہنے کو ہمارا دل نہیں ہوتا
جو خونِ عاشقاں سے روز کئی دریا بہاتا ہے　　ہمارا آشنا افسوس وہ قاتل نہیں ہوتا
تمھارے جور کا تاباں نہیں کرتا کہیں شکوہ
یہ باتیں دل میں رکھتا ہے کبھو بیدل نہیں کہتا

38

دشمن ہوں کیوں نہ شیخ فضیلت مآب کا | بے ربط سب کلام ہے اُس کی کتاب کا
خالی کبھو نہ ہوئے گا دل عشق سے مرا | شیشہ بھرا ہوا ہے یہ اور ہی شراب کا
آفت جو کچھ ہوئی سو ہوئی مجھ پہ عشق میں | نقصان کیا ہوا دلِ خانہ خراب کا
قاصد کو میرے حکم کیا اُن نے قتل کا | حاصل ہوا سوال یہ تیرے جواب کا

تاباں فلک سے کیونکہ بھرے ساغرِ مراد
رہتا ہے واژگوں یہ پیالہ حباب کا

39

آئی بہار شورشِ طفلاں کو کیا ہوا | اہلِ جنوں کدھر گئے، یاراں کو کیا ہوا
غنچے لہو سے تر نظر آتے ہیں تہ بہ تہ | اس رشکِ گُل کو دیکھ گلستاں کو کیا ہوا
یاقوت لب ترا ہوا کیوں خط سے جرم دار | ظالم یہ رشکِ لعل بدخشاں کو کیا ہوا
اُس جامہ زیب غنچہ دہن کو چمن میں دیکھ | حیران ہوں کہ گُل کے گریباں کو کیا ہوا
آئے سے تیرے خط کو یہ کیوں ہے گرفتہ دل | بتلا کہ تیری زلفِ پریشاں کو کیا ہوا
کیوں گرد باد سے یہ اُڑاتا ہے سر پہ خاک | ہوں میں تو جائے قیس بیاباں کو کیا ہوا

روتے ہی تیرے غم میں گزر گئی ہے اُس کی عمر
پوچھا کبھو نہ تو نے کہ تاباں کو کیا ہوا

40

ہر چند اُس صنم کے لیے ہم نے کی دعا | ہوتی نہیں قبول ہماری کبھی دعا

یارب یہ میری خاک کرے پائمال وہ — لوحِ مزار پر بھی لکھوں گا یہی دعا

پہنچے سلامِ شوق مرا کیونکے اُس تلک — جس تک کبھی پہنچتی نہیں ہے مری دعا

خالق نے خَلق جس کو سراپا کیا ہے خُلق — جن نے بُرا کہا ہے اُسے ان نے دی دعا

قد حلقۂ کماں اسی حسرت میں ہوگیا — تیرِ ہدف کبھی نہ ہماری ہوئی دعا

ہو کیا کشود کار کہ ہوتی نہیں کبھو — مفتاحِ قفلِ بابِ اجابت تری دعا

تاباں نہیں ہے مجھ سا کوئی خوش نصیب آج
جس سے ملا جہاں میں مجھے اُن نے دی دعا

41

ایسا ہی مرے اشک کا گر زور[1] رہے گا — تو شمع صفت جسم بھی پانی ہو بہے گا

ظالم ترے چہرے سے نمودار تو خط ہو — دیکھیں کہ ترا ظلم کوئی کیونکہ سہے گا

جز ترکِ محبت کہ میں ناچار ہوں اس میں — مانوں گا میں سب، مجھ سے تو ناصح جو کہے گا[2]

میں خواب میں دیکھا ہے اسے مہندی لگائے — کیا جانیے کس کس کا لہو آج بہے گا

اخگر کو چھپا راکھ میں میں دیکھ کے سمجھا
تاباں تو تہِ خاک بھی[3] جلتا ہی رہے گا

42

گلشن میں زمانے کے کوئی یار نہ پایا — ہم سب سے ملے ایک بھی غم خوار نہ پایا

رہتی ہیں ہمیشہ ہی یہ خونخوار و خوں آشام — کوئی ہم نے تری چشم سا بیمار نہ پایا

1۔ ن،خ ''جوش'' 2۔ ن،خ ''مانوں گا میں سب، مجھ سے جو تو ناصح کہے گا'' 3۔ ن،خ ''میں''

گو[1] ہم سے جدا ہو کے ہوئے خوش تو ہو خوش　　ہم نے بھی کچھ اس بات سے آزار نہ پایا
کیا سج تھی ترے جلوۂ زیبا کی کہ ہم نے　　پھر اپنے گریباں کا کہیں تار نہ پایا
وہ جب سے ہوا خاک تری راہ میں ظالم
تاباں کا کہیں ہم نے پھر آثار نہ پایا

43

تمھارے ہاتھ سے پا کر بہت آزار دل میرا　　بُتاں ساری خدائی سے ہوا بیزار دل میرا
بڑا تھا عرش سے بھی اپنے رتبہ میں یہ اے ظالم　　ہوا لیکن ترے کوچہ میں آ کر خوار دل میرا
کسی سے دل لگے تیرا تو ہو معلوم اے ظالم　　کہ کیا کیا کھینچتا ہے عشق میں آزار دل میرا
رفو چاکِ گریباں کا تو کیا کرتا ہے اے ناصح　　خبر لے ہے نگہ کی تیغ سے افگار دل میرا
فغاں سے کام مانندِ جرس کیوں کر نہ ہو اس کو　　کہ ہے مدت سے غم کا قافلہ سالار، دل میرا
صنم اپنے خدا کا بھی نہیں میں ملتجی لیکن　　مجھے کرتا ہے منت کش ترا ہر بار دل میرا
نشانِ آہ اس کو عشق نے بخشا ہے اے تاباں
ہوا ہے فوجِ غم کا اب علم بردار دل میرا

44

اگر تو علائق سے چھٹ جائے گا　　دلا روز ہی[2] لذتیں پائے گا
تو مجھ کم سعادت پہ سایہ نہ کر　　ہُما تیرا اقبال اُڑ جائے گا
الٰہی شبِ ہجر کی تاب نہیں　　کبھی وصل کا روز بھی آئے گا

1۔ ن خ ''گر'' ۔2۔ ن خ ''اے دل روز ہی''

نہ دیکھو کبھی[1] ریش کو شیخ کی　　ابھی جھاڑ ہو کر یہ لگ جائے گا

اگر دل لگایا ہے تاباں کہیں

تو غیر از اذیت تو کیا پائے گا

45

دل کو سمجھایا میں اپنے بارہا　　چھوڑتا ہی نہیں یہ چسکا عشق کا

استخواں کا آپ وہ محتاج ہے　　کب مجھے درکار ہے ظلِ ہُما

تم نے کعبے سے کیا ہے دل کو سرد　　خیر دیوے اے بُتاں تم کو خدا

میں جو دیکھا کوہکن کی گور کو　　لوح تربت پر یہ تاباں تھا کھدا

ذوق سے شیریں تو مل خسرو کے ساتھ

ہم نے چھاتی کے اوپر پتھر دیا

ردیف ب

46

مت تو آیا کر چمن میں بار بار اے عندلیب　　آخر اس مستی کا کھینچے گی خمار اے عندلیب

کوئی دن کے تئیں خزاں کرتی ہے خوار اے عندلیب　　جان گلشن میں غنیمت یہ بہار اے عندلیب

گر کرے گی نالہ و افغاں ہزار اے عندلیب　　گل نہیں ہونے کا ہرگز تجھ سے یار اے عندلیب

دوستی پر گل کی تو مت بھولیو کہتا ہوں میں　　باغ میں دشمن ہے تیرا خار خار اے عندلیب

1۔ ن خ ''کوئی''

کیا ہوا آئی خزاں تو دل میں مت ہو نا ملول　　پھر بھی اس گلشن میں آوے گی بہار اے عندلیب
آج آوے گا چمن میں وہ مرا رشکِ بہار　　کیجیو زر اپنے گل کا تو نثار اے عندلیب
کیا عجب ہے بھول جاوے دل سے تیرے یادِ گل　　تو اگر دیکھے ہمارا گلعذار اے عندلیب
دیکھ کر ویراں ترا کل گلستاں میں آشیاں　　مجکو رقت آگئی بے اختیار اے عندلیب
کیا ہوا ظاہر میں گر شور و فغاں کرتی ہے تو
کب ہے تاباں کے برابر بیقرار اے عندلیب

47

گو کہ مت ظلِ ہُما ہو مجھے اے یار نصیب　　ہوئے تیرا تو کبھو[1] سایۂ دیوار نصیب
رنج اور غم ہی میں رہتا ہوں گرفتار سدا　　یا الٰہی کوئی مجھ سا بھی ہے آزار نصیب
تجکو جس روز دیا تھا دلِ شاداں حق نے　　مجکو اس روز ہوا تھا یہ دلِ زار نصیب
مجکو آتی ہے اسیرانِ قفس پر رقت　　کہ کبھو ان کو نہیں عشرتِ گلزار نصیب
آرزو ہے کہ ترے غم سے بیاباں میں پھروں　　اور ہو آبلۂ پا کو ترے خار نصیب
جاگنے کی تو طرح اُس کی نہیں اور کوئی　　تیری ٹھوکر سے مگر ہو مرا بیدار نصیب
کیوں نہ ہو گرمیِ بازار تب اس کی تاباں
جب زلیخا سا ہو یوسف کو خریدار نصیب

48

مت کر فغاں تو باغ میں زنہار عندلیب　　صیاد ہو مبادا خبردار عندلیب

1۔ ن خ ''ہوجیو تیرا کبھو''

سیر چمن کو چھوڑ مرے گلبدن کو دیکھ　　تو کس بلا میں ہوئی ہے[1] گرفتار عندلیب
آتا ہے مجھ کو رحم کہ گلچیں کے ہاتھ سے　　تو کھینچتی ہے سخت ہی آزار عندلیب
بیزار باغباں کو کیا تیرے شور نے　　اے کاش تو نہ کھولتی منقار عندلیب
تنہا تو ہی خراب نہیں گل رُخاں کے ہاتھ
تاباں بھی تیری طرح سے ہے خوار عندلیب

49

آرزو میں مے کی میں مرتا ہوں تو جائے گلاب　　چھڑکیو تربت پہ میری آکے اے ساقی شراب
چرخ نے جو نقشِ پا تجکو ملایا خاک میں　　دستگیری کچھو اس وقت میں یا بوتراب
آج آیا چاہتا ہے یار شاید گھر مرے　　بیقراری جی کو ہے اور دل کو میرے اضطراب
ہوں مبرّا کفر اور اسلام کی باتوں سے میں　　ہو بنائے کعبہ ویراں، یا ہو بُت خانہ خراب
سن کے میرا سوزِ دل کہتا ہے وہ مے خوار یوں
کیا کروں تاباں خوش آتی ہے مجھے بوئے کباب

50

تمھارے ہجر میں رہتا ہے ہم کو غم میاں صاحب　　خدا جانے جئیں گے یا مریں گے ہم میاں صاحب
اگر بوسہ نہ دینا تھا کہا ہوتا نہیں دیتا　　تم اتنی بات سے ہوتے ہو کیا برہم میاں صاحب
خطا کچھ ہم نے کی یا غیر ہے شاید تمھیں مانع　　سبب کیا ہے کہ تم آتے ہو اب کچھ کم میاں صاحب
اگر تو شہرۂ آفاق ہے تو تیرے بندوں میں　　ہمیں بھی جانتا ہے خوب اک عالم میاں صاحب

1۔ ن رخ ''ھگی''

تمھارے عشق سے تاباں ہوا ہے شہر میں رسوا
تم اُس کے حال سے اب لگ نہیں محرم میاں صاحب

51

مجھ پہ ہر روز جو کرتے ہو حکومت صاحب — کون سی کی ہے مرے ساتھ مروت صاحب
آئینہ لے کے تو دیکھو کہ نکل آیا خط — تس پہ بھی ناز تمھارے ہیں قیامت صاحب
میری تقصیر تو تم پہلے کرو کچھ ثابت — کیوں ہمیشہ مجھے دیتے ہو اذیت صاحب
غیر پر لطف و کرم ہم پہ توجہ بھی نہیں — واہ واہ تم کو یونہیں چاہیے رحمت صاحب
یہ ستانا ہے تو اک روز میں جی دوں گا جان — آدمی میں بھی ہوں، ہے مجھ میں بھی غیرت صاحب
نگہِ تند سے غیروں کی طرف تم دیکھیو — اپنے بندوں پہ کرو لطف و عنایت صاحب
جو جفا ہم نے سہی کوئی بھی سہتا ہے بھلا — کیا کروں ہوں میں گرفتار محبت صاحب
ہم سے بیزار اگر ہو تو لو ہم جاتے ہیں — تم ہمیشہ رہو دُنیا میں سلامت صاحب

کل جو تاباں کے تئیں میں نے تمھارے دیکھا
حال پر اُس کے مجھے آگئی رقت صاحب

52

ہو کس طرح سے آگے ترا ہمسر آفتاب — ممکن نہیں کہ ہو سکے ہر اختر آفتاب
ہوتا ہے جلوہ گر مرا ساقی تو شرم سے — منھ ڈھانپتا ہے ابر کی لے چادر آفتاب
طاقت کہاں کہ تاب ترے حسن کی وہ لائے — رہتا ہے کانپتا ہی سدا تھرتھر آفتاب [1]
کیوں داغ ہو گیا ہے سراپا تو رشک سے — دیکھا ہے تو نے کس کا رُخِ انور آفتاب

1۔ روشن ہے یہ کہ خوف ہے اس غصہ ور کا میر — نکلے ہے صبح کانپتا جو تھرتھر آفتاب (میر)

تاباں ہے سلطنت مجھے ملکِ جنون کی
ہر دشت پائے تخت ہے اور افسر آفتاب

ردیف ت

53

ہوا ہوں اس جہاں میں دل سے تیرا آشنا حشمت — کروں میں دولتِ دُنیا کے تئیں اب لے کیا حشمت
جو تیرا آشنا ہوا اُس کو سیم و زر سے کیا حاجت — میں تیرے ربط کے تئیں جانتا ہوں کیمیا حشمت
نہ ہوں محتاج دُنیا میں کسی شاہ و گدا کا میں — رہے لطف و کرم ایسا ہی گر مجھ پر ترا حشمت
تری باتوں میں اپنا درد و غم سب بھول جاتا ہوں — کروں کس طرح تجکو آپ سے اک دم جدا حشمت
ہے سب کو آرزو ظلِ ہُما کی مجکو کیا پروا — قیامت تک رہے سر پر مرے سایا ترا حشمت
سخن کے بحر میں آ کے مری کشتی تباہی تھی — کنارے آ لگی جب سے ہوا تو ناخدا حشمت

پرستش کیوں نہ دنیا میں کریں ہم اُس کی اے تاباں
ہمارا قبلہ حشمت، دین حشمت، رہنما حشمت

54

ہو رُوح کے تئیں جسم سے کس طرح محبت — طائر کو قفس سے بھی کہیں ہو ہے محبت
گو ظلِ ہُما مت ہو، رہے سر پہ ہمارے — تا حشر ترا سایۂ دیوار سلامت
اطوار ترے باعثِ آفاتِ جہاں ہیں — آثار ترے ہیں گے سب آثارِ قیامت
صیاد نہ اب بے پر و بالوں کو تو اب چھوڑ — پھر حسرتِ گل دے گی ہمیں سخت اذیت

اسباب جہاں کی تو دلا فکر نہ کر تو حاصل نہیں کچھ اس میں بجز رنج و مشقت
چھوڑوں گا نہ میں تجھ کو ترے خط کے بھی آئے تو تب بھی نہ ہو یار تو یہ بھی مری قسمت
تاباں تو سدا سیر ہر اک گل کی کیا کر
اس گلشنِ ہستی کا نظارا ہے غنیمت

55

مرے قاتل کے سنمکھ کون آسکتا ہے کیا قدرت سوا سیر ے کوئی آنکھیں لڑا سکتا ہے کیا قدرت
ترے کوچے میں ظالم کون جاسکتا ہے کیا قدرت کوئی واں جاکے کب جیتا پھر آسکتا ہے کیا قدرت
یہ وہ بت ہیں جنھوں نے رام عالم کو کیا اپنا کوئی ان سے لگا کر دل چھڑا سکتا ہے کیا قدرت
ہمیں معلوم ہیں زاہد کی ساری راز کی باتیں ہمارے روبرو شیخی جتا سکتا ہے کیا قدرت
نگہ کی تیغ کی کس کو جرأت ہے کہ ٹھیرا وے ترے سنمکھ ہو عاشق ہی بچا سکتا ہے کیا قدرت
مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے لیکن نصیبوں کا لکھا کوئی مٹا سکتا ہے کیا قدرت
کہا تاباں یقیں[1] نے شعر کا انداز سن میرے
"مقابل آج اُس کے کوئی آسکتا ہے کیا قدرت"

56

ساقی و بادہ موسمِ برسات ہوں میسر جسے رہے اوقات
ہاتھ میں اُس کے ہاتھ تھا ہیہات دل مرا گم ہوا ہے ہاتھوں ہات
میری روتی گزرتی گئی ہے عمر اُن نے ہنس کر کبھو نہ پوچھی بات

1۔ انعام اللہ خاں یقین

سبزۂ خط کو کیوں نہ خضر کہوں   زلف تیری ہے کوچۂ ظلمات
طرح بسمل کی یار بن تاباں
میں تڑپتا رہا ہوں ساری رات

57

بچتا ہی نہیں، ہو جسے آزارِ محبت   یا رب نہ کوئی ہوئے[1] گرفتارِ محبت
کہتے ہیں مری نبض کے تئیں دیکھ طبیباں   جینے کا نہیں آہ یہ بیمارِ محبت
عاشق تو بہت ہوں گے پہ کوئی مجھ سا نہ ہوگا   دیوانہ و اندوہ کش و خوارِ محبت
اس پنتھ میں کھینچو گے بہت خواری و ذلت   آساں نہیں اے بوالہوس کارِ محبت
آزاد ہوا بوجھ سے میں دونوں جہاں کی   جب سے کہ لیا سر کے اوپر بارِ محبت
آگے تو بہت دھوم تھی مجنوں کے جنوں کی   اب گرم مرے دم سے ہے بازارِ محبت
ناصح جو ترے جی میں ہو سو مجھ سے کرا لے   کرنے کا نہیں ایک میں انکارِ محبت
گو جی ہی نکلتا ہو پہ معشوق سے عاشق   ہرگز نہ کرے چاہیے اقرارِ محبت
ہر چند چھپاوے گا یہ تاباں نہ چھپیں گے
ظاہر ہیں ترے چہرے سے آثارِ محبت

58

دیکھ لو میرے یار کی صورت   ہے سراپا بہار کی صورت
خواب میں بھی نظر نہیں آتی   مجکو افسوس یار کی صورت

1۔ ن خ: "نہ ہووے کوئی"

ایک عالم ہوا ہے سودائی　　دیکھ کر زلفِ یار کی صورت
دیکھیے کیا تری ہوا میں ہو　　میرے مشتِ غبار کی صورت
کٹ گیا دیکھ رنگِ برگِ کنول　　کفِ پائے نگار کی صورت
دل ہے تاباں کا غرقِ خوں تجھ بن
چشم ہے آبشار کی صورت

ردیف ٹ

59

گر نظر آوے کہیں وہ راہ باٹ　　تو میں پوچھوں کیوں ہے تو مجھ سے اُچاٹ
سرد دل ہو کیونکہ زخمی عشق کا　　آب میں تروار کب کرتی ہے کاٹ
جیب تو کیا اب کے آنے دو بہار　　ٹکڑے جامے کا کروں گا پاٹ پاٹ
فرش پر مخمل کے جو سوتے تھے ہائے　　اب میسر ان کو نہیں ہوتا ہے ٹاٹ
کہکشاں نہیں دیکھ میرا چاکِ جیب　　رشک سے چھاتی گئی گردوں کی پھاٹ
ایک کوڑی گرچہ پاوے شوم طمع　　سر پہ رکھ لیوے اُٹھا کر چوم چاٹ
ہے مگر آزردہ وہ غنچہ دہن
آج تیرا دل ہے تاباں کیوں اُچاٹ

ردیف ث

60

ظالم سے دل ہوا ہے مرا آشنا عبث سہتا ہے اُس کے ہاے یہ جور و جفا عبث
اُن کو خدا کہیں تو نہ چھوڑیں گے کافری ہوتا ہے ان بتوں کے اوپر مبتلا عبث
اے دل سمجھ، کہ کام ہے معشوق کا جفا اُس بے وفا سے رکھ نہ امید وفا عبث
یاں آکے ایک دم بھی نہ راحت ہوئی نصیب پیدا جہاں میں مجھ کو خدا نے کیا عبث
بے رحم و بے وفا و ستم گار و تند خو
تاباں تو جانتا تھا اُسے، دل دیا عبث

61

غیر کے ہاتھ میں اُس شوخ کا دامان ہے آج میں ہوں اور ہاتھ مرا اور یہ گریبان ہے آج[1]
لٹپٹی چال، کھلے بال، خماری انکھیاں[2] میں تصدق ہوں مری جان یہ کیا آن ہے آج[3]
کب تلک رہیے ترے ہجر میں پابندِ لباس کیجیے ترکِ تعلق ہی یہ ارمان ہے آج
آئینہ کو تری صورت سے نہ ہو کیوں حیرت در و دیوار تجھے دیکھ کے حیران ہے آج
آشیاں باغ میں آباد تھا کل بلبل کا
ہائے تاباں یہ سبب کیا ہے کہ ویران ہے آج

1۔ ن خ ''میں ہوں اور ہاتھ میں میرا یہ گریبان ہے آج''
2۔ ن خ ''آنکھیں''
3۔ ن خ ''میں تصدق ہوں مرے یار یہ کیا شان ہے آج''

62

درقفس کا ہائے کیوں ہوتا نہیں وا کیا علاج   تس پہ آئی فصلِ گل اب بلبلوں کا کیا علاج

خاک وخوں میں وہ تڑپتا ہی پڑا مرتا نہیں   اپنے بسمل کا بتا قاتل کرے گا کیا علاج

ہم کو تم بن ایک دم اے جان جینا ہے محال   تم تو ہوتے ہو جدا لیکن ہمارا کیا علاج

فصل گل کی سن خبر مجنوں مرا بَن کی طرف   خانۂ زنجیر سے جاتا ہے نکلا کیا علاج

اب علاج اُس کے سے عاجز ہوگئے ہیں سب طبیب
ہاتھ سے جاتا ہے تاباں مفت اُس کا کیا علاج

63

جامہ زیبوں میں تجلی ہے مرے یار کی سج   تنگ چولی کی سج اور پھینٹۂ بلدار کی سج

شرم سے تیری خجل ہو کے زمیں میں گڑجائے   باغ میں سرو جو دیکھے تری رفتار کی سج

پان کھاتا ہوا آتا ہے ادا سے جس وقت   قتل کرتی ہے اک عالم کو یہ خوں خوار کی سج

مل گئی خاک میں یک لخت شعاعِ خورشید   دیکھ کر سر پہ ترے طرۂ زر تار کی سج

کھینچ تلوار ڈراتا ہے مجھے اے تاباں
بھولتی کس ہے مرے دل سے ستمگار کی سج

ردیف چ

64

کی ہم نے سیر خوب جہاں کی چمن کے بیچ   پائی نہ بو وفا کی کسی گلبدن کے بیچ

مدت ہوئی کہ قتل ہوئے تھے[1] پر اب تلک — آتی ہے بو لہو کی ہمارے کفن کے بیچ

گل سینہ چاک، سرو ہے گلشن میں سبز پوش[2] — ماتم ہے عندلیب کا شاید چمن کے بیچ

خسرو کے پاس چھوڑ کے شیریں کو مر گیا — غیرت یہی تھی عشق کی کیا کوہکن کے بیچ

دیکھا نہ تجکو سیر کیا قتل تو نے ہائے — حسرت جو من میں تھی سو رہی من کی من کے بیچ

اُس شعلہ خو کو غیر کی محفل میں دیکھ کر — مانند شمع آگ لگی جان و تن کے بیچ

ہنستا ہے گل چمن میں تو نالاں ہے عندلیب — وو دل خوشی نہ دیکھے کبھی اس چمن کے بیچ

تاباں کسی سے عشق ہمارا چھپا نہیں
آتی ہے بوے درد ہمارے سخن کے بیچ

65

گر فصلِ گل میں ہم نہ گئے گلستاں کے بیچ — پھر کیا کریں گے جاکے چمن میں خزاں کے بیچ

صیاد نے قفس میں کیا بند اُن کو آج — کل بلبلیں جو باغ میں تھیں آشیاں کے بیچ

تارے نہ جانیو کہ مرے تیر آہ سے — سوراخ ہوگئے ہیں یہ سب آسماں کے بیچ

ہنستا ہے گل چمن میں تو نالاں ہے عندلیب — وو دل خوشی نہ دیکھے کبھی اس جہاں[3] کے بیچ

تاباں مرے صنم کو خدا کا بھی ڈر نہیں
بے رحم و سنگ دل ہے وہ کافر بتاں کے بیچ

66

یہ جو ہیں اہل ریا آج فقیروں کے بیچ — کل گنیں گے مُحقا ان ہی کے پیروں کے بیچ

1۔ ن خ "ہیں" 2۔ ن خ "سر بجیب" 3۔ یہ مصرعہ غزل نمبر 64 میں بھی موجود ہے۔(مرتب)

میں بھی اس زلف کا قیدی ہوں خدا حافظ ہے　　کوئی جیتا نہ بچا جس کے اسیروں کے بیچ
ذکریا سے نہیں آپ کو گنتا کچھ کم　　ذکرِ ارّہ جسے آتا ہے فقیروں کے بیچ
شیخ دل میں کرے ہے نذر کے پیسوں کا حساب　　نام کو نقش یہ لکھتا ہے لکیروں کے بیچ
اشک میرے نے ڈبایا ہے تمام عالم کو　　رہ گئے ہیں گے کچھ اک لوگ جزیروں کے بیچ
دیکھ کر اُن کے تئیں شاہ بھی مردی پکڑے　　ہو شجاعت کا اگر جزو امیروں کے بیچ
اس کی مژگاں کے مقابل تو نہ ہونا تاباں
دل ترا مفت میں چھن جائے گا تیروں کے بیچ

ردیف ح

67

دیکھ اس کو خواب میں جب آنکھ کھل جاتی ہے صبح　　کیا کہوں میں کیا قیامت مجھ پہ تب لاتی ہے صبح
شمع جب مجلس سے مرے روبرو کی لیتی ہے اُٹھائے　　کیا کہوں کیا کیا سمیں اس وقت دکھلاتی ہے صبح
جس کا[1] گورا رنگ ہو وہ رات کو کھلتا ہے خوب　　روشنائی شمع کی پھیکی نظر آتی ہے صبح
پاس تو سوتا ہے چنچل پر گلے لگتا نہیں　　منتیں کرتے ہی ساری رات ہو جاتی ہے صبح
نیند سے اُٹھتا ہے تاباں جب مرا خورشید رُو
دیکھ اس کے منہ کے تئیں شرما کے چھپ جاتی ہے صبح

1۔ ن خ ''جن کا''

68

نمکیں حرف ہے مرا یہ فصیح　　کل شیء من الملیح ملیح
وقنا ربنا عذاب النار　　شمع کی ہے ہمیشہ یہ تسبیح
لمن الماء کل شیء حیّ　　شرب مے سے ہوا ہے مجکو صبیح
مثلہ لیس وَاحِدٌ غرا　　ماہ کنعاں بھی تھا اگرچہ فصیح
جی میں آوے سو کہہ تو تاباں کو
لیس من فیك شئتنا بقبیح

69

ابرو ترے نے مجھ پہ کیا وار بے طرح　　دل میں مرے لگی ہے یہ تروار بے طرح
ڈرتا ہوں جوں چنار مبادا میں جل اُٹھوں　　نکلے ہے دل سے آہ شرر بار بے طرح
ممکن نہیں کہ عشق کے ہاتھوں سے جی بچے　　پیدا ہوا ہے مجکو یہ آزار بے طرح
عالم تمھارے بیچ میں آوے گا آج جان　　تم نے سجا ہے ملیدۂ بلدار بے طرح
پگڑی کو بیچ اس کی پیئے گا شراب آج　　زاہد کی فکر میں ہے وہ میخوار بے طرح
کیا جانیے کہ آج کس عاشق کی ہے اجل　　کیفی ہوا ہے آج مرا یار بے طرح
ممکن نہیں قفس سے خزاں تک بھی یہ چھٹے　　بلبل ہوئی ہے اب کے گرفتار بے طرح[1]
غارت گری کو[2] ہائے ترے ملکِ حسن کی[3]　　ہے فوج خط کی گرد نمودار بے طرح

1۔ ن خ ''ممکن نہیں قفس سے کہ گل تک پہنچ سکیں　　بلبل ہوئی ہیں ان کی گرفتار بے طرح
2۔ ن خ ''کی'' 3۔ ن خ ''کو''

تاباں بتا کہ یار کو کیوں کر منائیے
اب کے ہوا ہے مجھ سے وہ بیزار بے طرح

70

پھر بہار آتی ہے جی ڈرتا ہے میرا بے طرح ہر طرف شورِ جنوں ہووے گا برپا بے طرح
فصلِ گل آنے تئیں معلوم نہیں ہوتا ہے کیا ہے مجھے یارو ابھی سے جوشِ سودا بے طرح
دیکھیے طوفان کیا ہو اس تنورِ چشم سے آج میرے اشک کا اُمڈا ہے دریا بے طرح
عاشقاں کی صف میں اب کوئی دم کو ہوے ہے قتلِ عام تیغ ابرو سے تو کرتا ہے اشارا بے طرح
سن یقیں [1] کے مصرعۂ رنگیں کو تاباں جی اٹھا
"پھر مروج ہو چلا دستِ مسیحا بے طرح"

71

یار روٹھا ہے مرا اس کو مناؤں کس طرح منتیں کر، پاؤں پڑ اس کے لے آؤں کس طرح
جب تلک تم کو نہ دیکھوں تب تلک بے چین ہوں میں تمھارے پاس ہر ساعت نہ آؤں کس طرح
دل دھڑکتا ہے مبادا اُٹھ کے دیوے گالیاں یار سوتا ہے مرا اس کو جگاؤں کس طرح
بلبلوں کے حال پر آتا ہے مجکو رحم آج دام سے صیاد کے ان کو چھڑاؤں کس طرح
یار بانکا ہے مرا چھٹ تیغ نہیں کرتا ہے بات
اس سے اے تاباں میں اپنا جی بچاؤں کس طرح

1۔ انعام اللہ خاں یقیں

72

کس سے پوچھوں ہائے میں اس دل کے سمجھانے کی طرح　　ساتھ طفلاں کے لگا پھرتا ہے دیوانے کی طرح
یار کے پاؤں پہ سر رکھ جی کو اپنے دیجیے　　اِس سے بہتر اور نہیں ہوتی ہے مرجانے کی طرح
کب پلا دے گا تو اے ساقی مجھے جامِ شراب　　جاں بلب ہوں آرزو میں مے کی پیمانے کی طرح
مست آتا ہے پیئے سے آج وہ قاتل مرا　　کچھ نظر آتی ہے مجھ کو اپنے جی جانے کی طرح
شمع رو کے گرد پھرتی ہیں سدا قربان ہو　　چشم میری پر لگا مژگاں کے پروانے کی طرح
باغ میں گل نے کیا اپنے تئیں لوہو لہان　　دیکھ اس غنچہ دہن[1] کے پان کے کھانے کی طرح

فصلِ گل آئی ہے تاباں گھر میں کیا بیٹھا ہے یوں
کر گریباں چاک جا صحرا میں دیوانے کی طرح

73

دیکھ بر میں گل بدن کے جامۂ رنگیں کی طرح　　اس کے دامن سے لگا پھرتا ہوں میں گلچیں کی طرح
میں خطا کی جو کہا سنبل کو یہ مشکِ ختن　　دیکھ کر اے مہرن اس طرۂ مشکیں کی طرح
کیونکہ چھوڑوں غم سے اس کے سر طرح فرہاد کی　　یار میرا اور کا ہو جائے گا شیریں کی طرح
باز نہیں آتا تھا یہ اب تو دبوچا شوخ نے　　پنجۂ مژگاں سے میرے دل کے تئیں شاہیں کی طرح
مل بُتاں سے کھو کے ایماں دل سے بھولا ہوں خدا　　کوئی کافر بھی نہ ہوگا مجھ سے بد آئیں کی طرح
تک رہا ہے یہ کوئی سونے کی چڑیا آ پھنسے　　دام سبحہ لے کے زاہد گربۂ مسکیں کی طرح

ہاتھ سے تاباں یکایک دل مرا جاتا رہا
دیکھ کر اس سیم تن کی ساعدِ سیمیں کی طرح

1۔ ن خ ''آج پان''

74

میرا سینہ ہے ترے ہجر میں مجمر کی طرح　　تس میں رکھتا ہوں دلِ خستہ[1] میں اخگر کی طرح
روشنی صبح بنا گوش کی ہے منھ سے زیاد　　دُر کا موتی ہے ترے کان میں اختر کی طرح
روز آ سر کو مرے پانو سے ٹھکراتا تھا　　بھولتی نہیں ہے مرے دل سے ستم گر کی طرح
مرد کہتے ہیں اُسی مرد کو سب[2] اہلِ تمیز　　جو کرے زیست کو دنیا میں قلندر کی طرح
یار گر میری طرف پانو رکھے[3] اے تاباں
کفش کو اس کے رکھوں سر پہ میں افسر کی طرح

75

کیا کہوں غم میں ترے دن کے گزرنے کی طرح　　اور ہر رات تری یاد میں مرنے کی طرح
جو کہ عاشق ہو میں کہتا ہوں اُسے لیوے سیکھ　　شمع سے جلنے کی پروانے سے مرنے کی طرح
جان جاتی ہے مری، جاں کو کوئی لے آوے　　اس سوا اور نہیں جیو کے بچنے کی طرح
قطب میں سیر ترے ساتھ جو کی تھی کر یاد　　اشک جاری ہیں مرے چشم سے جھرنے کی طرح
اب تلک دل سے نہیں بھولتی ہے اے تاباں
ساتھ سوتے مرے اس شوخ کے ڈرنے کی طرح

76

جاں بلب ہیں غم میں تیرے ساغرِ صہبا کی طرح　　اشک جاری ہیں ہماری چشم سے مینا کی طرح
غیر غم ہم نے کبھو راحت نہ دیکھی دہر میں　　نام ہی سنتے رہے ہیں عیش کا عنقا کی طرح

1۔ ن خ ''سوختہ'' 2۔ ن خ ''اے'' 3۔ ن خ ''کو رکھے''

باد سے جنبش نہیں ہے، سرو کو ہے کانپنا   دیکھ کر اے شوخ تیرے قامتِ رعنا کی طرح
رشک سے گُل نے کیا ہے چاک اپنا پیرہن   دیکھ میرے گلبدن کے جامۂ زیبا کی طرح

آبرو، یکرنگ، ناجی، احسن اللہ اور ولی
ریختہ کہتے نہ تھے تاباں مرے سودا کی طرح

77

چشم ہیں اُس گلبدن کی نرگستاں کی طرح   گُل سے گالوں پر ہیں زلفیں سنبلستاں کی طرح
سب مرا دیوان ہے ان گُل رُخا کے وصف میں   چاہیے مشہور ہو یہ بھی گلستاں کی طرح
جھوٹ کہتا ہے یہ واعظ کب ہے جنت میں بہار   ایک گُل بھی واں نہیں یاں کے گلستاں کی طرح
ہائے کیا کیا خوبرو آگے تھے میرے ہم سبق   یاد آتی ہے مجھے اپنی، دبستاں کی طرح

میں تو اُس کے دیکھتے ہی دل سے پروانہ ہوا
یار ہے تاباں مرا شمعِ شبستاں کی طرح

78

بلبل کی آہ گرم کے دیکھو اثر کی طرح   نکلے ہے شاخِ گُل سے ہر اک گُل شرر کی طرح
گر وا کرے تو بندِ قبا شب کو غیر پاس   ہو چاک غم سے سینۂ عاشق سحر کی طرح[1]
تیرے دہن کی فکر میں از بس ہوا تھا غرق   معدوم ہو گیا ہوں میں تیری کمر کی طرح
دہشت سے ہونٹ سوکھ گئے ہیں محیط کے   دیکھی ہے جب سے اُن نے مرے چشمِ تر کی طرح

1۔ تنہا ترے ماتم میں نہیں شام سیہ پوش   رہتا ہے سدا چاک گریبانِ سحر بھی   سودا

ہو گئے خراب گھر سے نکل طفلِ اشک ہائے [1]
رکھتے تھے ورنہ آب یہ تاباں گہر کی طرح [2]

79

چاک کرتا ہوں گریباں اپنا میں گُل کی طرح — یاد جب آتی ہے مجکو تنگ پوشاں کی طرح
کوئی سجیلا اب تلک بھی ساجتا دیکھا نہیں — تنگ پوشی میں بھی سارے خوبرویاں کی طرح
زیب اور پوشاک بن کہتے ہیں جس کے دل میں چھب — سب پری رویاں میں ہے ایسی سلیماں کی طرح

ابر میں چھپ جائے جھمکے دیکھتے ہی آفتاب
دیکھی ہے تاباں کبھی ان ماہ رُویاں کی طرح

ردیف خ

80

کیا قتل اُن نے کر کے [3] پیرہن سرخ — ہمارا کیجیو یارو کفن سرخ
زباں ہوتی ہے اُس کے وصف میں لال — کہ جس کا رنگِ پاں سے ہے دہن سرخ
بہا انکھیوں سے یاں تک خونِ دل ہائے — کہ میرا ہو گیا ہے پیرہن سرخ
نظر آتی نہیں یہ گُل ہوا ہے — ہمارے اشکِ خونیں سے چمن سرخ

1۔ ن خ "آہ" 2۔ آنکھ سے نکلے پہ آنسو کا خدا حافظ یقیں — گھر سے جو باہر گیا لڑکا سو ابتر ہو گیا یقیں
ابتر ہوا ہے صحبت مردم میں طفل اشک — جاتا رہے نہ گھر سے یہ لڑکا شریر ہے فغاں

3۔ ن خ "کرتے"

اُگائیں باغ میں لالہ زمیں سے ہوا خونِ شہیداں سے چمن سرخ

بہار آئی ہے تاباں دیکھ چل کر

ہوا ہے ہر طرف ٹیسو سے بَن سرخ

81

تجکوں[1] غرض نہیں ہے کسو[2] آشنا سے شوخ کوئی مرو یا کوئی جیو تجھ بلا سے شوخ

معلوم اب[3] ہو تجھ کو مرے دل کا حال سب تیرا بھی دل لگے جو کسی بے وفا سے شوخ

آتا ہے جی میں میں کہ کروں اب وفا کو ترک یاں تک خفا ہوا ہوں میں تیری جفا سے شوخ

کرتا ہے تو جو قتل ہر عاشق کو بے گنہ ڈرتا ہے کچھ بھی دل میں تو اپنے خدا سے شوخ

مجھ پر بھی تیغ کھینچ اُسی طرح سے تو آ[4]

تاباں کو تو نے قتل کیا جس ادا سے شوخ

ردیف د

82

نہ کر ان عندلیبوں پر تو بیداد خدا سے ڈر ارے بے رحم صیاد

نہ ہوں گے ہم سے دیوانے وہ ہرگز یہ باتیں ہیں کہ تھے مجنوں و فرہاد

ملو ہوں خاک جوں آئینہ منھ پر تری صورت مجھے آتی ہے جب یاد

1۔ ن خ "تجھ کو" 2۔ ن خ "کسی" 3۔ ن خ "تب"

4۔ ن خ "مجھ پر بھی تیغ کھینچ تو اوسی طرح سے آ"

پری رُویاں کے دامن تک نہ پہنچی　گئی آخر یہ مشتِ خاک برباد
ہوا شاگرد تب حشمت کا تاباں
نہ پایا اُس سا کوئی جب اور استاد

83

بُتاں کے عشق سے میں کیوں نہ ہوں شاد　کہ اُن کو دیکھ آتا ہے خدا یاد
پڑا ہے ہائے بن مجنوں کے ویراں　کرے اب کون اس صحرا کو آباد
ملا ہوں جب سے میں اُس سروقد سے　ہوا ہوں دین اور دُنیا سے آزاد
مرا جو دیکھتا ہے عشق میں حال　کوئی کہتا ہے مجنوں کوئی فرہاد
نہیں دیتا وہ ظالم داد تاباں
کروں میں ہائے کب تک شور و فریاد

84

تو دے ان بلبلوں کی داد صیاد　قفس سے کر انھیں آزاد صیاد
ہمارا آشیاں مدت سے ہے یاں　نہ دے اس کے تئیں برباد صیاد
بہار آئی ہمیں تو بھی نہ چھوڑا　کریں گے کیا تجھے ہم یاد صیاد
کیا ویراں ہمارے آشیاں کو　قفس اپنا کیا آباد صیاد
بڑا احسان ہوتا اس کا تاباں
جو دیتا بلبلوں کی داد صیاد

ردیف ڈ

85

آگے جو اپنے حُسن کا حد تجکو تھا گھمنڈ نکلے سے خط کے اب وہ ترا کیا ہوا گھمنڈ
پیدا نہیں ہوا ہے کوئی تجھ سا اب تلک صورت پہ اپنی تیرے تیئں ہے بجا گھمنڈ
پڑھتا ہے دیکھ آیت فأتو بسورة ....
آگے تو اپنے حُسن پہ مغرور تھا ہی تو اب چاہنے سے میرے ہے دونا ترا گھمنڈ
تاباں جہاں کسی نے کہا ایک شعر بھی
ہوتا ہے اپنے دل میں اس احمق کو کیا گھمنڈ

ردیف ذ

86

لکھوں اس گلبدن کو کیونکہ اپنی جان کا کاغذ دماغ اس کو کہاں ہے جو پڑھے گا وہ مرا کاغذ
تجھے پُرزے پہ دل کے حال لکھ دیتا ہوں اے قاصد وہ پوچھے کیوں لکھا اس پر تو تُو کہیو نہ تھا کاغذ
خطِ سادہ رُدیاں بیچ آ سرسبز ہو کیوں کر[1] کہ ہو جاتا ہے آخر کے تیئں ردی لکھا کاغذ
لکھوں گا وصف اے گُل رُو تری مخمور آنکھوں کا قلم نرگس کی ڈنڈی کر اور اس کے برگ کا کاغذ
حقیقت اپنی لکھتا تھا میں اس بے رحم کو تاباں
کہ میرے اشک کے پانی سے سارا تر ہوا کاغذ

1۔ میں نے نسخۂ خدا بخش سے اضافہ کیا ہے۔ (مرتب)

ردیف ر

87

ہجر میں ساقی کے یارو جب کبھی آتا ہے ابر　　تب ہمارے سر پہ کیا روزِ سیہ لاتا ہے ابر
رات دن آنسو مرے جاری ہیں تک تھمتے نہیں　　دیکھ میرے اشک کے باراں کو شرماتا ہے ابر
ہم نے رو رو بحر و بر یکساں کیا اس شوخ بن　　اس ہماری شدتِ باراں کو کب پاتا ہے ابر
جی ترستا ہے مجھے ساقی نہیں دیتا شراب　　ہائے میرا بس نہیں کیا مفت میں جاتا ہے ابر
اشک کو میرے پہنچ سکتا نہیں طوفانِ نوح[1]　　تو عبث اپنا برسنا ہم کو دکھلاتا ہے ابر
بال اپنے کھولتا ہے جب تو اے خورشید رُو　　چاند سے رُخ پر ترے اس وقت آجاتا ہے ابر
ماہ رُو آتا نہیں میرا، نہ ہیں اسبابِ عیش[2]
موسمِ باراں میں تاباں کب مجھے بھاتا ہے ابر

88

اب جو تم آتے ہو دل اوروں سے جوڑا ہے مگر　　رشتۂ الفت کو تم نے ہم سے توڑا ہے مگر
بے سبب نمکیں تندیِ بوگل میں، اکثر باغ[3] میں　　میرے گُل رونے عرق مُنھ سے نچوڑا ہے مگر
تم جو ملتے ہو جلانے کو مرے غیروں سے جا　　غم جدائی کا تمھاری مجھکو تھوڑا ہے مگر
منتشر ہیں ریزۂ مینا ترے کوچہ میں آج　　شیشۂ دل کو کسی کے تو نے توڑا ہے مگر
ہے جو مانندِ زرہ بکتر مشبک آسماں　　اس کو میری آہ کے تیروں نے توڑا ہے مگر
کھینچتا ہے کیوں تو ایذا، میرے مرنے کے لیے　　مجھ میں کچھ باقی جفا تیری نے چھوڑا ہے مگر

1۔ ن خ ''فوج'' 2۔ ن خ ''ماہ رُو آتا نہیں تاباں کہ ہیں اسبابِ عیش'' 3۔ ن خ ''کو پایا''

اس قدر بے نور کیوں ہے مُنہ ترا اے ماہ رُو
اِن دنوں تاباں سے تو نے ربط چھوڑا ہے مگر

89

گھٹا اُمڈی ہے اے ساقی کرم کر　　پلا اس وقت مجکو آ کے ساغر
میں اپنے قتل کو راضی ہوں ظالم　　جو ہے اس میں رضا تیری تو بہتر
سر اپنا ان نے چیرا عاشقی میں　　کوئی فرہاد سے ہو کیونکہ سر بر
مجھے ملتے ہی ظالم نے کیا ذبح　　عجب جلدی (کری)[1] اللہ اکبر
سب اس کے ہاتھ سے نالاں ہے تاباں
مرا ظالم قیامت ہے ستم گر

90

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیوں کر　　بیمار، عیادت کرے بیمار کی کیوں کر
خورشید بھی کانپے ہے تجھے دیکھ کے تھر تھر　　ہو تاب کسی کو ترے دیدار[2] کی کیوں کر
منصور کو ہوتی نہ اگر دار سی[3] سیڑھی　　تو راہ وہ پاتا ترے دیدار کی کیوں کر
ناصح مرے قاتل کو بلاتا ہی نہیں تو　　یوں تجھ سے ہو مرہم دلِ افگار کی کیوں کر
دن تو تجھے جاتا ہے تڑپتے مرے تاباں
سچ کہہ کہ حقیقت ہے شبِ تار کی کیوں کر

1۔ ن خ "عجب بے رحم تھا"　2۔ ن خ "رخسار"　3۔ ن خ "کی"

91

عزیزاں ستم گر نہ آیا مرے گھر[1]   نہ آیا مرے گھر عزیزاں ستم گر
محبت تو مت کر دل اس بے وفا سے   دل اس بے وفا سے محبت تو مت کر
لگا دل میں خنجر تمھاری نگہ کا   تمھاری نگہ کا لگا دل میں خنجر
ہوا کیوں مکدر تو اے آئینہ رو   تو اے آئینہ رو ہوا کیوں مکدر
وہ ایذا مقرر تجھے دے گا تاباں
تجھے دے گا تاباں وہ ایذا مقرر

92

کہاں تک کروں ہجر میں اس کے صبر   مجھے زندگی یار بن ہو ہے[2] جبر
اگر ٹک میں روؤں تو دریا بہیں   کہ رک رہی ہے چھاتی مری مثلِ ابر
جو عاشق مرے عشق کی راہ میں   کرو کوچۂ یار میں اس کی قبر
یہ صیاد کب چھوڑتا ہے تمھیں   کرو بلبلو جان کو اس کی صبر[3]
بُتاں کی پرستش کو تاباں نہ چھوڑ
کوئی تجکو ترسا کہو[4] کوئی گبر

93

اگر مر جائیں گے اس شعلہ رُو کے غم میں ہم جل کر   بہت پچھتائے گا تب حیف کھا کھا ہاتھ مل مل کر
نہ ہوں میں کس طرح سے ہوش اپنا کھو کے دیوانا   کہ آتے ہی نظر دل کو پری رُو لے گیا[5] چھل کر

1۔ ن خ "مرے گھر نہ آیا" 2۔ ن خ "ہوئی ہے" 3۔ ن خ "نذر" 4۔ ن خ "کہے"
5۔ ن خ "لے لیا"

ہوا ہے ان دنوں جو شہرۂ آفاق دُنیا[1] میں　　ہمارے جی میں ہے دیکھیں کبھی اس شوخ کو چل کر
یہ کیا بیداد اس ظالم نے کی ہیہات اے ظالم　　ملایا خاک میں دل کو مرے پاؤں تلے مل کر
جھمک[2] خورشید رُو کے رنگ کی کب ہو سکے تاباں
مصور گر لکھے تصویر سونے کے تئیں حل کر

94

پھرتا ہوں دردِ عشق سے روتا میں در بدر　　عالم میں میرا حال ہے مشہور گھر بہ گھر
لے دین و دل مرا تو مکرتا ہے کیوں صنم　　اتنا بھی جھوٹ کن نے بدا ہے خدا سے ڈر
اب تک تو رحم دل میں نہیں سنگ دل کے ہائے　　کیا چاہیے کہ آہ مری کب کرے اثر
جو مئے پیے مدام اُسے ہو ہے کیف کم[3]　　ساقی مجھے شراب پلاتے نہ جی میں ڈر
عاشق ہوا جو تجھ پہ، لیا تو نے اس کا جی　　ظالم میں تیرے ظلم سے کرتا ہوں الحذر
آنکھوں میں آ رہا ہے مرا تن سے جی نکل　　اے جان آ کہ دیکھ لوں تجکو میں بھر نظر
عالم میں تیرے عشق سے تاباں ہوا خراب
کیا تجکو اس کے حال کی اب تک نہیں خبر

95

ہرگز نہ جا کے کریے کسی گلستاں کی سیر　　گر عقل ہو تو کیجیے اِن گُل رُخاں کی سیر
مت رکھ امید یہ کہ کروں گا جہاں کی سیر　　اے بے خبر سمجھ تو غنیمت جہاں کی سیر
یا رب قفس میں گُل کو ترستے ہیں ہم اسیر　　اور ہم صفیر کرتے ہیں اب گلستاں کی سیر

1۔ ن خ ''خوباں'' 2۔ ن خ ''چمک'' 3۔ ن خ ''ہووے ہے کیف دکم اسے جو مئے پیے مدام''۔

دستِ عدم میں پارۂ دیوانگی ہے[1] ہائے   تجھ بن مجھے بتا کہ کروں میں کہاں کی سیر
رونے سے[2] آج تک مجھے فرصت نہیں ہوئی   کل عندلیب کی تھی مرے آشیاں کی سیر
پہنچوں میں اصلِ کہنہ کے تئیں اس کے روز ہی   کرنے دے مجھ کو چرخ کہ اس خاکداں کی سیر[3]

گر شاعر آسماں ہیں زمینِ غزل کے سب
تاباں کو فکرِ شعر میں ہے آسماں کی سیر

ردیف ڑ

96

رویا نہ ہو[4] جہاں میں گریباں کو اپنے پھاڑ   ایسا نہ کوئی دشت ہے ظالم نہ کوئی اُجاڑ
آتا ہے محتسب پئے تعزیر اے کشو[5]   پگڑی کو اس کی پھینک دو ڈاڑھی کو لو اُکھاڑ
ثابت تھا جب تلک یہ گریباں خفا تھا میں   کرتے ہی چاک کھل گئے چھاتی کے سب کواڑ
میرے غبار نے تو ترے دل میں کی ہے جا   گو میری مشتِ خاک سے دامن کے تئیں تو جھاڑ

تاباں زبس ہوائے جنوں سر میں ہے مرے
اب میں ہوں اور دشت ہے یہ سر ہے اور پہاڑ

1۔ ن خ "میں" 2۔ ن خ "سوں" 3۔ نسخۂ خدابخش سے میں نے اضافہ کیا ہے۔(مرتب)
4۔ ن خ "روتا ہوں میں" 5۔ ن خ "مے کشاں"

ردیف ز

97

کسی گل میں نہیں پانے کی تو بوے وفا ہرگز　　عبث اپنا دل اے بلبل چمن میں مت لگا ہرگز

طبیبوں سے علاجِ عشق ہوتا ہے نپٹ مشکل　　ہمارے درد کی اُن سے نہ ہونے کی[1] دوا ہرگز

تجا گھر ایک اور سارے بیاباں کا ہوا وارث　　کوئی عیار مجنوں سا نہ ہوگا دوسرا ہرگز

بہار آئی ہے کیوں کر عندلیبیں باغ میں جاویں　　قفس کے در کے تئیں کرتا نہیں صیاد وا ہرگز

نہ تھے عاشق کسی بیداد پر ہم جب تلک تاباں
ہمارے دل کے تئیں کچھ درد و غم تب تک نہ تھا ہرگز

98

صرف ہے چاک کلالاں[2] میں مری خاک ہنوز　　ہے نصیبوں میں مرے گردشِ افلاک ہنوز

گل زمیں سے جو نکلتے ہیں برنگِ شعلہ　　کون دل سوختہ جلتا ہے تہِ خاک ہنوز

کیوں مری خاک پہ آ پھر مجھے بے چین کیا　　میں تو رکھتا تھا گریباں کفنِ چاک ہنوز

خاک زیریں قدم[3] ان کی سے بنایا تھا مجھے　　تب تو پامال بتاں ہے گی مری خاک ہنوز

دیکھ قاصد کو مرے یار نے پوچھا تاباں
کیا مرے ہجر میں جیتا ہے وہ غمناک ہنوز

99

مرگ کے سے تو نہیں میرے کچھ آثار ہنوز　　رحم کر رحم کہ جیتا ہے یہ بیمار ہنوز

1۔ ن خ ”نہ ہوے گی“ 2۔ ن خ ”کلالوں“ 3۔ ”زیرِ قدم“

کوئی پیدا نہ ہوا قاتلِ کفار ہنوز　　ہر سرو ہی میں مالا سی ہے زنار ہنوز

فصلِ گل آن کے جاتی بھی رہی گلشن سے　　ہم رہے دام میں ظالم کے گرفتار ہنوز

مر گئے سے بھی میسر نہ ہوئی صبحِ وصال　　گور میں بھی تھی وہی میری شبِ تار ہنوز

ایک دن سچ کہیں دیکھی تھی ترے جامے کی　　چاک کرتا ہوں گریباں کو میں ہر بار ہنوز

بعد مرنے کے بھی عاشق کی کھلی ہیں آنکھیں　　رہ گئی آہ اسے حسرتِ دیدار ہنوز

سوجھتے ہیں مجھے دن اپنی سیہ بختی کے　　گرد خط گو کہ نہیں تیرے نمودار ہنوز

گھر کے گھر خاک میں مل گئے ہیں فلک کے ہاتھوں　　پر نہیں اس کی خرابی کے کچھ آثار ہنوز

کوئی دیں دار ہوا کوئی مسلماں تاباں
ایک میں ہوں کہ رہا بت کا پرستار ہنوز

ردیف س

100

مر گیا جان ترے ہجر میں ہوکر مایوس　　رہ گئی دل میں مرے وصل کی حسرت افسوس

کر کے لوگوں سے حیا پردۂ فانوس میں شمع　　اس طرح جلتی ہے جس طرح سے[1] گھونگھٹ میں عروس

کیوں نہ اس غم سے مرے جل کے کہو پروانہ　　شمع کے حسن کا سر پوش ہے یارو فانوس

دل مرا بسکہ ہے لبیک حرم سے بیزار[2]　　جا کے بت خانہ میں سنتا ہے[3] صدائے ناقوس

صحبتِ شیخ میں تو رات کو جایا مت کر　　وہ سکھا دے گا تجھے جان نمازِ معکوس

1۔ ن خ "کہ"　2۔ ن خ "آزاد"　3۔ ن خ "ہوں"

داغ ہے ہاتھ سے نادر کے مرا دل تاباں
نہیں مقدور کہ[1] جا چھین لوں تختِ طاؤس

101

یاں تلک کی ہے ترے ہجر میں فریاد کہ بس — نہ ہوا تو بھی کبھی ہائے یہ ارشاد کہ بس
ایک بلبل بھی چمن میں نہ رہی اب کی فصل[2] — ظلم ایسا ہی کیا تو نے اے صیاد کہ بس
بے ستوں کھود کے، سر پھوڑ، دیا جی اپنا[3] — کام ایسا ہی ہوا تجھ سے اے فرہاد کہ بس
دل کی حسرت نہ رہی دل میں مرے کچھ باقی — ایک ہی تیغ لگا ایسی اے جلاد کہ بس[4]

عشق میں اس کے بگولے کی طرح اے تاباں
خاک اپنی کو دیا یاں تئیں برباد کہ بس

102

کھوتا ہی نہیں ہے ہوسِ مَطعَم و مَلبَس — یہ نفسِ ہوسناک و بدآموز و مہوّس
بے شبہ تری ذات خداوند خلائق — اعلیٰ ہے، تعالیٰ ہے، معلّی ہے، مقدّس
وہ کام تو کر جس سے تری گور ہو گلزار — کیا خانۂ دیوار کو کرتا ہے مُقرنَس
مدفن کے تئیں، آگے ہی، منعم نہ بنا رکھ — کیا جانیے واں دفن ہو یا کھائے گا کرگس
ہے وصل ترا جنت و دوزخ ہی جدا ہے — جانے ہے کب اس باب کے تئیں ہر کس و ناکس
تصویر ترے پنجۂ سیمیں کی طلا سے — دیوان میں ہے میرے لکھی جائے مُخمّس

1۔ ن خ "میں" 2۔ ن خ "سال" 3۔ ن خ "لیا ہے ایسا"
4۔ ن خ "ایک تر دار لگا ایسا ہی جلاد کہ بس"

کہنے کو مرے دل کے، سن اے گلشنِ خوبی　　گر ہے تو ترے کو ہے یہ فردوس یہ مردس
سن سن کے ترا شور وہ بیزار ہوا اور　　نالے کا اثر تیرے دلا دیکھ لیا بس
اس جبہ و عمامہ سے رندوں میں نہ آؤ　　رُسوا نہ کرو شیخ جی یہ شکل مقدس
مانندِ کماں خم نہ کروں قد کو طمع سے　　گردش میں رکھے گو مجھے یہ چرخ مُنحوس
ہر رات ہے عاشق کو ترے روزِ قیامت　　ہر روز جدائی میں اُسے ہو ہے حندس

تاباں یہ غزل اہلِ شعوروں کے لیے ہے
احمق نہ کوئی سمجھے تو جانے مرا ڈھنڈس

ردیف ش

103

تو مل اُس سے ہو جس سے دل ترا خوش　　بلا سے تیری میں ناخوش ہوں یا خوش
خوشی تیری جسے ہردم ہو درکار　　کوئی اُس سے نہیں ہوتا ہے ناخوش
کوئی اب کے زمانہ میں نہ[1] ہوگا　　الٰہی آشنا سے آشنا خوش
فلک کے ہاتھ سے اے خالقِ خلق　　کوئی نہیں آکے دُنیا میں رہا خوش
ترا سایہ ہو جس پر اُس کو ہرگز　　نہ آوے سایۂ بالِ ہُما خوش
قفس میں آہ حد[2] ایذا ہے ہم کو　　نہ آتی کاش گلشن کی ہوا خوش

1۔ ن خ ''بھی'' 2۔ ن خ ''یہ''

اگر لاوے تو بو اُس گلبدن کی | تو ہوں تجھ سے نہایت اے صبا خوش
کیا قتل اُن نے مجکو غیر سے مل | ہوا دشمن جدا، خوش وہ جدا خوش
نصیحت کی تھی اُن نے میکشوں کو | بہت مستوں نے زاہد کو کیا خوش
مرے آتش میں جل پروانہ وہ شمع | محبت سے میں اُن کی حد ہوا خوش
کیا چاک اے جنوں تیرا بھلا ہو | کبھو میں اس گریباں سے نہ تھا خوش
گیا تھا سیر کو لے ساقی و مے | نہ آئی باغ کی آب و ہوا خوش
کہا قاتل نے بسمل کو مرے دیکھ | مجھے لگتا ہے اُس کا لوٹنا خوش
سنے کیوں کر وہ لبیک حرم کو | جسے ناقوس کی آئے صدا خوش
ستانا بے دلوں کے دل کو ہر دم | تمھیں اے دلبرو آتا ہے کیا خوش
سمور و قاقم و سنجاب ہے پشم | مجھے آتا ہے ٹوٹا بوریا خوش
صنم کے پاس سے قاصد پھرا ہے | خدا جانے کہ میں ناخوش ہوں یا خوش
کوئی خوش ہوئے خوباں کی وفا سے | مجھے تو ان کی آتی ہے جفا خوش

نہ چھوڑوں گا کبھی میں بُت پرستی
نہ ہو گو مجھ سے اے تاباں خدا خوش

104

لگی ہے عشق کی یوں میرے تن کے تئیں آتش | کہ جیسے گرمی میں لگتی ہے بن کے تئیں آتش
مرے گا عشق میں جو جل کے شعلہ رویوں[1] کے | لگے گی قبر میں اُس کے کفن کے تئیں آتش

1۔ ن:رخ "خوباں"

گیا جو غیر کی محفل میں یار سن کے لگی　　مثالِ شمع مری جان و تن کے تئیں آتش
ہوا ہے ایسا گلوں کا وفور اب کے سال　　کہ لگ رہی ہے یہ گویا چمن کے تئیں آتش

سنا ہے جب سے مرے سوزِ دل کو اے تاباں
لگی ہے شمع کے تب سے بدن کے تئیں آتش

105

تیری مخمور چشم اے مے نوش　　جن نے دیکھی سو ہو گیا خاموش[1]
کئی فاقوں میں عید آئی ہے　　آج تو ہو تو جان ہم آغوش
اپنے تئیں سر پہ ہاتھ جو نہ رکھے　　اُس کے سر پر نہ مارئے پا پوش
عشق میں تیرے میں ہوا مجنوں　　کس کو ہے عقل اور کہاں ہے ہوش

پالکی بھی مجھے خدا نے دی
تو بھی تاباں رہا میں خانہ بدوش

106

عشق میں دل سے جو اُٹھتے ہیں شرارِ آتش　　عاشقوں پاس ہے گلزار بہارِ آتش
کوہکن تھا اثرِ آہ قیامت تیرا　　دلِ ہر سنگ میں اب تک ہے شرارِ آتش
حلقۂ زلف میں رخسار کو دیکھو اُس کے　　رات کو زور ہی ہوتی ہے بہارِ آتش
آدمی عشق میں کس طرح نہ ہو جائے گداز[2]　　جز جلانے کے ہے کچھ اور بھی کارِ آتش

سخت دل میں بھی اثر عشق کا دیکھا تاباں
دیکھ آہن سے نکلتے ہیں شرارِ آتش

1۔ ن خ "مدہوش"　2۔ ن خ "جاں گداز"

107

ہے شمع کہ یہ قد ہے ترا شعلۂ آتش　　رُخ مہر دل افروز ہے یا شعلۂ آتش

بلبل تھی تری آہ ز بس گرمیِ تاثیر　　ہر گل کو گلستاں میں کیا شعلۂ آتش

میں سوختہ دل گرچہ کروں غم میں ترے آہ　　ہر موے بدن ہو ہے مرا شعلۂ آتش

از بسکہ ترے غم میں جلا ہوں عوضِ آہ　　اُٹھتا ہے مرے دل سے سدا شعلۂ آتش[1]

جب مہر لقا تجکو بنایا تھا خدا نے
تاباں کا بھی دل خلق کیا شعلۂ آتش

ردیف ص

108

کسی سے اس لیے کرتے نہیں ہیں ہم اخلاص　　کہ بے نفاق زمانہ میں اب ہے کم اخلاص

تو ہے گا دشمنِ ایماں کسی مسلماں کو　　خدا کرے کہ نہ ہو تجھ سے اے صنم اخلاص

جہاں ہو عاشق و معشوق مثل حُسن اور عشق　　زیادہ چاہیے باہم ہو دم بدم اخلاص

کسی کے تئیں نہیں ہوتا ہے خوب رُویاں سے　　بغیر محنت و غم درد اور الم اخلاص

سخن میں اُن کے محبت کی بو ہے اے تاباں
رکھیں ہیں تب تو کشن چند جی سے ہم اخلاص

1۔ ن خ ''اٹھتا ہے مری گور سے کیا شعلۂ آتش''

ردیف ض

109

جز جفا و جور نہیں کچھ اور خوباں کی غرض — اُن سے رکھتا ہے عبث کوئی لطف واحساں کی غرض

دل تو میرا لے چکے پھر بار بار آتے ہیں کیوں — جانتا نہیں کیا ہے اب ان دلربایاں کی غرض

خانماں میرا ڈبایا تو بھی ہیں جاری وہی[1] — دیکھیے اب کیا ہے میری چشمِ گریاں کی غرض

سنگِ طفلاں کا میں دیوانا ہوں اور گلیوں سے خوش[2] — مجکو مجنوں کی طرح کب ہے بیاباں کی غرض

جان بے وسواس سوؤ ساتھ اُس کے رات کو
مت ڈرو کچھ اور نہیں ہے تم سے تاباں کی غرض

110

ہوں باوفا سے باوفا اور بے وفا سے کیا غرض — ہوں آشنا کا آشنا نا آشنا سے کیا غرض

جو دلربا دل کے تئیں اور پھر نہ دلداری کرے — رہتا ہوں بے دل اس سے میں اس دلربا سے کیا غرض

جو کوئی کہ خونِ عاشقاں پامال کرتا ہو سدا — اس قاتلِ خوں خوار کو رنگِ حنا سے کیا غرض

جو غائبانہ اور ہو اور دوست ہووے روبرو — پھر دل میں شرمندہ نہ ہو اس بے حیا سے کیا غرض[3]

طوفانِ غم سے غم نہیں تاباں مرے دل کے تئیں
کشتی کا میری ہے خدا، اُس ناخدا سے کیا غرض

1۔ ن خ "جاری ہی رہی" 2۔ ن خ "کام"

3۔ ن خ "جو غائبانہ اور ہووے دوست ہووے روبرو — پھر دل سے شرمندہ نہیں اس بے حیا سے کیا غرض"

111

مرگ بہتر ہے الٰہی غمِ ہجراں کے عوض — اور آزار تو دے دوریِ یاراں کے عوض

اس زمانے میں تو اب زیست سے آیا ہوں بہ تنگ — تنگیِ گور بھلی وسعتِ دوراں کے عوض

تو جو اے شیخ ہے مردود بتاں دیر میں اب — بیدخواں کیوں نہ ہوا حافظِ قرآں کے عوض

ہم صفیروں کے تئیں سیرِ چمن کی سوجھی — ہم غریبوں کو قفس ہو ہے گلستاں کے عوض

چھوڑ کر تجکو کوئی مول نہ لیتا اُس کو — تو اگر مصر میں ہوتا مہِ کنعاں کے عوض

اب کے پھر فصلِ گل آئی ہے کروں کیا تدبیر — کر چکا چاک میں سینا بھی گریباں کے عوض

ان بتوں کو تو مرے ساتھ محبت ہوتی — کاش بنتا میں برہمن ہی مسلماں کے عوض

ساقیا سخت میں قلاش ہوں احساں ہے ترا — جرعۂ مے دے مجھے آج تو ایماں کے عوض

کچھ تو ہوتی اسے ان سنگدلاں سے نسبت
کاش پتھر ہی بناتے مرے تاباں کے عوض

ردیف ط

112

ہمارے دل کو[1] ہے اس طرح گل رُخاں سے ربط — ہے عندلیب کو جس طرح گلستاں سے ربط

مجال کیا ہے کہ صیاد باغ میں آوے — جو عندلیب کے تئیں ہووے باغباں سے ربط

سفید ریش کی زاہد خدا ہی شرم رکھے — ہوا ہے تجکو بڑھاپے میں نوجواں سے ربط

1۔ ن رخ ''کوں''

اُنھوں کے عشق میں ہوتا[1] ہے آدمی کافر　　خدا کرے کہ کسی کو نہ ہو بتاں سے ربط
نہ ہووے کیونکہ تری[2] طبع موزوں اے تاباں
کہ بیشتر ہے مرے دل کو خوش قداں سے ربط

113

بے طرح لیے فوج نمودار ہوا خط　　دیوے گا ترے حُسن کے کشور کو لٹا خط
وہ رنگ کہ تھا جس کی ملاحت کا نپٹ شور　　اُس رنگ پہ کس طرح سے یہ[3] سبز ہوا خط
ہر وقت چھپاتا ہے ڈوپٹے ستی کیوں منھ　　ایسا بھی تو لگتا نہیں اے جان بُرا خط
جیسا ہے ترے مصحفِ رُخ پر خطِ ریحاں　　یاقوت رقم نے کبھی ایسا نہ لکھا خط
عاشق کی طرف دیکھتے کس حُسن میں خوباں　　از بسکہ یہ مغرور ہیں، ہے اُن کی سزا خط
تو دیکھ کے آئینہ مری جان نہ کھا غم　　تھا روزِ ازل سے ترے طالع میں لکھا خط
تاباں تھا میاں تیغ نگہ سے تری گھائل
اب اُس کو ہوا مرہم زنگار ترا خط

ردیف ظ

114

عشق میں عاشق جو ہووے اس کو غم کھانے کا حظ　　کب ہے بلبل کو چمن میں آب اور دانے کا حظ
ایک تو گل خوں کا پیاسا تس پہ دشمن باغباں　　خاک ہے ان بلبلوں کے باغ میں جانے کا حظ

1- ن خ "مرتا"　2- ن خ "مری"　3- ن خ "سر"

ایک گردش دیکھ تیری چشم کی بے خوار سب[1]   کیا عجب ہے بھول جاویں دل سے پیمانے کا حظ
توڑ کر شیشہ صراحی پھوڑ کر خُم[2] اور سبو   آج زاہد لے گیا مستوں سے میخانے کا حظ

یار کے کوچے میں جا کر جو کوئی دیتا ہے جی
اُس کے تئیں ہوتا ہے تاباں خوب مر جانے کا حظ

ردیف ع

115

ہے کس کے رشکِ حسن سے یوں سوگوار شمع   کیوں اس طرح سے روتی ہے بے اختیار شمع[3]
پاتی نہیں ہے سوختہ دل کا ترے نشاں   پھرتی ہے ڈھونڈتی ہوئی سب کے مزار شمع
یہ اشک آتشیں نہیں خوباں کی بزم[4] میں   کرتی ہے پھول سونے کے تجھ پر نثار شمع
ٹکڑوں سے لختِ دل کے بھرا سب لگن کے تئیں   روئی ز بسکہ غم میں ترے زار زار شمع
نقصان و نفع لازم و ملزوم ہیں سدا   غیر از وبال سر نہ ہوئی تاجدار شمع
پانی ہو مارے شرم کے آخر کو بہ گئی   اے کاش شعلہ رُو سے نہ ہوتی دوچار شمع

ہرگز زباں پہ سوزِ جگر کا نہ لاوے نام
تاباں کا گر تو دیکھے دلِ داغ دار شمع

1۔ ن خ "مست"   2۔ ن خ "جام"   3۔ ن خ "جو اس طرح سے روتی ہے بے اختیار شمع"
4۔ ن خ "آنکھ"

116

بزم میں اُس شعلہ خو کو گرم جب پاتی ہے شمع
تب خجالت سے سراپا آب ہو جاتی ہے شمع

جلوہ گر ہوتا ہے جب مجلس میں وہ خورشید رُو
دیکھ اُس کے حسن کو تب تاب کب لاتی ہے شمع

گرچہ رکھتی ہے سراپا آب وہ سوز و گداز
پر مرے واسوخت کے تئیں سن کے جل جاتی ہے شمع

رات کو مرنے کا پروانے کے لیتی ہے وبال
صبح کے ہوتے تئیں اپنا کیا پاتی ہے شمع

دیکھ کر محفل میں تاباں اس مرے مہ رُو کے تئیں
پردۂ فانوس میں شرما کے چھپ جاتی ہے شمع

ردیف غ

117

شعلہ خو کے ہاتھ سے جل کر ہوا ہے بسکہ داغ
آہ یوں نکلے ہے میرے دل سے جوں دود چراغ

کوئی عاشق شاد نہیں دیکھا کسی معشوق سے
سرو سے ناخوش ہے قمری گل سے بلبل بے دماغ

خار و خس بھی جائے گل گویا نہ اُگتا تھا کبھی
ہو گیا ایسا خزاں سے یک بیک ویراں یہ باغ

ایک ہی ساغر سے مجکو کیف ہو گئی بزم میں
دیکھ کم ظرفی مری ہنسنے لگا مجھ پر ایاغ

رات کو آتا ہے تنہا جب مرے گھر ماہ رُو[1]
دل میں تب آتا ہے اے تاباں کہ گل کر دوں چراغ

1۔ ن غ ''گھر مرے جب''

ردیف ف

118

آئی خزاں چمن میں گئی اب بہار حیف　　بلبل قفس سے تو بھی نہ چھوٹی ہزار حیف
آتا ہے رحم حال پہ مجنوں کے میرے تئیں　　طفلاں کے ہاتھ سے یہ ہوا اشکبار حیف
جو غیر میری جان کے دشمن ہیں اُن کے تئیں　　وہ جانتا ہے اپنا نپٹ دوستدار حیف
بھاری تھا کوہکن کو پہاڑوں کا کھودنا　　بن جی لیے نہ سر کا ٹلا اس کے بھار حیف
تاباں لگی ہے آگ مرے تن کو عشق کی
ہو استخواں جلے ہے مرا شمع وار حیف

119

نہ سنتا ہے مرا شور و فغاں حیف　　نہ ہوتا ہے وہ ظالم مہرباں حیف
ارے کہتا کوئی اس بے وفا سے　　کہ تیرے ہجر میں جاتی ہے جاں حیف
لگا تیر نگہ کو دل میں میرے　　کہاں جاتا رہا ابرو کماں حیف
نہ بلبل چھوٹنے پائی قفس سے　　چمن میں آگئی جلدی خزاں حیف
بُتاں کی بندگی میں مفت تاباں
گئی سب عمر میری رائگاں حیف

120

جو کوئی دیکھے تری زلفِ پریشاں کی طرف　　سیر کے تئیں پھر نہ جاوے سنبلستاں کی طرف

بے طرح صیاد بیٹھا ہے تمھاری فکر میں　　بلبلو تم آج مت جاؤ گلستاں کی طرف
سن خبر صیاد کی جس وقت گھبراتے ہیں وہ　　دیکھ کر ہنستا ہے گل تب عندلیباں کی طرف
جب تلک مجنوں تھا اس وادی میں ویرانہ نہ تھا　　ہائے اس بن خاک اُڑتی ہے بیاباں کی طرف
اور ہی رتبہ ہوا ہے تب سے اُس کے شعر کا
جب سے حشمت[1] نے توجہ کی ہے تاباں کی طرف

121

کر نظر تیرے خط اور زلف پریشاں کی طرف　　دیکھتا نہیں میں کبھی سنبل و ریحاں کی طرف
یاد میں ساقی بدمست کی مینا کی طرف[2]　　اشک جاری ہے مرا دیکھ کے باراں کی طرف
کس میں طاقت ہے کہ منھ اس کا نظر بھر دیکھے　　دیکھ سکتا ہے کوئی مہر درخشاں کی طرف
دیکھ کر شمع لگی رونے ترے عاشق کے　　چشم گریاں کی طرف اور دل سوزاں کی طرف
اور دیوانے مرے شور سے چھپ جاویں گے　　مجھ سے مجنوں کو نہ لے جائیو زنداں کی طرف
ہجر میں یار کے مر جاوے جو بے کس ہو کر　　کیجیے دفن اُسے گورِ غریباں کی طرف
کہکشاں نہیں ہے فلک رشک سے ہے سینہ شق　　جب سے دیکھا ہے مرے چاکِ گریباں کی طرف
نہیں مقدور کہ ہم چھٹ[3] کے قفس سے آویں　　اے صبا کبھو اگر جائے گلستاں کی طرف
ہجر میں یار کے تڑپے ہے وہ بسمل کی طرح
رحم آتا ہے مجھے دیکھ کے تاباں کی طرف

1۔ ن خ ''حاتم''　2۔ ن خ ''طرح''　3۔ ن خ ''چھوٹ قفس سے آویں''

ردیف ق

122

تمھارے ہجر میں رو رو کے آخر مر گیا عاشق — کبھو تم نے نہ پوچھا ہائے میرا کیا ہوا عاشق
سوا تیرے نہیں رکھتا کوئی معشوق دُنیا میں[1] — بتا تجکو کہاں جاؤں کہا کر میں ترا عاشق
طرح سیماب کے رہتا ہے بے آرام دل اس کا — ہوا ہے جب سے اے آئینہ رو تجھ سے جدا عاشق
کبھی تجکو نہ آیا ترس اے بے رحم بے ظالم — ترے سہتا ہے کیا کیا دیکھ تو جور و جفا عاشق

یہ زاہد بے خبر کیوں عاشقوں پر طعن کرتے ہیں
کہ کہلاتا ہے پیغمبر کا اے تاباں خدا عاشق[2]

123

کعبہ ہے اگر شیخ کا مسجود خلائق — ہر بُت ہے مرے دیر کا معبود[3] خلائق
نقصان سے اور نفع سے کچھ اپنے نہیں کام — ہر آن ہے منظور مجھے سود خلائق
میں دستِ دعا اس کی طرف کیونکہ اُٹھاؤں — ہوتا ہی نہیں چرخ سے مقصود خلائق
پھرتا ہے فلک فکر میں گردش میں یہ[4] سب کی — ہرگز یہ نہیں چاہتا بہبود خلائق

تاباں مرے مذہب کو تو مت پوچھ کہ کیا ہے
مقبول ہوں خلاق کا مردود خلائق

1۔ ن خ " نہیں رکھتا سوا تیرے کوئی معشوق دنیا میں"

2۔ ن خ "کہ کہلاتا ہے اے تاباں پیمبر کا خدا عاشق" 3۔ ن خ "مقصود" 4۔ ن خ "مہکی"

124

یکبار سر پہ ٹوٹ پڑی آ بلائے عشق | پوچھوں میں کس طبیب سے یارو دوائے عشق
یارو مرے طریق کو کیا پوچھتے ہو تم | شیدائے رنج و درد ہوں اور مبتلائے عشق
مانندِ گرد باد مری مشتِ خاک کو [1] | لے گئی کدھر کو ہائے اُڑا کر ہوائے عشق
آگے سے اپنی مرگ کی ہے کس کے تئیں خبر | لیکن میں جانتا ہوں کہ ہے وہ قضائے عشق
یارب میں دل کی چوٹ [2] سے ہوں سخت بےقرار | اے کاش اور رنج تو دیتا سوائے عشق
مسطور ہے گا صفحۂ دریا پہ موج سے | حاجت نہیں کہ کچھ میں لکھوں ماجرائے عشق
ناصح نہیں ہے کام مجھے عقل و ہوش سے | پیدا کیا ہے مجکو خدا نے برائے عشق
کرتا ہے مجکو جرمِ محبت پہ [3] سنگسار | پھر پوچھتا ہے کیوں یہ تجھے دوں سزائے عشق

کیا جانیے کرے گا وہ کیا کیا خرابیاں
تاباں کو بےطرح سے لگی ہے ہوائے عشق

125

خونِ دل پینے سوا رکھتا نہیں کچھ کام عشق | آہ کیوں پیدا ہوا خوں خوار، خوں آشام عشق
اس کے سائے سے رکھے سب کے تئیں محفوظ حق | دشمنِ جاں ہے، بلا ہے، جس کا ہے گا نام عشق
رنج و غم درد و الم سے کام مجکو دیکھنا | لے گیا یک لخت دل سے صبر اور آرام عشق
شمع ساں آغاز ہی میں ہوگیا ہوں میں گداز | دیکھیے آخر کرے گا کیا مرا انجام عشق

دیکھیو تاباں سے ہرگز ہوجیو مت بے وفا
اُن نے عالم میں ترا روشن کیا ہے نام عشق

1۔ ن خ "پر" 2۔ ن خ "جوشِ عشق" 3۔ ن خ "سے"

ردیف ک

126

رکھتا ہوں اے ہُما تپشِ عشق یاں تلک　　جل جاوے جوتو آوے مری استخواں تلک

مرتا ہوں فصلِ گل کی تمنا میں اے ہُما　　پہنچائیو تو خاک مری گلستاں تلک

غربال کی طرح جو مشبک ہوا ہے یہ　　پہنچی یہ آہ میری مگر آسماں تلک

مانندِ شمع ہر بُنِ مو ہوئے شعلہ زن　　گر بات سوزِ دل کی میں لاؤں زباں تلک

پروانگی نظارۂ گل کی چمن میں لوں　　گر کچھ بھی دسترس ہو مجھے باغباں تلک

آتا ہے جی میں کوچے چھریوں سے اس کے تئیں　　ہوں میں تنگ ہاتھ سے اس دل کے یاں تلک

ہرگز یہ چھوڑتا ہی نہیں عشق کا خیال
سمجھاؤں اپنے دل کو میں تاباں کہاں تلک

127

دلبر سے دردِ دل نہ کہوں ہائے کب تلک　　خاموش اس کے غم میں رہوں ہائے کب تلک

اس شوخ سے جدا میں رہوں ہائے کب تلک　　یہ ظلم یہ ستم میں سہوں ہائے کب تلک

رہتا ہے روز ہجر میں ظالم کے غم مجھے　　اس دکھ سے دیکھیے کہ چھٹوں ہائے کب تلک

آئی بہار جایئے صحرا میں شہر چھوڑ　　مجکو جنوں ہے گھر میں رہوں ہائے کب تلک

ظالم کو ٹک بھی رحم مرے حال پر نہیں
تاباں میں اس کے جور سہوں ہائے کب تلک

128

اس طرح تیری کمر چلنے میں کھاتی ہے لچک　　سرو جیسے باؤ کے صدمہ سے جاتا ہے لچک
تیغ ابرو نے تری یہ شغل کاڑھا ہے نیا　　زخم دے دے کر مجھے تس پر چھڑکتا ہے نمک
اشک کو گرنے نہ دینا چشم اپنی سوں دلے　　جام جو لبریز ہوتا ہے سو جاتا ہے چھلک
فصلِ گل آئی ہے دیوانے کو میرے چھوڑ دو　　ورنہ مر جاوے گا یہ زنداں میں اپنا سر پٹک
یار سے ملنا نہ چھوڑے گا اگر سو چرخ کھا
کب تری گردش سے ڈرتا ہے یہ تاباں اے فلک

129

مانندِ شمع دیکھا ہے جب سے ترا تپاک[1]　　پروانہ وار رشک سے ہوتا ہوں میں ہلاک
کھوتا نہیں رفوے گریباں کا تو خیال　　ناصح میں تیرے ہاتھ سے سینہ کروں گا چاک
ڈرتا ہوں میں مبادا تو بدنام ہو کہیں[2]　　ورنہ مجھے تو قتل کا اپنے نہیں ہے باک
کس کی نگاہِ مست کا ان کو اثر ہوا　　کیوں جھومتے ہیں باغ میں پھر خوشہ ہائے تاک
دامن تلک نہ پہنچی پری رُو کے یا نصیب
برباد ہی گئی مرے تاباں کی مشتِ خاک

1۔ ن خ ”مانند شمع دیکھ کے سب سے ترا تپاک“
2۔ ن خ ”روتا ہوں میں مبادا ہو بدنام تو کہیں“.

ردیف گ

130

لگی ہے شمع صفت دل کے دودماں کو آگ   اگر بیاں میں کروں لگ اُٹھے زباں کو آگ
نہیں ہے باغ میں لالہ، لگی ہے اے یارو   یہ آہ گرم سے بلبل کی گلستاں کو آگ
ہمارے جی میں ہے اے شعلہ خو کہ غم میں ترے   کہیں کو جائیں نکل، دے کے خانماں کو آگ
چمن میں آتشِ گل بے طرح دہکتی ہے   لگے گی مفت میں بلبل کے آشیاں کو آگ
نہیں فلک پہ شفق، لگ گئی ہے اے تاباں
ہماری آہ کے شعلہ سے آسماں کو آگ

ردیف ل

131

کیا تعویذ تو نے غیر کا دل   ملایا خاک اور خوں میں مرا دل
الٰہی کیا ہوا کس سے لگا دل   ہمارا بے کس و بے دست و پا دل
ستمگر پر ہوا ہے مبتلا دل   سہے گا کس طرح جور و جفا دل
نہ دیکھی پھر کبھی میں اس کی صورت   ارے وہ کیا ہوا جن نے لیا دل
تجھے دیکھا ہے جب سے اے پری رُو   ہوا ہے تب سے دیوانا مرا دل
اب اس کو جان تم چاہو نہ چاہو   تمھارا ہر طرح سے ہو چکا دل

ہمیشہ عشق میں خوباں کے تاباں
مجھے آرام نئیں دیتا مرا دل

132

کیوں ملا ظالم سے جا دل ہائے دل افسوس دل — کھینچتا ہے کیا جفا دل ہائے دل افسوس دل
کس پری رُو نے چُرایا دل مرا معلوم نئیں — ڈھونڈھتا ہوں کیا ہوا دل ہائے دل افسوس دل
دیکھ کر اُس من ہرن کو مجھ سے اب ہو کر جدا — کس طرح سے رم کیا دل ہائے دل افسوس دل
جانتا تو تھا کہ وہ ظالم نپٹ بے رحم ہے — کیوں ہوا تھا مبتلا دل ہائے دل افسوس دل
درد و غم اور محنت و اندوہ میں تنہا مجھے — چھوڑ کر جاتا رہا دل ہائے دل افسوس دل
جن نے عالم کو کیا ہے قتل میرے دیکھتے — اُس ستمگر سے لگا دل ہائے دل افسوس دل

کس سے جا پوچھوں کہاں ڈھونڈوں کہیں پاتا نہیں
کیا ہوا تاباں مرا دل ہائے دل افسوس دل

133

کوئی پاک طینتی میں نہیں ہے سوائے گُل — اس واسطے ہے سر کے اوپر سب کے جائے گُل
صیّاد جب پکڑ کے گلستاں سے لے چلا — بلبل جدا ہو گُل سے پکاری کہ ہائے گُل[1]
آواز جو ہنسی میں نکلتی ہے شوخ کی — کھلنے میں کم سُنی ہے میں ایسی صدائے گُل
بلبل کو اُن نے حد ہی ستایا تھا باغباں — بیجا چمن سے توڑ یہی تھی سزائے گُل
یوں دل ہوا ہے یار کی خاطر اسیرِ زلف — آتی ہے جیسے دام میں بلبل برائے گُل

1۔ ن خ ''بلبل تو کیوں ہوئی ہے عبث آشنائے گُل''

دشمن ترا ہوا ہے گلستاں میں خار خار　　بلبل تو کیوں ہوئی تھی عبث آشنائے گل
از بسکہ اس کو روح سے الفت تھی[1] بیشتر　　اس واسطے مزار کے اوپر ہے جائے گل
آتا ہے فاتحہ کو بھی گل رُو رقیب ساتھ　　لاتا ہے خار قبر پہ میری بجائے گل
تاباں خزاں کے آنے کی حشمت[2] سے سن خبر
بلبل اُٹھی پکار چمن میں کہ ہائے گل

134

نہ کرتی تو معین کاش اس گلشن میں جا بلبل　　کہ تیرا آشیاں کنج قفس آخر ہوا بلبل
خبر سن فصلِ گل کی تو چلی تو ہے گلستاں کو　　جو واں صیاد بھی[3] ہو تو خدا حافظ ترا بلبل
جسے پیش از اسیری تو نے دیکھا تھا تر و تازہ　　وہ گلشن خاک میں دستِ خزاں سے مل گیا بلبل
چمن سے تجکو جانا ہے قفس میں ایک دن آخر　　غنیمت جان اس گلشن کی تو آب و ہوا بلبل
گلستاں کی طرف جاتا ہوں یار و بخت نیکو ہیں　　غزل خوانی میں دیکھوں ور رہوں میں آج یا بلبل
قفس سے چھوٹ پھر[4] ملنا نہ تھا تیرے نصیبوں میں　　ہوئی ہے کس گھڑی کے ہائے تو گل سے جدا بلبل
تو بس میں آکے جب صیاد ظالم کے ہوئی بے بس
مرا تاباں تری خاطر نہایت تب کڑھا بلبل

1۔ ن خ ''ہے'' 2۔ ن خ ''حاتم'' 3۔ ن خ ''ہووے تو''
4۔ ن خ ''قفس سے چھٹ کر''

ردیف م

135

دیکھ اُس مے خوار کی سرشار چشم　　نرگسِ شہلا کی ہیں بیمار چشم
آرزو ہے یہ کہ چار ابرو مرا　　مجھ سے کب ہووے گا آخر چار چشم
جس طرف دیکھے اُدھر ہو قتلِ عام　　ایسی کم دیکھی ہیں میں خوں خوار چشم
دیکھتا تھا یار کو میں خواب میں　　ہائے میری کیوں ہوئی بیدار چشم
کیوں نہ دیوانا ہو تاباں دیکھ کر
شوخ کی جادو بھری خوں خوار چشم

136

سو طرح سے گر کریں گے نالہ و فریاد ہم　　اس قفس سے تو بھی ہو سکتے[1] نہیں آزاد ہم
بعد میرے قتل کے بھی لاش کے ٹکڑے کرے　　چاہتے ہیں[2] اپنے اُس قاتل سے اپنی داد ہم
ہم تو اپنا سر دیے پھرتے ہیں راہِ عشق میں　　کب تری تلوار سے ڈرتے ہیں اے جلاد ہم
کھول دیوے گر رگِ جاں کو تو سوے سے نُھٹیں　　ڈھونڈتے ہیں اس طرح کا اب کوئی فصاد ہم
ہے اسیری کا ہمارے دل میں مدت سے خیال　　اس لیے آتے ہیں اس گلشن میں اے صیاد ہم
ہم تو آخر مر گئے رو رو تمھارے ہجر میں　　سچ کہو اب بھی کبھی[3] آتے ہیں تم کو یاد ہم
وہ پری رُو ہے مرا تاباں سلیماں وقت کا
کیوں نہ اُس کے عشق میں دیں خانماں برباد ہم

1۔ ن خ ''ہودیں گے''　2۔ ن خ ''تھے''　3۔ ن خ ''کبھو''

137

تجکو ہے گا رات دن اوروں سے اے خودکام کام　　مفت تیرے عشق میں میرا ہوا بدنام نام

گھات میری لگ رہی تھی اس پہ اک مدت سے آہ　　ہو گیا غیروں کا آخر جا وہ دل آرام رام

زلف بھی اب چاہتی ہے دل کرے میرا اسیر　　ایک تو تھا ہی تمھاری چشم کا بادام دام

سلطنت جمشید کی حاصل ہو گویا میرے تئیں　　تجکو گر دیوے تو اے ساقی تکوفر جام جام

التجا ہرگز کسی شاہ و گدا سے تو نہ کر

مانگ اس کے پاس تاباں جس کا ہے انعام عام

138

یار کے کوچے میں پھرتے ہیں نپٹ بے باک ہم　　سر اگر کاٹے کوئی ہونے کے نہیں غمناک ہم

جی میں آتی ہے یہ وحشت اب تو سن اے جامہ زیب　　دامنِ صحرا میں جاویں کر گریباں چاک ہم

پیروی مجنون کی طے عشق کے کوچہ میں کی　　عاشقی کی راہ میں یاں تک ہوئے چالاک ہم

عشق میں حاصل ہوا جز درد ہم کو کچھ نہ ہائے　　مفت دی برباد یارو اپنی مشتِ خاک ہم

سب کو اے ساقی پلاتا ہے تو انگوری شراب　　ہم کو ساغر کیوں نہیں دیتا رہے ہیں تاک ہم

آسیا کی طرح سرگرداں ہوں دانے کو اگر　　تو بھی خاطر میں نہ لاویں گردشِ افلاک ہم

چھوڑتی نہیں عشق کی آتش جلانا اب تلک

عشق میں تاباں ہوئے ہیں سوکھ کر خاشاک ہم

139

شعلہ خو کو غیر کی محفل میں جب پاتے ہیں ہم　　رشک کی آتش میں تب جوں شمع جل جاتے ہیں ہم

کیا ترا ہم نے کیا مانع ہے کیوں اے باغباں　　اس چمن میں بیٹھ کر ٹک دل کو بہلاتے ہیں ہم
کب تلک صحبت رکھے کوئی در و دیوار سے　　یار بن بیٹھے اکیلے گھر میں اُکتاتے ہیں ہم
جی نکلتا ہے یہ دل کی آرزو ہے دل کے بیچ　　ہائے اس دنیا سے یوں حسرت بھرے جاتے ہیں ہم
دل کو الفت ہے ہمارے مثلِ بلبل گل کے ساتھ　　ورنہ اس گلشن میں کب اے باغباں آتے ہیں ہم
دل تو چاہے ہے کہ کرے عیش لیکن[1] جان بوجھ　　نعمتِ دنیا سے اپنے جی کو ترساتے ہیں ہم
بحرِ غم سے جو نکالے آکے اے تاباں ہمیں
ہائے ایسا آشنا کوئی نہیں پاتے ہیں ہم

140

نہیں دیتا ہے وہ ظالم کسی کی داد ہے ظالم　　کریں ہم کس سے جا اس درد کی فریاد ہے ظالم
تڑپنے اور اسیری پر تجھے ان عندلیبوں کی　　نہیں آتا ہے کچھ بھی رحم اے صیاد ہے ظالم
کریں جا کون سے ہم سرو قد کی بندگی صاحب　　جو تم اپنی غلامی سے کرو آزاد ہے ظالم
کبھی بوسہ کے شرمندہ نہیں اس تیغ ابرو کے　　ہمیں کرتا ہے ناحق قتل وہ جلاد ہے ظالم
مرا احوال سُن بولا اب چل جا، نہ آیا کر　　ہوا ظالم کا یوں حق میں مرے ارشاد ہے ظالم
رفیقوں بن ہمیں کب زندگی بھاتی ہے اب مرئیے
نہ مجنوں ہے ارے تاباں نہ ہی فرہاد ہے ظالم

141

ایسا کہاں حباب کوئی چشمِ تر کہ ہم　　لب خشک یہ محیط ہے کب اس قدر کہ ہم

1۔ ن خ "ورنہ"

ایسا نہیں غریب کوئی گھر بہ گھر کہ ہم　　ایسا نہیں خراب کوئی در بدر کہ ہم
مدام ہی بِشبک مژگانِ یار ہے　　لیکن نہ اس قدر ہے خستہ جگر کہ ہم[1]
گو آج ہم ہیں بے سر و پا دیکھیے کہ کل　　یہ راہِ پلِ صراط کرے شیخ سر کہ ہم
ہم کھینچتے ہیں چاکِ گریباں پہ تیرے ساتھ　　ور دیکھیے کہ ہم سے رہے تو سحر کہ ہم
روتے عدم سے آئے تھے روتے ہی جائیں گے　　ایسا نہیں ازل سے کوئی نوحہ گر کہ ہم[2]
دنیا کے نیک و بد سے مجھے کچھ خبر نہیں　　اتنا نہیں جہاں میں کوئی بے خبر کہ ہم
پوچھا میں اُس سے کون ہے قاتل مرا بتا　　کہنے لگا پکڑ کے وہ تیغ و سپر کہ ہم

دیواں ہمارا غور سے تاباں تو دیکھ تو
رکھتا ہے کب محیط یہ گنج گہر کہ ہم

142

کبھی تم مہربانی سے نہ آئے جان ہے ظالم　　یہی جی میں رہا میرے سدا ارمان ہے ظالم
ارے صیاد تجکو رحم کیں آتا ہے بلبل پر　　قفس میں مفت وہ دیتی ہے اپنی جان ہے ظالم
نہیں ہے ہائے اتنی دسترس جو یار سے ملیے[3]　　ہوئے ہیں اس قدر ہم بے سروسامان ہے ظالم
سخن کہنے کے دم تو[4] تیغ ابرو مت ہلا قاتل　　کرے گی قتل عالم کو تری یہ آن ہے ظالم
بہار آئی تو کیا خوش وقت ہوں ہم سیرِ گلشن سے　　ہمارا لالہ رُو ہے ہم سے نافرمان ہے ظالم
میں جب احوال کہتا ہوں تغافل سے نہیں سنتے　　رقیبوں کا کہا لیتے ہو کیوں کر مان ہے ظالم

1۔ بادام بھی بِشبک مژگانِ یار ہے　　لیکن نہ اس قدر ہے یہ خستہ جگر کہ ہم　(تصحیح پروفیسر نثار احمد فاروقی)
2۔ ازل سے آتے ہی رونے لگے تھے ہستی میں　　ہم ابتدا ہی میں سمجھے تھے انتہا کی بات　(شاد عظیم آبادی)
3۔ ن خ "ملتے"　4۔ ن خ "تو یوں"

تمھارے ہجر میں رو رو ڈبایا خانماں اپنا — تم اس کو جانتے ہو اب تلک طوفان ہے ظالم
ہمیں یوں دردوغم میں بھول جاؤ کیا قیامت ہے — یہی تم سے توقع تھی ہمیں کیوں جان ہے ظالم

مجھے فرہاد کے مرنے پہ تاباں رحم آتا ہے
کہ کوئی اس طرح دیتا ہے اپنی جان ہے ظالم

143

ہوا ہے غیر سے اس کو نہایت پیار ہے ظالم — مجھے اب گالیاں دیتا ہے گن گن یار ہے ظالم
چلا ہے یار میرا چھوڑ مجکو زار ہے ظالم — کٹے گی رات میری کس طرح بے یار ہے ظالم
جدا وہ آئینہ رُو ایک دم مجھ بن نہ رہتا تھا — مری صورت سے بھی اب ہوگیا بیزار ہے ظالم
چڑھاتا آستیں اور تیغ کھینچے ہاتھ میں اپنے — نپٹ بے طرح آتا ہے مرا خوں خوار ہے ظالم
قیامت سرو پر برپا نہ ہووے کیونکہ گلشن میں — کہ آیا ہے نظر اُس کو وہ خوش رفتار ہے ظالم
ابھی آغوش میں میرے پری رُو ساتھ سوتا تھا — یکایک ہوگیا میں خواب سے بیدار ہے ظالم
نہ چھوڑے گا کسی کا جی خدا شاہد ہے اے قاتل — ترا یہ مسکرانا بات میں ہر بار ہے ظالم

تڑپ کر آرزو میں فصلِ گل کی مر گئی بلبل
نہ دیکھا اُن نے پھر تاباں کبھی گلزار ہے ظالم

144

مجھے طاقت نہیں کب تک جفا تیری سہوں ظالم — مرے جی میں یہ آتا ہے کہ اب کچھ کھا مروں ظالم
مرے تئیں دردِ دل ہے تک شتاب اُس کی خبر لینا — نہیں ممکن کہ اس آزار سے اب کے بچوں ظالم
ترے جور و جفا و ظلم سے اور بے وفائی سے — گزرتی ہے جو کچھ مجھ پر سو تجھ سے کیا کہوں ظالم

مرے دل میں یہ آتا ہے کہ تیرے غم میں ہو وحشی　　گریباں چاک کر صحرا میں میں تو جا رہوں ظالم
گراں خاطر نہ ہو آخر تو مجکو قتل کرتا ہے　　ٹک اک سستا کہ تجکو سیر ہو کر دیکھ لوں ظالم
مجھے کہتے ہیں تجھ سے یار کو ہم چھین لیویں گے　　رقیبوں کی یہ باتاں سخت میں کیوں کر سہوں ظالم
یہی تاباں دعا کرتا ہے رو رو ہجر میں تیرے
خدا وہ دن کرے جو تجھ سے اب کے پھر ملوں ظالم

145

ہجر میں رہتے ہیں نرگس چشم کے بیمار ہم　　کھینچتے ہیں ہائے کیا کیا رنج اور آزار ہم
ایک دم بھی وصل کی لذت نہیں ہوتی نصیب　　اس طرح کے بے مزہ جینے سے ہیں بیزار ہم
کب تلک اُس گلبدن سے ہم نہ ہوویں بے دماغ　　وہ ملے اوروں سے اور ہوں اُس کی خاطر خوار ہم
جی میں ہے چوکھٹ پہ اُس کی سر کو رکھ کر رو دیئے　　حیف پر پاتے نہیں ہیں اُس کے در پر بار ہم
ڈوبتے دریا میں تاباں پر لے آئیں آشنا
جب گیا تھا پار حشمت[1] اور رہے تھے وار ہم

146

ہوئے بے رحم سے کیوں آشنا ہم　　کہ کھینچے مفت میں رنج و جفا ہم
رقیبوں سے سلوک اور ہم کو دشنام　　بھلا کیوں کر نہ مانیں گے بُرا ہم
کبھی باغ جہاں میں پھل نہ پایا　　رہے افسوس بے برگ و نوا ہم
نہ ہوتا کوئی ان خوباں پہ عاشق　　کیے رکھتے ہیں سب سے برملا ہم

1۔ ن خ ”حاتم“

نہ آیا رحم اس ظالم کو تاباں
غم اپنا اس سے کئی باری کہا ہم

147

سنی جو فصلِ گل آنے کی ہر طرف سے دھوم — کیا ہے آن کے گلشن میں بلبلوں نے ہجوم
خدا کے واسطے آنا کبھی تو تربت پر — صنم سے کہیو کہ یوں کہہ مرا ہے وہ مظلوم
پھرو ہو غیر کے ہمراہ رات دن پیارے — تم اور رقیب ہوئے ہو کہ لازم و ملزوم
ہوا ہے ابر ہے گلشن ہے دے شتاب شراب — خدا کے واسطے ساقی مجھے نہ رکھ محروم
قریب مرگ کے پہنچے ہیں ہجر میں اس کے — ہمارا حال اُسے ہائے کچھ نہیں معلوم
ہمیشہ جور و جفا ظالموں کی سہتا ہوں — خدا نے روزِ ازل سے مجھے کیا مظلوم

تمھارے ہجر میں تاباں کا سخت ہے احوال
بچے گا یا نہ بچے گا صنم خدا معلوم

148

کیا کروں کب تلک نہ کھاؤں غم — ایک دل اور ہزار درد و الم
کوئی دن عشق کر لو مل باہم — پھر کہاں تم ہو، اور کہاں ہیں ہم
پاؤں سے سر ترے قیامت تک — نا اٹھاؤں گا تیرے سر کی قسم
جی میں آتا ہے ہو جیے آزاد — سب علائق کو مار کر برہم

ہم سے طاعت خدا کی تو نہ ہوئی
کس کی تاباں کریں اطاعت ہم

ردیف ن

149

جز خدا اب کوئی تھا نے اشک کے پانی کے تئیں　　ناخدا درکار نہیں کشتیِ طوفانی کے تئیں
ہو گیا ہوں غم میں تیرے صورتِ دیوار میں　　کچھ نہ پوچھ اے آئینہ رُو میری حیرانی کے تئیں
لالہ رُو کی سرخیِ لب کی کروں تعریف کیا　　جن نے شرمندہ کیا لعلِ بدخشانی کے تئیں
شیشۂ ساعت میں آتی ہے نظر جیسے کہ ریگ　　جانتا ہوں میں یوہیں اس عالمِ فانی کے تئیں
مو قلم ہرگز نہ لیتا ہاتھ تیرے آن مان　　گر نظر آتی تری تصویر بھی مانی کے تئیں
زلف سے لڑکوں کی جا الجھے ہے شانے کی طرح　　کیا کہوں یارو میں اپنے دل کی نادانی کے تئیں

مل کے تجھ سے رام سے تاباں ہوا ہے بُت پرست
نذر اس کی کر دیا اپنی مسلمانی کے تئیں

150

درس کیا حق نے دی ہے ہائے اس شانے کے تئیں　　کس طرح لپٹے ہیں جا زلفوں کے سلجھانے کے تئیں
توڑ زنجیریں مچا دے گا ابھی گلشن میں دھوم　　مت کہو کوئی فصلِ گل آتی ہے دیوانے کے تئیں
آج اے ساقی ہوا ہے، ابر ہے، سب یار ہیں　　ہے ترا احسان دے اس وقت پیمانے کے تئیں
عشق میں تیرے ہے میری جان اب یہ بھوک پیاس　　خونِ دل پینے کے تئیں اور غم ترا کھانے کے تئیں

دل کو سمجھاتا ہے تاباں آپ تو پہلے سمجھ
کوئی نصیحت بھی اثر کرتی ہے دیوانے کے تئیں

151

آج تیرے ہجر میں اے جان مجھ کو کل نہیں　　جی کے بچنے کی توقع اب مجھے اک پل نہیں
گل رُخاں کے سر کی خاطر حق نے اس گلشن کے بیچ　　لعل کا صیغا بنایا ہے گلِ مجمل نہیں
زلف ہے بل دار اس کی ناتواں میں مو سا ہوں　　کیونکہ انکاوں دل اس کے ساتھ مجھ میں بل نہیں
دیکھ قارورے کو دیتے ہیں دوا بیمار کو　　ان طبیبوں کے تئیں کچھ نبض میں انکل نہیں
پا برہنہ سر کھلے مجنوں ہیں تیرے عشق میں　　میں پھرا جس میں نہ ہوں گا وہ کوئی جنگل نہیں
گر نہ ہو کوئی خضر رہ میرا تو پہنچوں کس طرح　　راہ ہے تاریک منزل دور اور مشعل نہیں

زندگی ہے آدمی کے بحرِ تن میں جوں حباب
دم غنیمت جان تاباں آج ہے سو کل نہیں

152

جان تجھ بن عمر کو غفلت میں میں کھوتا نہیں　　کون سا دم ہے کہ تیری یاد میں روتا نہیں
مشتِ گندم کے لیے جوں آسیا گھر گھر نہ پھر　　سعی ناحق ہے تری نادان کچھ ہوتا نہیں
ہوں گے فریادی کسو دن لوگ آئے ہیں تنگ　　شور نالے سے مرے کوئی رات کو سوتا نہیں
آشنا تو مجھ سے ایسا ہے کہ جیسا چاہیے　　پر جو کچھ دل چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں

کیونکہ آوے نیند تاباں ساتھ اُس کے رات کو
ہے یہ لڑکا چلبلا منچلا کبھی سوتا نہیں

153

جن نے صاحب ہوش کی باتوں کے تئیں مانا نہیں　　وہ مری دانست میں نادان ہے دانا نہیں

ذاتِ حق ہے جلوہ گر لیکن نہیں طالب کوئی — شمع تو روشن ہے پر افسوس پروانا نہیں
ہے تمھاری فکر میں صیاد گل کو دیکھ لو — پھر تمھیں اے عندلیبو باغ میں جانا نہیں
رو چکا ہو وحشی ہوا، اب جاں بلب ہوں شوق میں — ہائے اب تک شوخ نے عاشق مجھے جانا نہیں
جانتا نئیں کیا مچاوے گا چمن میں جا کے دھوم — میرے دیوانے کے تئیں گلشن میں لے جانا نہیں
سب کو مرنے سے ڈراتا ہے یہ واعظ بے خبر — اُس کے تئیں شاید کبھی دنیا میں مرجانا نہیں
بے تکلف آج میری بزم میں تو پی شراب — یار سب اپنے ہیں پیارے کوئی بیگانا نہیں
فصلِ گل کی آرزو میں سب گئے ناشاد ہو — مفت جاتی ہے بہار اب ہائے دیوانا نہیں[1]

بولتا ہے تجھ میں حق اور تجھ سے ہے غافل یہ خلق
اب تلک تاباں کسی نے تجھ کو پہچانا نہیں

154

غم میں روتا ہوں ترے، صبح کہیں، شام کہیں — چاہنے والے کو ہوتا بھی ہے آرام کہیں
وصل ہو وصل الٰہی کے مجھے تاب نہیں — دور ہوں دور مرے ہجر کے ایّام کہیں
لگ رہی ہیں ترے عاشق کی جو آنکھیں چھت سے — تجکو دیکھا تھا مگر اُن نے لبِ بام کہیں
عاشقوں کے بھی لڑانے کی تجھے کیا ڈھب ہے — چشم بازی ہے کہیں، بوسہ و پیغام کہیں
یمنی کی سی طرح لختِ جگر پر کھو دوں — مجکو معلوم اگر ہووے ترا نام کہیں
ہجر میں اُس بُتِ کافر کے تڑپتے ہیں پڑے — اہلِ زنار کہیں، صاحبِ اسلام کہیں

آرزو ہے مرے تاباں کو بھی اے قاتل
کہ بر آئے ترے ہاتھوں سے مرا کام کہیں

1۔ نسخۂ خدا بخش سے میں نے اضافہ کیا ہے (مرتب)

155

لڑکا جو خوبرو ہے سو مجھ سے بچا نہیں
وہ کون ہے کہ جس سے میں یارو ملا نہیں

اے بلبلو چمن میں نہ جاؤ گئی بہار
گلشن میں خار و خس کے سوا کچھ رہا نہیں

ہے کیا سبب کہ یار نہ آیا خبر کے تئیں
شاید کسی نے حال ہمارا کہا نہیں

آتا نہیں وہ یار ستمگر تو کیا ہوا
کوئی غم تو اُس کا دل سے ہمارے جدا نہیں

تعریف اُس کے قد کی کریں کس طرح سے ہم
تاباں ہماری فکر تو ایسی رسا نہیں

156

کون سا وقت ہے جو جان تری یاد نہیں
اور ترے غم میں مجھے نالہ و فریاد نہیں

کیوں نہ خوش وقت ہو گلشن میں کرے [1] رنگ رلیاں
آج بلبل کے نصیبوں کوئی [2] صیاد نہیں

چومتا آ کے قدم دیکھ مرا محنت و غم
کیا کروں ہائے کہ اس عصر میں فرہاد نہیں

قتلِ عشاق پہ خوباں تو پڑے [3] پھرتے ہیں
کون کہتا ہے کہ اس شہر میں جلاد نہیں

ریختہ کیوں نہ میں حشمت کو دکھاؤں تاباں
اُس سوا دوسرا کوئی ہند میں اُستاد نہیں

157

آتا نہیں وہ شوخ تو کچھ ہم کو غم نہیں
اُس کا خیال ہم سے جدا ایک دم نہیں

جی آ رہا ہے لب پہ شتابی تو آئیو
آنے میں گرچہ دیر کی تو جان ہم نہیں

1۔ ن خ ''کریں'' 2۔ ن خ ''کو بھی'' 3۔ ن خ ''ترے''

جس پر وہ شوخ جان کے عاشق جفا کرے　　لطف و کرم ہے اُس کا وہ جور و ستم نہیں
ہے[1] گفتگو خدا سے بھی اُس جنگجو کے تئیں　　کوئی اور اُس سا دوسرا کافر صنم نہیں
تاباں تو دکھ سے ہجر کے چاہے تھا زہر کھائے
پر[2] غم سا اُس کو دوسرا دنیا میں سم نہیں

158

خوبرو جو ایک کا محبوب نئیں　　ایسے ہرجائی سے ملنا خوب نئیں
چولی نیچی مت پہن اے جامہ زیب　　اس میں چھب تختی کا کچھ اسلوب نئیں
میں تو طالب دل سے ہوں گا دین کا　　دولتِ دنیا مجھے مطلوب نئیں
صبر کب تک ہجر میں تیرے کروں　　میں ترا عاشق ہوں کوئی ایوب نئیں
یار کی تاباں زنخداں کو نہ چاہ
دیکھ کہتا ہوں کنوے میں ڈوب نئیں

159

خدا عشق مجھ سے چھڑاتا نہیں　　یہ آزار بھونڈا ہے جاتا نہیں
میں کس طرح کر آہ جی اپنا دوں　　کہ سینے میں اب غم سماتا نہیں
ترے غم سے مرتا ہوں اے جان میں　　تو ٹک دیکھنے کو بھی آتا نہیں
جلے ہیں لگن بیچ اُس کی پتنگ　　کوئی شمع کے تئیں بجھاتا نہیں
عبث یاد کر اُس کو تاباں نہ رو
گیا یار پھر ہاتھ آتا نہیں

1۔ ن خ "جو" 2۔ ن خ "تھ"

160

ساقی ہو، اور چمن ہو، مینا ہو، اور ہم ہوں　　باراں ہو، اور ہوا ہو، سبزہ ہو، اور ہم ہوں

زاہد ہو، اور تقویٰ، عابد ہو، اور مصلّی　　مالا ہو، اور برہمن، صہبا ہو، اور ہم ہوں

مجنوں ہیں ہم، ہمیں تو اس شہر سے ہے وحشت　　شہری ہوں، اور بستی، صحرا ہو، اور ہم ہوں

یا رب کوئی مخالف ہووے نہ گرد میرے　　خلوت ہو، اور شب ہو، پیارا ہو، اور ہم ہوں

دیوانگی کا ہم کو کیا حظ ہو ہر طرف گر　　لڑکے ہوں، اور پتھرے، بلوا ہو، اور ہم ہوں

اوروں کو عیش و عشرت اے چرخ بے مروت　　غصہ ہو، اور غم ہو رونا ہو، اور ہم ہوں

ایمان و دیں سے تاباں کچھ کام نہیں ہے ہم کو
ساقی ہو، اور مے ہو، دنیا ہو، اور ہم ہوں

161

جی کا دینا مرے نزدیک تو کچھ دور نہیں　　پر مرا چاہنا تو بھی ترے منظور نہیں

کون دل ہے کہ ترے ہاتھ سے نہیں ہے نالاں　　کون ہے وہ کہ ترے عشق میں رنجور نہیں

ماہ پہنچے ہے کہاں منہ کی جھلک کو تیرے　　وہ بھی ہر چند کہ روشن ہے پہ یہ نور نہیں

رات جاگا ہے کسی غیر کے گھر میں شاید　　نشۂ مے سے تری چشم یہ مخمور نہیں

دل کو آرام نہیں اس میں یقیں ہے تاباں
چھوڑ دوں عشق پہ باللہ کہ مقدور نہیں

162

سن فصلِ گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں　　کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں

بیمار ہو زمیں سے اُٹھتے نہیں عصا بن　　نرگس کو تم نے شاید آنکھیں دکھائیاں ہیں
دیکھ اُس کو آئینہ بھی حیران ہوگیا ہے　　چہرے پہ جان تیرے ایسی صفائیاں ہیں
خورشید اُس کو کہیے تو جان ہے وہ پیلا　　گر مہ کہوں ترا مُنھ تو اس پہ جھائیاں ہیں
یوں گرم یار ہونا پھر بات بھی نہ کہنا　　کیا بے مروتی ہے کیا بے وفائیاں ہیں
جھمکی دکھا جھجک کر دل لے کے بھاگ جانا　　کیا اچپلائیاں ہیں، کیا چنچلائیاں ہیں
قسمت میں کیا ہے دیکھیں جیتے بچیں کہ مرجائیں　　قاتل سے اب تو ہم نے آنکھیں لڑائیاں ہیں
دل عاشقوں کا لے[1] کر پھر یار ہمیں یہ دلبر　　ان بے مروتوں کی کیا آشنائیاں ہیں
افسوس اے صنم تم ایسے ہوئے ہو اب تو　　ملتے ہو غیر سے جا ہم سے رُکھائیاں ہیں
کہتے تھے ہم کسی سے تم بن نہیں ملیں گے　　اب کس کے ساتھ پیارے وے دل رُبائیاں ہیں
جب پان کھا کے پیارا گلشن میں جا ہنسا ہے　　بے اختیار کلیاں تب کھل کھلائیاں ہیں
آئینہ رو برو رکھ اور اپنی چھب دکھانا　　کیا خود پسندیاں ہیں کیا خود نمائیاں ہیں

پھر مہرباں ہوا ہے تاباں مرا[2] ستمگر
باتیں تری کسی نے شاید سنائیاں ہیں

163

تیری آنکھیں تری سی پیاری ہیں　　اُن کے پھر دیکھنے کی واری ہیں
گالیاں تیں جو دے گیا تھا مجھے　　مجکو اب تک وہ یاد گاری ہیں
آتشِ عشق میں جو جل نہ مریں　　عشق کے فن میں وہ اناڑی ہیں

1۔ ن خ "دل لیکے عاشقوں کا" 2۔ ن خ "ترا"

رات جاگا ہے پی شراب کہیں   تیری آنکھیں نپٹ خماری ہیں

تم سے کہتا ہے جان[1] بچ تاباں

جھوٹی باتیں سبھی تمھاری ہیں

164

رات کو دیکھا تھا اِس مہ رُد کو ہم نے خواب میں   صبح جوں خورشید لرزا تھا دلِ بیتاب میں

اس ہوائی ابر میں ہے خاک جینا ے بغیر   آگ میں جل جایئے یا ڈوب مریئے آب میں

گر زلیخا چاہ سے یوسف کو رکھتی تھی عزیز   پر کوئی تجھ سا نہ دیکھا ہوگا ان نے خواب میں

اپنے لب سے ایک بوسہ دے تو میں جیتا ہو جاں   ہے شفا بیمار کی اس شربتِ عناب میں

دیکھ تیری زلف کو حلقہ کی اے دریائے حسن   ہوں طرح گرداب کی دن رات پیچ و تاب میں

جو تری آنکھوں میں ہے کیفیت اے ساقی بہار   ایسی کم ہوتی ہے کیفیت شرابِ ناب میں

ہجر میں اس سیم تن کے جس طرح تڑپے ہے دل

یہ تڑپ دیکھی نہیں تاباں کہیں سیماب میں

165

اے شمع رُو مرے گا جو کوئی تری لگن میں   وہ حشر تک رہے گا جلتا ہوا کفن میں

بلبل کے تئیں اگر چہ کرتا ہے قید لیکن   اس کے قفس کو رکھیو صیّاد تو چمن میں

مجنوں و کوہکن کے قصے تو یوں بہت ہیں   ہرگز نہ ہوں گے مجھ سے وے عاشقی کے فن میں

اس منہرن کا اپنے کچھ کھوج میں نہ پایا   ہر چند خاک چھانی وحشی ہو جا کے بن میں

1۔ ن خ "حال"

رخسار دیکھ تیرے اے گلبدن خوشی سے   پھولا نہیں سماتا میں اپنے پیرہن میں

آنے کی جب خبر میں سنتا ہوں فصلِ گل کی   ٹیسو کی طرح آتش لگتی ہے میرے تن میں

زلفاں کی ناگنی سے جا من کے تئیں ڈساؤں

اُٹھتی ہے لہر تاباں اکثر یہ میرے تن میں

166

دیا جی، پر نہ آیا رحم کچھ صیاد کے دل میں   رہی حسرت چمن کی بلبلِ ناشاد کے دل میں

ملایا خاک میں گھر کوہکن کا ہائے خسرو نے   یہ کیا بات آگئی اس خانماں آباد کے دل میں

اسی کا کام تھا جو بات کہتے جی دیا اپنا   نہ آیا کچھ بھی دھڑکا جان کا فرہاد کے دل میں

مرے نزدیک شادی اور غمی دونوں برابر ہیں   کہ اصلاً فکر نہیں ہوتا کبھی آزاد کے دل میں

جو کوئی عاشق ہوا اس پر اسی کو قتل کرتا ہے

کسی کا رحم نہیں تاباں مرے جلاد کے دل میں

167

آرزو ہے میں رکھوں تیرے قدم پر گر جبیں   تو اُٹھادے ناز سے ظالم لگا ٹھوکر جبیں

اپنے گھر میں تو بہت پٹکا پہ کچھ حاصل نہیں   اب کے جی میں ہے تری چوکھٹ پہ رو دوں دھر جبیں

جیسی پیشانی تری ہے اے مرے خورشید رُو   چاند کی ہے روشنی میں اس سے کب بہتر جبیں

شیخ آ، جلوہ خدا کا میکدے میں ہے مرے   کیوں رگڑتا ہے عبث کعبہ کے تو در پر جبیں

کیا کروں تیرے قدم تک تو نہیں ہے دسترس   نقشِ پا ہی [1] پر ترے ملتا ہوں میں اکثر جبیں

1۔ ن خ ''پانو''

شیخ گر شیطان سے صورت نہیں ملتی تری　　بس بتا داغی ہوئی ہے کس طرح یکسر جبیں
ہے کسی کی بھی تری سی اوندھی پیشانی بھلا　　دیکھ تو اے شوخ اپنی آئینہ لے کر جبیں
آگے جن ہاتھوں سے ملتا تھا ترے تلووں کے تئیں　　پیٹتا ہوں اب انھیں ہاتھوں سے میں اکثر جبیں
بوجھ کر نقشِ قدم کو تیرے محرابِ دعا　　مانگتا ہوں میں مرادِ دل کو رکھ اس پر جبیں
چاند کا مکھڑا ہے یا آئینہ یا مصحف کا لوح　　یا تری ہے اے مرے رشکِ مہ و اختر جبیں

صاف دل تاباں مکدر ہی کبھو ہوتا نہیں
آئینہ کے ہے گی روشن دیکھ لے یکسر[1] جبیں

168

مست آتا ہے تو جب پیتا گلابی باغ میں　　کیا کہوں ہوتی ہے تب کیسی خرابی باغ میں
جس جگہ گل تھے نظر آتے نہیں واں خار بھی　　اس قدر آکر خزاں نے کی خرابی باغ میں
مے ہے، مطرب ہے، ہوا ہے، ابر ہے، گلزار ہے　　تو بھی آ اس وقت اے ظالم شتابی باغ میں
آج برسے گا مقرر خوں کہ آیا ہے دیکھو　　پان کھاتا، مے پئے میرا شرابی باغ میں

دھوپ میں تاباں اگر خورشید رُو جاوے مرا
ہو گل سورج مکھی تب آفتابی باغ میں

169

کیا بھولا پا ہے کہ وہ خوں خوار میرا کھا کے پاں　　پوچھتا ہے مجھ سے کیسی لال ہوئی میری زباں
جس کے دل میں نورِ حق نہیں اس کا دل بے نور ہے　　شمع بن رونق نہیں رکھتا ہے خالی شمع داں

1۔ ن خ ”بیانور“

سچ کہو آتا ہے کیا کیا دل میں گُل بن بلبلوں   تم جو رہتے ہو قفس میں چھوڑ اپنا آشیاں
اے ہُمامت کھائیو سب بال و پر جھڑ جائیں گے   ہے نمک سے عشق کے شوریدہ میری استخواں
طرح اسکندر کے تاباں شاہ ہفت اقلیم ہو
گر نمک اک جرأت کرے یہ خسرو ہندستاں

170

اشک گلگوں سے بھرا بسکہ کنارِ دامن   کٹ گیا دیکھ کے گلچیں بھی بہارِ دامن
نہیں معلوم کسے قتل کیا ہے ظالم   تر بتا کس کے لہو سے ہے کنارِ دامن
خاک برباد نہ دے اتنی ہوا خواہوں کی   اے مری جان جھٹک مت تو غبارِ دامن
دسترس اب تو نہیں مجکو بھلا حشر تو ہو   پھر مرا ہاتھ ہے اور تیرا کنارِ دامن
سرخ جوڑے پہ ترے ہے گی کناری کی جھلک   برق ساں ابر کے ہوتی ہے نثارِ دامن
پیرہن چاک کیا یاں تئیں تاباں ہم نے
کہ کہیں تارِ گریباں ہے نہ تارِ دامن

171

سراب کی سی طرح کب تھا آب دریا میں   مرے ہی اشک سے ہوئی آب و تاب دریا میں
برنگِ آئینہ ظالم ترے تماشے کو   ہوا ہے چشم سراپا حباب دریا میں
عجب نہیں ہے کہ خشکی سے تیری اے زاہد   تمام آب ہو مثلِ سراب دریا میں
ہوا ز بسکہ یہ رکھتا تھا سر بلندی کی   ہوا حباب کا خانہ خراب دریا میں
ترے بدن کو نہاتے میں دیکھ حیرت سے   ہوا ہے صفحۂ آئینہ آب دریا میں

ہمارے آئینہ پا کے تئیں اگر دیکھے سراپنا رشک سے پھوڑے حباب دریا میں
رُخ اس طرح سے ترا آئینہ میں جھمکے ہے کہ جیسے صبح کے تئیں آفتاب دریا میں
تو بال کھول نہاتا تھا ایک دن اب تک ہر ایک موج کو ہے پیچ و تاب دریا میں
ہمارے اس بتِ ہندی کے غسل کو تاباں
بنا ہے طاس کی صورت حباب دریا میں

172

روا جو اہلِ وفا پر رکھا جفا کے تئیں بتاں دکھاؤ گے کیا مُنھ بھلا خدا کے تئیں
جفا تو چاہیے اے شوخ مجھ پہ یاں تک کر کہ سب کہیں مجھے رحمت تری وفا کے تئیں
اگر تو آئے کوئی دم رہوں میں نزع میں بھی وگر نہ سونپ دوں اس جان کو قضا کے تئیں
جو عمر نوح ہو بے یار زندگی کچھ نئیں اکیلے جینے کا کیا حظ ہے ارمیا کے تئیں
نہ پہنچے آب اگر میرے اشک خونیں کا یقین ہے کہ نہ یہ رنگ ہو حنا کے تئیں
ہر اک کو کیجیو تیروں کا اپنے تو قندیل کھلائیو پہ مری استخواں ہُما کے تئیں
بیان کوچۂ قاتل کا کیا کروں تاباں
کیا میں آن کے یاں طوف کربلا کے تئیں

173

داغ دل اپنا جب دکھاتا ہوں رشک سے شمع کو جلاتا ہوں
وہ مرا شوخ ہے نپٹ چنچل بھاگ جاتا ہے جب بلاتا ہوں
اس پری رُو کو دیکھتا ہوں جب ہو کے دیوانہ سدہ بھلاتا ہوں

مجھ کو دیتا ہے گالیاں اُٹھ کر   نیند سے جب اُسے جگاتا ہوں

جب مجھے گھیرتا ہے غم تاباں

ساغرِ مے کو بھر پلاتا ہوں

174

تو ناصح نہ ہو پاس دارِ گریباں   نہ چھوڑوں گا ہرگز میں تارِ گریباں

اگر اے جنوں تو مددگار ہووے   تو گردن سے ہو دور بارِ گریباں

مرے اشکِ گلگوں سے یاں تک ہے رنگیں   کہ رشکِ چمن ہے بہارِ گریباں

جنوں بسکہ ہے ضعف ہاتھوں میں میرے   نہیں توڑ سکتا میں تارِ گریباں

بھلا دیکھیے اور رہے کون ناصح   میں دشمن ہوں تو دوستدارِ گریباں

گرا اشک از بسکہ آنکھوں سے میری   لبِ جو ہوا ہے کنارِ گریباں

کیا چاک جس روز سے میں نے تاباں

نہ پایا کبھی پھیر تارِ گریباں

175

ہے آرزو یہ جی میں اُس کی گلی میں جاویں   اور خاک اپنے سر پر من مانتی اُڑاویں[1]

شورِ جنوں ہے ہم کو اور فصلِ گل بھی آئی   اب چاک کر گریباں کیوں کر نہ بن میں جاویں

بے درد لوگ سب ہیں ہمدرد ایک بھی نئیں   یارو ہم اپنے دکھ کو جا کس کے تئیں سناویں

یہ آرزو ہماری مدت سے ہے کہ جاکر   قاتل کی تیغ کے تئیں اپنا لہو چٹاویں

1۔ ن خ ''لگاویں''

خجلت سے خوں میں ڈوبے یا آگ سی لگے اُٹھ — لالہ کے تئیں چمن میں گر داغِ دل دکھاویں
بے اختیار سن کر محفل میں شمع رُو دے — ہم بات سوزِ دل کی گر ٹک زباں پہ لاویں

یاں یار اور برادر کوئی نہیں کسی کا
دنیا کے بیچ تاباں ہم کس سے دل لگاویں

176

جو تو مجھ پہ اے شوخ غصہ نہیں — تو ناحق چڑھاتا ہے کیوں آستیں
چمن کی طرف بلبلیں آن کر — ترے ڈر سے صیاد جاتی رہیں
کر قتل پر کس کی کستے ہو تم — میاں آج تم کیوں ہو چیں بر جبیں
تری بات لاوے جو پیغامبر — رہی ہے مرے حق میں روح الامیں
ابھی کس طرف دل مرا گم ہوا — بہت اُس کو ڈھونڈھا نہ پایا کہیں
ترے غم میں رو رو کے اے ماہ رُو — میں یکساں کیا آسماں اور زمیں

بتاں سے ملا کھو کے زرحق کو بھول
نہ دنیا ملی مجھ کو تاباں نہ دیں

177

بسکہ اشکِ گرم سے میری بھری سب آستیں — نوح کے طوفاں کا گویا ہے تنورِ آبِ آستیں
تر جو مثلِ ابر رو رو ہم نے کی سب آستیں — موج زن دریا صفت ہر چیں سے ہے آب آستیں
اس قدر رویا کہ آخر بھیگ گئی سب آستیں — پونچھتی تھی میرے آنسو ورنہ جب تب آستیں
ڈوب جاوے آسماں اور غرق ہو جاوے زمیں — میں نچوڑوں اشک سے اپنی بھری جب آستیں

غم میں اُس خوش چشم کے گل بسکہ کھائے ہاتھ پر　　　حکم نرگس داں کا رکھتی ہے مری اب آستیں
دن کو سارا دن گریباں پر مرے رہتا ہے ہاتھ　　　رات کو رو رو کے تر کرتا ہوں میں سب آستیں
میرے آنسوئیں ٹپکتے ایسے یارو زار زار[1]　　　آپ بھی روتی ہے رونے پر مرے اب آستیں
ایک موتی پر صدف مغرور تو مت ہو کہ ہے　　　گوہروں سے اشک کے، میری بھری سب آستیں
جذب کرتی ہے یہ تیرے اشک کے پانی کے تئیں
کہہ کفِ دریا سے تاباں کم یہ ہے کب آستیں

178

بند کرتی ہے دلوں کو جامہ زیباں کی پھبن　　　ہوش کھو دیتی ہے ان رعنا جواناں کی پھبن
چاک کرتا ہوں گریباں اپنا میں گل کی طرح　　　یاد جب آتی ہے مجکو تنگ پوشاں کی پھبن
کوئی سجیلا اب تلک بے ساختہ دیکھا نہیں　　　تنگ پوشی میں ہے ساری خوب رویاں کی پھبن
زینت اور پوشاک بن کھبتی ہو دل میں جس کی چھب　　　سب پری رویاں میں ہے ایسی سلیماں کی پھبن
ابر میں چھپتا ہے جن کے دیکھتے ہی آفتاب
دیکھیے تاباں کبھی اُن ماہ رُویاں کی پھبن

179

پھر فصل گل آتی ہے کیا کیجیے تدبیریں　　　چھٹتا ہے یہ دیوانا اب توڑ کے زنجیریں
تو کون ہے اے واعظ جو مجکو ڈراتا ہے　　　میں کی بھی ہیں تو کی ہیں اللہ کی تقصیریں
آہو کی طرح ہم سے رہتے ہیں سبھی آ کے　　　کیا ہاتھ سے جاتے ہیں افسوس یہ نخچیریں

1۔ ن خ ”روز روز“

ہیں ہم تو ترے مجنوں پر اور ترا عاشق فرہاد اگر ہووے تو اُس کا بھی سر چیریں

منہ رُو کے کفِ پا پر تاباں ہو جبیں ملتا
یوں کھینچ مصور تو ان دونوں کی تصویریں

180

کہتے ہیں اثر ہوہے رونے میں یہ ہیں باتیں اِک دن بھی نہ یار آیا روتے ہی گئی راتیں
کر یاد ارے ظالم مرتا ہوں میں ہر ساعت غصے کا وہ ٹھکرانا اور پیار کی وہ لاتیں
غیروں سے چھٹے دلبر دلدار ہووے میرا برحق ہے اگر پیرو کچھ تم میں کراماتیں
یا رب وہ نہیں آتا اور غم کی نہیں طاقت دن عمر کے کٹ[1] جاویں یا ہجر کی یہ[2] راتیں

سودا میں گزرتی ہے کیا خوب طرح تاباں
دوچار گھڑی رونا دوچار گھڑی باتیں

181

یار سے اب کے گر ملوں تاباں تو پھر اُس سے جدا نہ ہوں تاباں
یا پھرے اب کے اُس سے دل میرا عشق کا نام پھر نہ لوں تاباں
مجھ سے بیزار ہے مرا ظالم یہ ستم کس طرح سہوں تاباں
آج آیا ہے یار گھر میرے یہ خوشی کس سے میں کہوں تاباں
میں تو بیزار اُس سے ہوں لیکن دل کے ہاتھوں سے کیا کروں تاباں
وہ تو سنتا نہیں کسی کی بات اس سے میں حال کیا کہوں تاباں

1۔ ن خ "بہ" 2۔ ن خ "وہ"

بعد مدت کے ماہ رُو آیا
کیوں نہ اُس کے گلے لگوں تاباں

182

دلِ مہجور کو قرار کہاں   طاقت و تابِ انتظار کہاں
ایک ہی گردشِ فلک میں ہائے   میں کہاں اور میرا یار کہاں
کوئی دن دیکھنے دے موسمِ گل   ارے صیاد پھر بہار کہاں
آبلہ دل کا پھوڑنے کے تئیں   تیرِ مژگاں سوائے خار کہاں
شبِ ہجراں میں تیرے تاباں کا
غم سوا کوئی غمگسار کہاں

183

گل ہے شب ماہ ہے ہائے نہیں گلبدن   روزِ قیامت ہے شب تجھ کو سقر ہے چمن
رات مرا حال دیکھ غم میں ترے صبح نے   پنجۂ خورشید سے چاک کیا پیرہن
تیرا دہاں ہیچ بھی ہو تو کروں اُس کا وصف   جان میں کہتا ہوں سچ اس میں نہیں کچھ سخن
کیوں کہ جیئے گا کوئی ہاتھ سے اُس شوخ کے   ایک تو کج فہم ہے تس پہ ستم بانکپن
تاباں چلا شہر سے نکلا جب شیخ شہر
قبر سے مردا اُٹھا پھاڑ کے گویا کفن

184

دل کو ہر چند مرے طاقتِ ہجراں تو نہیں   لیک اس غم سے غنیمت ہے کہ نالاں تو نہیں

ہاتھ بے فائدہ زنداں میں نہ دوڑا مجنوں　　طوق ہے تیرے گلے میں یہ گریباں تو نہیں
بادلی کیوں نہ زلیخا ہو غمِ یوسف سے　　چاہنا سخت ہی مشکل ہے کچھ آساں تو نہیں
گرچہ سنبل کو ہے تشبیہ تری زلف کے ساتھ　　پر کوئی ایسا مری جان پریشاں تو نہیں
کوئی خریدار نہیں آئینۂ دل کا یہاں　　نام اس شہر کا کیا کشورِ کوراں تو نہیں
باغباں پوچھنے آیا ہوں غمِ بلبل کو　　ورنہ کچھ میرے تئیں ذوقِ گلستاں تو نہیں
ہجر میں یار کے جاری ہے یہ مانندِ محیط　　کیونکہ تھم جائے مرا اشک یہ باراں تو نہیں
گر تو ناخوش ہے مرے شورِ جنوں سے ناصح　　کر مجھے شہر بدر لائقِ زنداں تو نہیں

سن مرا شور فغاں یار نے جھلا کے کہا
دیکھیو جا کے کوئی اس کو یہ تاباں تو نہیں

185

چھوڑ کر غم میں ترے مسکن و ماوا کے تئیں　　جی میں آتا ہے نکل جایئے صحرا کے تئیں
سرو پامال ہوا خاک میں سایہ کی طرح　　دیکھ گلشن میں ترے قامتِ رعنا کے تئیں
غم میں ساقی کے گلستاں میں گل و سرو کو دیکھ　　یاد کرتا ہوں بہت ساغر و مینا کے تئیں
جام گل باغ میں لبریز ہوا شبنم سے　　ساقیا صبح ہی بھر ساغر و صہبا کے تئیں
مر گیا قیس غمِ یار میں روتا روتا　　لے گیا گور میں فرہاد تمنا کے تئیں

خانۂ عشق رہے اس سے الٰہی تاباں
داغ مجنوں کا مٹا دیکھ کے سودا کے تئیں

186

ان ظالموں کو جور سوا کام ہی نہیں　　گویا کہ اُن کے ظلم کا انجام ہی نہیں

اے عندلیب باغ میں کچھ کام ہی نہیں ‏ چھوٹی عبث تو گل کا یہ ہنگام ہی نہیں
غم وصل میں ہے ہجر کا، ہجراں میں وصل کا ‏ ہرگز کسی طرح مجھے آرام ہی نہیں
کیا کیا خرابیاں میں ترے واسطے کہیں ‏ تس پر بھی چاہنے کا مرے نام ہی نہیں
اب ہم دنوں کو اپنے نہ روئیں تو کیا کریں ‏ کرنے تھے جن میں عیش وے ایام ہی نہیں
دے شخص جن سے فخر جہاں کو تھا اب دے ہائے ‏ ایسے گئے کہ اُن کا کہیں نام ہی نہیں
تم جو ہر اک کے دل کو ستاتے ہو کیا میاں ‏ آغاز کا جفا کے کچھ انجام ہی نہیں

تاباں بتا میں عجز کہاں تک کیا کروں
جز ترک مہر یار کا پیغام ہی نہیں

187

ترے مژگاں کی فوجیں باندھ کر صف جب ہوئیں کھڑیاں ‏ کیا عالم کو سارے قتل لوتھیں ہر طرف پڑیاں
دم اپنے کا شمار اس طرح تیرے غم میں کرتا ہوں ‏ کہ جیسے شیشۂ ساعت میں گنتا ہے کوئی گھڑیاں
ہمیں کو[1] خانۂ زنجیر سے الفت ہے زنداں میں ‏ وگرنہ ایک جھٹکے میں جدا ہو جائیں سب کڑیاں
تجھے دیکھا ہے جب سے بلبل و گل نے گلستاں میں ‏ پڑی ہیں رشتۂ الفت میں اُن کے تب سے گلجھڑیاں

فغاں[2] آتا نہیں وہ شوخ میرے ہاتھ اے تاباں
"لکیریں انگلیوں کی مٹ گئیں گنتے ہوئے گھڑیاں"

188

سینہ شق غم میں ترے کون بشر ہے کہ نہیں ‏ ٹکڑے ہاتھوں سے ترے کس کا جگر ہے کہ نہیں

1۔ ن خ "تو" 2۔ ن خ "اشرف علی خاں فغاں"

تو جو کہتا ہے کہ قتل پہ میرے ظالم — بیکسی پر بھی مری تجھ کو نظر ہے کہ نہیں
انتظاری میں مرے چشم بھی ہو گئے ہیں سفید — یا الٰہی شبِ ہجراں کو سحر ہے کہ نہیں
سب کو آزاد تو کرتا ہے قفس سے صیاد — بال و پر کا کہیں میرے بھی اثر ہے کہ نہیں
ڈرتے ڈرتے جو کہا حال میں اُس بانکے سے — وہ لگا کہنے کہیں تیغ و سپر ہے کہ نہیں
کوئی کہتا ہے عدم اُس کو کوئی کچھ بھی نہیں — تو بھی تو بول میاں تیری کمر ہے کہ نہیں

آج کیا تھا[1] کہ مجھے یار نے پوچھا تاباں
اپنے احوال کی کچھ تجکو خبر ہے کہ نہیں

189

ہو جس کو تم سے صرف محبت مرے میاں — دیتا ہے کوئی اُس کو اذیت مرے میاں
تم بے مروتی سے نہ دو میرے تئیں جواب — ہے تجکو تم سے چشم مروت مرے میاں
رہتی ہے مثلِ آئینہ حیرت مرے تئیں — دیکھوں نہ جب تلک تری صورت مرے میاں
باندھو گے میرے قتل پہ تم کس طرح کمر — رکھتی ہے یہ تو حد ہی نزاکت مرے میاں
میری اذیتوں کا بھلا دو گے کیا جواب — پوچھیں اگر بروزِ قیامت مرے میاں
پوچھا کبھو نہ مجھ سے کہ تو کیوں خراب ہے — تجکو رہی ہمیشہ یہ حسرت مرے میاں
بدنام چاہنے سے مرے تم بھی ہو گئے — میں کھینچتا ہوں سخت خجالت مرے میاں
گھر بار کو لٹا کے نکل جاؤں دشت میں — آتی ہے اب تو جی میں یہ وحشت مرے میاں
پہنچا ہے حالِ عشق میں یاں تک مرا کہ اب — آتی ہے سب کو دیکھ کے رقت مرے میاں

1۔ ن خ "ہے"

کرتے ہو مجکو قتل تو گھر ہی میں کیجو دفن　　　ہووے مبادا خلق میں شہرت مرے میاں
ہر شب مرے مزار پہ ہے شمع جلوہ گر　　　آتی نہیں ہے کیا تمھیں غیرت مرے میاں
تاباں کا تم سوائے نہیں ہے کوئی شفیق
لازم ہے اس کے حال پہ شفقت مرے میاں

190

ہم خانماں لٹا کر صحرا میں آ رہے ہیں　　　مجنوں سے بھی زیادہ دھومیں مچا رہے ہیں
پا بوس کی تمھارے گر اُن کو ہیں تمنا　　　تو کیوں چمن میں غنچے سر کو نوا رہے ہیں
دل اُس کی زلف میں سب کہتے ہیں جمع ہو کر　　　ہم کس بلا میں یارو دیکھو تو آ رہے ہیں
ہر برگ سے تمھارے آنے کی آرزو میں　　　دستِ دعا چمن میں سب گل اُٹھا رہے ہیں
شکوا جو کچھ کرے ہے خوباں کا سو بجا ہے
ہاتھوں سے ان کے تاباں، ہم حد دکھا رہے ہیں[1]

191

کن نے آزردہ کیا مجھ سے مرے یار کے تئیں　　　لطف فرما کے تئیں مونس و غم خوار کے تئیں
دردِ ہجراں کی مجھے تاب نہیں اُس سے کہو　　　اور تعزیر کرے اپنے گنہ گار کے تئیں
جن نے ظلمات نہ دیکھا ہو سو آ کر دیکھے　　　تیری زلفوں کے تئیں میری شبِ تار کے تئیں
غیر یاسین کسی نے نہ بتایا کچھ اور　　　سب طبیبوں کو دکھایا ترے بیمار کے تئیں
تیری شہرت کو کہاں یوسفِ کنعاں پہنچے　　　گرم تو ان نے کیا مصر کے بازار کے تئیں

1۔ ن رخ "ہاتھوں سے اس کے تاباں ہم جی دکھا رہے ہیں"

سخت حیراں ہوں کہ کس کس کو سراہوں ظالم   قد کے تئیں، سج کے تئیں یا تری رفتار کے تئیں
مجکو پروا نہیں دولت کی جہاں میں تاباں
میں تو رکھتا ہوں سدا چشم گہر بار کے تئیں

192

مرنے کی مجکو آپ سے ہیں اضطرابیاں   کرتا ہے میرے قتل کو تو کیوں شتابیاں
میرا ہی خانماں نہیں ویراں ہوا کوئی   بہتوں کی، کی ہیں عشق نے خانہ خرابیاں
خوانِ فلک پہ نعمتِ الوان ہے کہاں   خالی ہے مہر و ماہ کی دونوں رکابیاں
ہرگز خُمِ فلک میں نہیں ہے شرابِ عشق   غنچوں کی خونِ دل سے بھری ہیں گلابیاں
حلقوں سے اس کی زلف کے رخسار ہے عیاں[1]
تاباں جھمکے میں دیکھو، ہیں کیا ماہ تابیاں

193

خلق کرتی ہے ملامت تیرے سودائی کے تئیں   تو نے پہنچایا ہے یاں تک اس کی رسوائی کے تئیں
سرو کی خوبی کا تھا اے رشک طوبیٰ اعتبار   خاک میں تو نے ملایا اس کی رعنائی کے تئیں
تاک کو میں دیکھتا ہوں رشک سے ہے پیچ و تاب   ان نے دیکھا ہے چمن میں کس کی انگڑائی کے تئیں
چھوڑ کر سب کی رفاقت ساتھ میرا ہی دیا   بیکسی نے دیکھ مجھ بیکس کی تنہائی کے تئیں
جی میں آتا ہے کہ اب رسوا ہوں تیرے عشق میں   کب تلک میں کام فرماؤں شکیبائی کے تئیں
آج جرمِ عشق پر کرتے ہیں مجکو سنگ سار   کوئی خبر جلدی کرے میرے تماشائی کے تئیں

1۔ ن خ "حلقوں میں اس کی زلف کے رخسار ہے کہاں"

دیکھنا ان ماہ رُویاں کا تو اے تاباں نہ چھوڑ
چاہتا ہے گر ہمیشہ نور بینائی کے تئیں

194

خوباں جو پہنتے ہیں نپٹ تنگ چولیاں ان کی سجوں کو دیکھ مریں کیوں نہ لولیاں
ہونٹوں میں جم رہی ہے ترے آج کیوں دھڑی بھیجی تھیں کس نے رات کو پانوں کی ڈھولیاں
جس دن سے انکھڑیاں تری اس کو نظر پڑیں بادام نے خجل ہو پھر آنکھیں نہ کھولیاں
تارے نہیں فلک پہ تمھارے نثار کو لایا ہے موتیوں سے یہ بھر بھر کے جھولیاں
سنبل کو پیچ و تاب عجب طرح کی ہوئی[1] زلفیں جب ان نے جاکے گلستاں میں کھولیاں
گلشن میں ہنسنے کو تمھارے دہن کے ساتھ کھولا تھا منھ کو کلیوں نے پر کچھ نہ بولیاں
تاباں قفس میں آج ہیں وے بلبلیں خموش
کرتی تھیں کل جو باغ میں گل سے کلولیاں

195

ہوتی نہیں ہے اس سے مجھے راہ کیا کروں اس دکھ میں میں جیوں کہ مروں آہ کیا کروں
انجان ہو تو اس سے کوئی درد دل کہے جو جانتا ہو اس کو میں آگاہ کیا کروں
کھڑا سب اس کا خط کی سیاہی میں چھپ گیا آیا گہن میں آہ مرا ماہ کیا کروں
کعبے کو بت کدہ سے کہاں لے چلا ہے شیخ شیطان نے کیا۔ مجھے گمراہ کیا کروں
یوسف سا شخص تو نہ ہوا اپنی بات کا
تاباں میں یہ سمجھ کے کہیں چاہ کیا کروں

1۔ ن رخ ''سے ہوا''

196

نہ مرے پاس عزتِ رمضاں　　نہ کبھو کی عبادتِ رمضاں
دشمنِ عیش کا میں دشمن ہوں　　گو کہ ہے فرض حرمتِ رمضاں
مجکو مسجد سے کام نہیں الا　　سننے جاتا ہوں رخصتِ رمضاں
شیخ روتا ہے اپنی روزی کو　　کہ نہ از بہر فرقتِ رمضاں
کچھ نہ حاصل ہوا کسی کے تئیں　　غیر فاقہ بدولتِ رمضاں
زاہدِ خشک کے تئیں دیکھے　　یاد آتی ہے صورتِ رمضاں
میرے ہم مشربوں میں آ تاباں
رکھتے ہوں گے حضرتِ رمضاں

197

زلف کہاں، کہاں یہ رُخ، سنبل ارغواں کہاں　　لعل کہاں، یہ لب کہاں، غنچہ کہاں دہاں کہاں
خانہ بخانہ، در بدر کوچہ بکوچہ، دشت بدشت　　غم میں ترے پھرے ہیں ہم روتے ہوئے کہاں کہاں
پھرتے ہوئے ہوئی ہے عمر تیری گلی سوائے اب　　ہم سے فلک زدوں کے تئیں اور کوئی مکاں کہاں
دونوں جہاں کا بے نصیب روزِ ازل سے میں بنا　　یاں تو مجھے ہے رنج و غم راحت و عیش واں کہاں
اب یہ قفس ہے اور ہم گل ہیں یہ ہم صفیر ہیں　　ہائے کہاں وہ ہم صفیر وائے وہ گلستاں کہاں
عمر ہوئی کہ جا چکا تیرے ہوائے عشق میں　　مشتِ غبار کا مرے اُہوئے گا اب نشاں کہاں
غم میں ترے ہے ہر طرف تاباں ترے کو دور دور
روئے کدھر وہ بیٹھ کر اور وہ کرے فغاں کہاں

ردیف و

198

شب کو پھرے وہ رشکِ ماہ خانہ بخانہ کو بکو　　دن کو پھروں میں داد خواہ خانہ بخانہ کو بکو

قبلہ نہ سرکشی کرو حسن پہ اپنے اس قدر　　تم سے بہت ہیں کج کلاہ خانہ بخانہ کو بکو

خانہ خراب عشق نے کھو کے مری حیا و شرم　　مجکو کیا ذلیل آہ خانہ بخانہ کو بکو

تو نے جو کچھ کہ کی جفا تا دمِ قتل میں سہی　　میری وفا کے ہیں گواہ خانہ بخانہ کو بکو

تیری کمندِ زلف کے ملک بہ ملک ہیں امیر　　بسملِ خنجرِ نگاہ خانہ بخانہ کو بکو

کل تو نے کس کا خوں کیا مجکو بتا کہ آج ہے　　شور و فغاں و آہ آہ خانہ بخانہ کو بکو

مجکو بلا کے[1] قتل کر، یا تو مرے گناہ بخش　　ہوں میں کہاں تلک تباہ خانہ بخانہ کو بکو

سینہ فگار و جامہ چاک گریہ کناں و نعرہ زن　　پھرتے ہیں تیرے داد خواہ خانہ بخانہ کو بکو

تاباں ترے فراق میں سر کو پٹکتا رات دن
پھرتا ہے مثلِ مہر و ماہ خانہ بخانہ کو بکو

199

مے ہو، چمن ہو[2]، ابر ہو، جامِ شراب ہو　　یا رب کبھو تو میری دعا مستجاب ہو

ہرگز ہمارے قتل میں تاخیر تو نہ کر　　ظالم یہی غرض ہے اگر تو شتاب ہو

سیماب کی طرح ہے ٹھہرنا اسے محال　　جس دل کے تئیں الم میں ترے اضطراب ہو

1۔ ن خ ''سے'' 2۔ ن خ ''ساقی ہوا ہوا ابر ہو''

اے میری جان سمجھو تو انصاف کچھ بھی ہے　　غیروں سے ہم کلام ہو ہم کو جواب ہو
لایا ہمارے سر پہ یہ دل کیا خرابیاں　　اس خانماں خراب کا خانہ خراب ہو
یاں تک تپش ہے عشق کی مجھ میں کہ بعد مرگ　　گل بھی مرے مزار پہ گل کر گلاب ہو
تاباں کے تئیں خمار سے ہے روز دردِ سر
دیتی ہے گر شراب تو ساقی شتاب ہو

200

کب پہنچتا ہے سنبل اس زلف پرشکن کو　　جس پر نثار کریے سو نافۂ ختن کو
ناصح تو آ تو اب کے سینے مرا گریباں　　میں تار تار کردوں سارے یہ پیرہن کو
صیاد تو خزاں میں کیوں چھوڑتا ہے ہم کو　　دیکھیں گے ہم کن آنکھوں اجڑے ہوئے چمن کو
کی سب بنائے ہستی ویراں فلک نے لیکن　　ہرگز شکست ہی نہیں اس گنبدِ کہن کو
تو جورِ دلربا سے شاکی ہو کیوں نہ تاباں
لیلیٰ نے قیس مارا شیریں نے کوہکن کو

201

وہ شوخ ہم سے ہے بیزار دیکھیے کیا ہو　　ملے ہیں تس پہ اب اغیار دیکھیے کیا ہو
چھٹیں گے یا نہ چھٹیں گے بہار آنے تک　　قفس میں ہم ہیں گرفتار دیکھیے کیا ہو
نہیں ہے دل کو تعلق کسی پری رُو سے　　اب ان دنوں ہے یہ بیکار دیکھیے کیا ہو
پھرے ہے ہاتھ سے جس کے یہ خلق فریادی　　کیا ہے ہم نے اسے پیار دیکھیے کیا ہو
میں اس کا لیتا تھا بوسہ جو غیر نے دیکھا　　اگر ہو خواب سے بیدار دیکھیے کیا ہو

دکھائی جب سے دیا ہے مجھے وہ نرگسِ چشم　　ہوا ہوں تب سے میں بیمار دیکھیے کیا ہو
نہیں ہے تاب غمِ ہجر کی مجھے تاباں
جدا ہوا ہے مرا یار دیکھیے کیا ہو

202

تمھارے غم میں جو کچھ مجھ پہ ہے جنجال[1] مت پوچھو　　سنو گے تم تو روؤ گے مرا احوال مت پوچھو
کروں کیا وصف ہکلانے کا اس یاقوت لب کے میں　　بیاں کرتے زباں ہوتی ہے میری لال مت پوچھو
دکھا مہندی بھرے ہاتھوں کو اس خوں خوار نے[2] یارو　　لہو میرا کیا جس طرح سے پامال مت پوچھو
قفس میں اب رہی نہیں طاقتِ پرواز بھی یارو　　ہوئے ہیں جس قدر ہم بے پر و بے بال مت پوچھو
کہوں کیا میں جو کچھ تم بن گزرتی ہے گی تاباں پر
کُڑھے گا جی تمھارا سن کے میرا حال مت پوچھو

203

پھر بہار آئی ہے دیوانہ کی تدبیر کرو　　بے خبر کیا ہو شتابی اسے زنجیر کرو
عاشقاں یار کسی کے نہیں ہوتے تو خط　　صفحۂ دل پہ مری بات کو تحریر کرو
ہوں مقرر میں گنہ گار کہ چاہا تم کو　　خوب رُدیاں مجھے من مانتی تعزیر کرو
دلبراں میرے ستانے سے تمھیں کیا حاصل　　دل گرفتہ ہو جو کوئی اس کو نہ دلگیر کرو
ابھی کہہ دے تو نکل جائے کتابوں کا بھرم
واعظو سامنے تاباں کے نہ تقریر کرو

1۔ ن رخ "احوال"　2۔ ن رخ "کے"

204

چمن ہو، ابر ہو، ساقی ہو، جام[1] صہبا ہو   بڑا مزا ہو جو یہ سب مجھے مہیّا ہو
نہیں ہے مجنوں کے رہنے کو اس سے بہتر جا   جو سر پہ بید کا سایہ ہو اور صحرا ہو
چمن میں سن کے خبر فصلِ گُل کے آنے کی   رہے وہ ہوش میں کیوں کر کہ جس کو سودا ہو
نہ کاڑھ[2] باغ سے اے باغباں قسم ہے کبھی[3]   میں تیرے گل کے تئیں ہاتھ بھی لگایا ہو
جو اس کے قد کی کروں بحث سرو سے تاباں
تو کیا عجب ہے کہ میرا ہی بول بالا ہو

205

میں تو اب مرتا ہوں تم بھی جان صاحب آئیو   دیر مت کیجو شتابی آپ کو پہنچائیو
بے طرح صیاد تیری فکر میں آتا ہے آج   اُڑ سکے گر باغ سے بلبل تو تو اُڑ جائیو
مجھ سے وہ روٹھا ہے میں مرتا ہوں یارو جا کے تم   جس طرح جانو مرے ظالم کو مجھ تک لائیو
میں مروں جس وقت یارو یہ وصیت ہے مری   اس کے کوچے سے مرے تابوت کو لیجائیو
دفن کیجو سایۂ انگور میں ساقی اسے
جو مرے تاباں تو تو یہ آرزو برلائیو

206

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو   ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو
تم حال سن کے اس کا انجان جان کیوں ہو   عاشق تمھارے غم میں ہے نیم جان پہنچو

1۔ ن خ "اور"   2۔ ن خ "نظارہ"   3۔ ن خ "کبھو"

تھا میں تو تم سے بے دل پر اور دلربا اب دل لے چلا ہے میرا اے دلستان پہنچو
ہوں منتظر تمھارا اور جاں بلب ہوں لیکن میں جی کے تئیں نہ دوں گا جب تک نہ آن پہنچو
روتا ہے چاندنی میں کر تم کو یاد تاباں
اس وقت جلد تم بھی اے مہربان پہنچو

207

جس پر کہ جورِ یار و فلک کی جفا بھی ہو کیا حال ہوگا اُس کا جو جیتا بچا بھی ہو
ہووے وہ ریسمان گلو اِس جنوں کے ہاتھ گر کوئی میرا تارِ گریباں رہا بھی ہو
کرتا ہے گر تو بت شکنی تو سمجھ کے کر شاید کہ ان کے پردے میں زاہد خدا بھی ہو
جاتا رہا ہے جب سے تو اے میرے نورِ چشم پھوٹے یہ آنکھ تب سے جو آنسو تھما بھی ہو
تاباں کے ساتھ اپنے تو بیگانہ ہو رہے
تم سچ کہو کسی کے میاں آشنا بھی ہو

208

میسر سب کے تئیں اے چرخ گلگشتِ گلستاں ہو ہمیں کو ہو قفس اور آہ داغِ ہم صفیراں ہو
خدا ہی اِن بتاں سے دل کو پھیرے ورنہ اے یارو نہیں ایسی طرح کوئی کہ یہ کافر مسلماں ہو
سعادت اس کی ہے جو ہاتھ سے تیرے مرے ظالم مجھے کر قتل تو زنہار مت جی میں پشیماں ہو
ہر اک محفل میں ہے تو جلوہ گر اے شمع نورانی کبھی تو روشنی بخشِ شبِ تارِ غریباں ہو
ترے غم میں گریباں چاک ہر عاشق ہے اے ظالم میں ڈرتا ہوں مبادا تجھ سے کوئی دست و گریباں ہو
کرے گر یار مجھکو قتل یا رب مت روا رکھیو کہ روزِ حشر میرا ہاتھ ہو اور اس کا داماں ہو

نہیں ممکن اندھیری رات غم کی کٹ سکے مجھ سے　　مرے سینے میں روشن گر نہ تیرا داغ ہجراں ہو
ہمارا مزرع امید ہے گا خشک مدت سے　　نہ کر منت کشِ باراں تو ہی اے اشک باراں ہو
بجا ہے اس کی تربت پر چڑھانا دستۂ نرگس　　جو کوئی مقتول شمشیرِ نگاہِ چشمِ خوباں ہو
مرا یہ تودۂ خاک ابر رحمت کا نہیں تشنا　　الٰہی اُس کماں ابرو کا اس پر تیر باراں ہو
کہیں فانوس میں تاباں چھپا ہے شمع کا شعلہ
گلِ داغ محبت کس طرح سینے میں پنہاں ہو

209

تجکو چاہا اے ستمگر اب جو ہونا ہو سو ہو　　مرگ کا بھی اُٹھ گیا ڈر اب جو ہونا ہو سو ہو
خار ہوں صحرا میں میں یا در بدر روتا پھروں　　عشق میں تیرے تجا گھر اب جو ہونا ہو سو ہو
ایک دن غم میں تمھارے جی کو دینا سر پٹک　　دل میں ٹھانا ہے مقرر اب جو ہونا ہو سو ہو
چاہتا ہوں اس کو میں عالم کیا ہے جن نے قتل　　جی سے بیٹھا ہاتھ دھوکر اب جو ہونا ہو سو ہو
آئینہ اُس کے مقابل کیوں ہوا پھوڑوں گا میں　　یار خوش ہو یا مکدر اب جو ہونا ہو سو ہو
عشق میں جی جائے یا سر جائے میں پھرنے کا نہیں　　کہہ چکا سب سے مکرر اب جو ہونا ہو سو ہو
شمع ساں ہر استخواں ہو آتشِ غم میں گداز　　یا کرے طعمہ سمندر اب جو ہونا ہو سو ہو
عشق کی گرمی سے ہو جاوے پھپھولا سب بدن　　یا ملے خاروں کا بستر اب جو ہونا ہو سو ہو
چل کے تاباں لے یہیں بیداد گر سے اپنی داد
دیکھیے کب ہووے محشر اب جو ہونا ہو سو ہو

210

عاشق ترا مرے تو قیامت ہی دھوم ہو — عالم کا، گردِ نعش کے اُس کی ہجوم ہو
پیارے سوائے سیب زنخ کے ترے اگر — بوسہ کسی کا لوں تو وہ مجکو زقوم ہو
تجھ بن بہار باغ، خزاں ہی دکھائی دے — مجکو نسیمِ صبح بھی بادِ سموم ہو
بستی تو کیا ہے شیخ یقیں ہے مرے تئیں — اُڑ جائے واں کی خاک جہاں تجھ سا بوم ہو
اس واسطے جلی غمِ پروانہ لے کے شمع — تا بعد یار یار کا جلنا رسوم ہو
اُس سنگ دل کے دل میں تو ہرگز نہ ہوا اثر — گو میری آہِ گرم سے آہن بھی موم ہو

تاباں تو اُس کے حکم کو ہرگز نہ مانیو
جھوٹھا ہی جانیو جسے علمِ نجوم ہو

ردیف ہ

211

ڈھونڈ لے اُس خاک میں ظالم نشانِ سوختہ — جس میں آتی ہوئے بوئے استخوانِ سوختہ
غم میں پروانے کے ہے جو کچھ کہ اُس کی سرگزشت — شمع کہہ سکتی نہیں ہے با زبانِ سوختہ
عشق کی آتش میں قمری جل کے خاکستر ہوئی — رہ گئی ہے سرو پر جوں آشیانِ سوختہ
نعمتِ الوان بھی خوانِ فلک کی دیکھ لی — ماہ نانِ خام ہے اور مہر نانِ سوختہ
آہ آتش ناک کا جب دل سے نکلا دودِ آہ — آشکارا ہو گیا سوزِ نہانِ سوختہ
صرف پروانے ہی پر موقوف نئیں ہے سوزِ عشق — میں بھی رکھتا ہوں دلِ پُر داغ و جانِ سوختہ

آہ کے شعلہ سے اُن کی لگ اُٹھے آگ اُس طرف   جس طرف کو ہو کے نکلیں عاشقانِ سوختہ

عشق کی آتش تو اب دل میں سرایت کر گئی   اشک سے گو میں بجھاؤں خانمانِ سوختہ

اپنے تاباں سوختہ دل کا وہی تو جان گھر

جس جگہ تجکو نظر آوے مکانِ سوختہ

212

گر اُٹھے شعلۂ سوزِ جگرِ پروانہ   آپ سے آپ جلیں بال و پرِ پروانہ

ایک شب آکے کہیں شمع ہوئی تھی روشن   ہے مری خاک پہ اب تک گزرِ پروانہ

اُس طرف شام ہوئی اور ادھر شمع جلی   اس طرف آئی قیامت بہ سرِ پروانہ

شمع رُو کا مرے شاید کہ کبھو دل ہو گداز   حال اپنا میں لکھوں لے کے پرِ پروانہ

شمع کو حاجتِ فانوس نہیں کچھ یارو   اُس کے پردے کے تئیں بس ہے پرِ پروانہ

مرگِ عاشق سے ہے معشوق کے تئیں کب پروا   غم نہیں شمع کو گو ہو ضررِ پروانہ

شمع کی آنکھ میں گل کیوں ہے سبب تمیں معلوم   اُس کو شاید کہ لگی ہے نظرِ پروانہ

عشق میں شمع رُخوں کے جو مرے گل کے عوض   اُس کی تربت پہ رکھو جا کے پرِ پروانہ

کس طرح شمع کے شعلے سے لپٹ جاتا ہے

عشق میں کیا ہی ہے تاباں جگرِ پروانہ

213

ترا مُنھ دیکھ کر کہتا ہوں اے ماہ   کہ کیا روشن ہے یہ اللہ اللہ

کھلے گل اور بہار آئی چمن میں   قفس سے بلبلیں چھٹتی نہیں آہ

میاں صاحب ہمارے حال سے تم   بتاؤ کیوں نہیں ہوتے ہو آگاہ
ہمارا وہ پری رُو اب کہاں ہے   نظر آتا تھا ہم کو گاہ بے گاہ
بہت سا ڈھونڈ کر تاباں تھکا میں
نہ پایا پر کوئی معشوق دل خواہ

214

ظالم تو کھینچتا ہے عبث تیغ مجھ پہ آہ   میرے شہید ہونے کو کافی ہے ایک آہ
دکھلا لہو لہان کفن حق کے روبرو   قاتل سے اپنے حشر کو ہوں گا میں دادخواہ
مدت سے آرزو ہے کہ میری یہ مشتِ خاک   دامن سے اُس کے جا کے لگے ہو غبار آہ
اے بادشاہِ حسن گداؤں میں ہیں ترے   ہم پر نگاہ لطف کی لازم ہے گاہ گاہ
ظالم میں کیا کیا کہ تو کھینچے ہے مجھ پہ تیغ   کوئی کسی کو قتل بھی کرتا ہے بے گناہ
کیا جانیے کہ غیر کے خرمن پہ کب پڑے   رکھتی ہے حکم برق کا مجھ دل جلے کی آہ
تاباں کروں نثار میں حشمت کے نام پر
میرے کیے اگر ہو سلیماں کا مال و جاہ

215

یک بیک تم ہم سے چھوڑی آشنائی واہ واہ   تم کو یونہی چاہیے اے جان میری واہ واہ
قتل کر یا گالیاں دے سب طرح راضی ہیں ہم   جو رضا ہووے ہمارے حق میں تیری واہ واہ
کھب گئی دل میں ہمارے چھب ترے اے جامہ زیب   زور ہی پھبتی[1] ہے تجکو تنگ چولی واہ واہ

1۔ ن خ ''روز ہی پہنی ہے تو نے''

کیا گھٹا آئی تھی اور تو نے نہ دی مجکو شراب　　جی ترستا ہی رہا اے میرے ساقی واہ واہ

جب مجھے دیکھے[1] ہو گالی دے کے چھپ جاتے ہو تم　　یہ عداوت[2] کچھ نئی تم نے نکالی واہ واہ

ایک باری تو سنو احوال میرا آگے تم　　پھر جو کچھ آگے رضا ہووے تمھاری واہ واہ

کیوں نہ پیوے[3] خونِ دل تاباں بھی سن اس بات کو

تم نے اس بن غیر کے گھر جا کے مے پی واہ واہ

216

دے قول اب تلک بھی نہ آیا وہ یار آہ　　اُس بن نہیں ہے دل کو ہمارے قرار آہ

آگے ہی فصلِ گل سے قفس تھا ترے نصیب　　بلبل تو دیکھنے بھی نہ پائی بہار آہ

ہر رات تیرے غم سے نکلتی ہے دل سے جان　　کر یاد تیری زلف کے تئیں بار بار آہ

کرتا ہوں یاد سنگ دلی شعلہ خو کی جب　　نکلے ہے میرے دل سے برنگِ شرار آہ

اے جان تیرے ہجر میں رو رو تڑپ تڑپ

تاباں کے مُنھ سے نکلے ہے بے اختیار آہ

217

کیوں غیر سے لکھا کر بھیجا جواب نامہ　　ہے پیچ و تاب مجکو جوں پیچ و تاب نامہ

قاصد سے میرے اُن نے یہ کہہ دیا زبانی　　آتی ہے عار مجکو لکھتے جواب نامہ

لکھ دوں گا تجکو قاصد میں خط بندگی کا　　اُس شوخ سے اگر تو لایا جواب نامہ

میرا جواب نامہ یاں لکھ چکے پر اب تک　　قاصد پھرا نہ واں سے لے کر جواب نامہ

1۔ ن خ ''دیکھو''　　2۔ ن خ ''اداب''　　3۔ ن خ ''نہ ہووے''

تاباں کے دردِ دل کی باتیں لکھی ہیں اس میں
لانے کا نہیں کبوتر ہرگز تو تاب[1] نامہ

218

گئے نالے ترے برباد مانندِ جرس چپ رہ   اثر دیکھا تری فریاد کا دل ہم نے بس چپ رہ
نہیں ممکن کہ تجکو چھوڑ دے صیاد ہے ظالم   عبث فریاد کیوں کرتا ہے اے مرغِ قفس چپ رہ
مرا ہی شورِ نالہ بس ہے سوتوں کے جگانے کو   نہ پھر ہر رات چلا تا عبث تو اے عسس چپ رہ
جرس فریاد میں تیری کہاں سینہ خراشی ہے   ہمارے نالۂ دل کی عبث مت کر ہوس چپ رہ
گلی میں یار کی روتے ہوئے مدت ہوئی لیکن
کبھو ہنس کر نہیں کہتا کہ اے تاباں تو بس چپ رہ[2]

ردیف ی

219

کسی کا کام دل اس چرخ سے ہوا بھی ہے   کوئی زمانہ میں آرام سے رہا بھی ہے
کسی میں مہر و محبت کہیں وفا بھی ہے   کوئی کسی کا زمانے میں آشنا بھی ہے
کوئی فلک کا ستم مجھ سے بچ رہا بھی ہے   جفا نصیب کوئی مجھ سا دوسرا بھی ہے
برا نہ مانیو میں پوچھتا ہوں اے ظالم   کہ بیکسوں کے ستائے سے کچھ بھلا بھی ہے

1۔ ن خ ''جواب''
2۔ ن خ ''کبھی ہنس کر نہیں بولا نہ کر فریاد بس چپ رہ''

جو پتنگ مغز ہیں وے سوزِ دل نہیں کہتے　　کسی نے شمع سے جلنے میں کچھ سنا بھی ہے
تم اس قدر جو نڈر ہو کے ظلم کرتے ہو　　بتاں ہمارا تمھارا کوئی خدا بھی ہے
تو قاتلوں سے لگاتا ہے دل کو کیوں تاباں
کہ اُن کے ہاتھ سے جیتا کوئی بچا بھی ہے

220

میں نے چاہا تھا رکھوں عشق کو پنہاں تیرے　　کیا کروں پھوٹ بہے دیدۂ گریاں میرے
زندگی اُس کی بتا دے تو کوئی ہو کیوں کر　　رات دن جس کو رہے درد و الم غم گھیرے
یار کو مجھ سے تڑاتا ہے تجھے کیا حاصل　　اور بھی رنج ہیں اے چرخ تجھے بہتیرے
آج یاں خیمے کو برپا تو بھی کر لے اے حباب　　کل خدا جانئے ہوویں گے کدھر کو ڈیرے
ان بتاں سے کبھی پھرنے کا نہیں ہے تاباں
عشق سے اُن کے مگر اس کو خدا ہی پھیرے

221

کوئی کم ہے ایسا کہ جیتا بچا ہے　　تجھے جن نے دیکھا ہے سو مر گیا ہے
کسے چاہتا ہے کہاں مبتلا ہے　　تڑپتا ہے کیوں دل تجھے کیا ہوا ہے
نہ مارا مرے ہے نہ کاٹا کٹے ہے　　مجھے سخت اس دل نے عاجز کیا ہے
کوئی مجھ سا بیکس نہ ہوگا جہاں میں　　کہ نے کوئی مونس ہے نے آشنا ہے
نبھے گی مری اس کی کس طرح تاباں
میں نازک طبیعت ہوں وہ میرزا ہے

222

فصلِ گل آئی ہے لیکن باغ میں صیاد ہے بلبلوں کے حق میں یاروسخت یہ بیداد ہے
کیا توقع زندگی کی ہوگی وصلِ یار سے دل مرا محروم ہے، مایوس ہے، ناشاد ہے
کیوں نہ خوش وقتی ہوحاصل دل کے تئیں اے بحرِ حسن مجکو تیرا سبزۂ خط سہر خضر آباد[1] ہے
جانتے ہیں لوگ جس کے تئیں سویدا سو نہیں عشق کا دل میں مرے یہ داغ مادرزاد ہے
کر گریباں چاک ان کے ہاتھ سے صحرا میں جا
شہر میں خوباں کے تاباں ظلم اور بیداد ہے

223

مرا خورشید رُو سب ماہ رُویاں بیچ یکا ہے کہ ہو جلوے میں اس کے کیا کہوں اور ہی جھمکا ہے
نہیں ہونے کا چنگا گر سلیمانی لگے مرہم ہمارے دل پہ کاری زخم اس ناوک پلک کا ہے
کئی باری بنا ہوئی جس کی پھر کہتے ہیں ٹوٹے گا یہ حرمت جس کی ہووے شیخ کیا تیرا وہ مکا ہے
ہر اک کے دل کے تئیں لے کر وہ چنچل بھاگ جاتا ہے ستم گر ہے، جفا جو ہے، شرابی ہے، اُچکا ہے
نہ جا واعظ کی باتوں پر ہمیشہ سے کو پی تاباں
عبث ڈرتا ہے تو دوزخ سے اک شرعی دھکا ہے

224

خط ہے یا یہ مصحفِ رُخ کی ترے تصویر ہے یا کسی عاشق کے دودِ آہ کی تاثیر ہے
کیونکہ ہو آزاد قمری بندگی کے طوق سے سرو کی ہر شاخ گویا اس کے تئیں زنجیر ہے
ایک دن بھی سنگدل کے دل میں نہیں ہوتا اثر روز اس کے غم میں مجکو نالۂ شب گیر ہے

1۔ خضر خاں نے 1418ء میں جمنا کے کنارے اوکھلا (جامعہ) کی طرف ایک شہر بسایا تھا جو آج بھی خضر خاں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ شاکر ناجی کے ایک شعر میں بھی خضر آباد کا ذکر آیا ہے: (مرتب)
بسکہ ہے مجھ کوں سبزی یاد دل مرا ہے شکار خضر آباد (شاکر ناجی)

دام لاتا ہے عبث صیاد بلبل کے لیے — رنگِ گل کی موج ہی اس کے تئیں زنجیر ہے
حرص سے دنیا کی ہووے کس طرح آزاد تو — رشتۂ طولِ امل زاہد ترا زنجیر ہے
فصلِ گل آتی ہے دیوانو کرو کچھ اپنا فکر — ہر طرف سنتا ہوں میں پھر شیونِ زنجیر ہے
چاندنی ہے آج تاباں یا رد پہلی ہے زمیں
یا یہ چادر نور کی ہے یا یہ جوئے شیر ہے

225

تو بھلی بات سے ہی میری خفا ہوتا ہے — آہ کیا چاہنا ایسا ہی بُرا ہوتا ہے
تیرے ابرو سے مرا دل نہ چھٹے گا ہرگز — گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے
میں سمجھتا ہوں تجھے خوب طرح اے عیار — تیرے اس مکر کے اخلاص سے کیا ہوتا ہے
ہے کفِ خاک مری بسکہ تبِ عشق سے گرم — پانو واں جس کا پڑے آبلہ پا ہوتا ہے
دل مرا ہاتھ سے جاتا ہے کروں کیا تدبیر — یار مدت کا مرا ہائے جدا ہوتا ہے
راہبر منزلِ مقصود کو درکار نہیں — شوقِ دل اپنا ہی یاں راہ نما ہوتا ہے
غیر ہرجائی مرا یار لیے جاتا ہے
مجھ پہ تاباں یہ ستم آج بڑا ہوتا ہے

226

قفس سے چھوٹنے کی کب ہوس ہے — تصور بھی چمن کا ہم کو بس ہے
بجائے رخنۂ دیوارِ گلشن — ہمیں صیاد اب چاکِ قفس ہے
فغاں کرتا ہی رہتا ہے یہ دن رات — الٰہی دل ہے میرا یا جرس ہے

کٹیں گے عمر کے دن کب کے بے یار　　مجھے اک اک گھڑی سو سو برس ہے
ہماری داد کے تئیں کون پہنچے　　نہ کوئی مونس نہ کوئی فریاد رس ہے
گلی میں یار کی ہو جایئے خاک　　مرے دل میں یہ مدت سے ہوس ہے

سفر دنیا سے کرنا کیا ہے تاباں
عدم ہستی سے راہِ یک نفس ہے[1]

227

ساقی ہوائے ابر، ہوائے شراب ہے　　اس وقت سے نہ دے تو قیامت، عذاب ہے
شبنم نہیں ہے یہ تری انکھیوں کے شوق میں　　ہر صبح غم سے دیدۂ نرگس پُر آب ہے
شاید کیا ہے یاد مجھے آج یار نے　　اس وقت میرے دل کو نپٹ اضطراب ہے
دیکھ اس کو شمع تاب نہ لائی پگھل گئی　　اس شعلہ خو کے حسن کی کیا آب و تاب ہے

اس خانماں خراب کی تقصیر کچھ نہیں
تاباں ہمارا دل ہی یہ خانہ خراب ہے

228

گلے لگ رات کو وہ گلبدن جب ساتھ سوتا ہے　　ہمارا صبح کو جامہ بسا پھولوں میں ہوتا ہے
ہوا ہے تجھ سے اے پیارے جدا جس روز سے عاشق　　کبھی ہنستے نہ دیکھا اس کو جب دیکھا تو[2] روتا ہے
تو سے پی اس قدر ظالم کہ تجکو کیف کم ہوئے　　ترا بے ہوش ہو جانا ہمارا ہوش کھوتا ہے
نظر آتی ہے یوں بوندیں عرق کی تیری زلفوں میں　　کہ جیسے اپنے بالوں میں کوئی موتی پروتا ہے

1۔ ہستیِ عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ　　دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا (سودا)
2۔ ن خ "وہ"

پڑا ہے شور عالم میں ترے تاباں کی گرمی کا
اُچٹ جاتی ہیں نیندیں سب کی جب راتوں کو روتا ہے

229

بتاں پر جب سے دل مائل ہوا ہے ۔۔۔ خدا کی یاد سے غافل ہوا ہے
تری تیڑھی نگہ سے اے ستمگر ۔۔۔ اک عالم قتل اور بسمل ہوا ہے
غم و درد و الم اور محنت و رنج ۔۔۔ یہ مجکو عشق میں حاصل ہوا ہے
ستایا لے کے دل کو اس کے کیوں جان ۔۔۔ کہ عاشق تم سے اب بے دل ہوا ہے

اسے مرہم سلیمانی ہے درکار
کہ دل تاباں کا اب گھائل ہوا ہے

230

فصلِ گل ہے بہارِ گلشن ہے ۔۔۔ میں ہوں بے یار و کنج گلخن ہے
آج کے دن کے کیوں نہ ہوں قرباں ۔۔۔ اس کا خنجر ہے میری گردن ہے
داغِ دل نہیں ہے میرے سینے میں ۔۔۔ کوٹھری میں چراغ روشن ہے
شمع کی طرح ہجر میں ہر شب ۔۔۔ اشک آلودہ میرا دامن ہے
کوئی بلبل ہوئی ہے صید مگر ۔۔۔ ہم صفیروں میں آج شیون ہے
کیوں نہ لیوے ہمیشہ یہ جلوہ[1] ۔۔۔ شمع ہر شب نئی ہی دلہن ہے

اور تو فن بہت ہیں پر تاباں
عاشقی کا بھی[2] اور ہی فن ہے

1۔ ن خ ''کیوں نہ ہو جلوہ گر ہمیشہ وہ'' 2۔ ن خ ''کچھ''

231

ہوئے ہیں جا کے عاشق اب تو ہم اس شوخ چنچل کے — ستمگر، بے مروت، بے وفا، بے رحم، اچپل کے
غزالوں کو تری انکھیوں سے کچھ نسبت نہیں ہرگز — کہ یہ آہو ہیں شہری اور وے وحشی ہیں جنگل کے
گرفتاری ہوئی ہے دل کو میرے بے طرح اس سے — کہ آئے پیچ میں کیسے ہی ان کی زلف کے بل کے
یہ دولت مند اگر شب کو نہیں یار و تو پھر کیا ہے — کہ ہیں یہ چاندنی راتوں کو بھی محتاج مشعل کے
تمھارے درد سر سے صندلی رنگوا اگر جی دوں — تو چھاپے قبر پر دینا مری تم آ کے صندل[1] کے
کوئی اس کو کہے ہے دام کوئی زنجیر کوئی سنبل — ہزاروں نام ہیں کافر تری زلفِ مسلسل کے

بیاباں بن ہمیں الفت نہیں ہے شہر سے ہرگز
طرح مجنوں کے تاباں ہم تو دیوانے ہیں جنگل کے

232

دل نہیں ہے مرا یہ اخگر ہے — لائق طعمۂ سمندر ہے
سینۂ گل کو چاک کیا — آہ بلبل کی کیا موثر ہے
تو نے دیکھا ہے اس کو کن آنکھوں — آج آئینہ کیوں مکدر ہے
سر رکھوں یار کے کفِ پا پر — ہائے یہ عیش کب میسر ہے
قتل سے اپنے میں نہیں ڈرتا — گر یہی جی میں ہے تو بہتر ہے
مت ہو بے صبر مل رہے گا تجھے — تیری قسمت میں جو مقدر ہے
شبِ ہجرانِ یار کو مت پوچھ — روزِ محشر سے بھی یہ بدتر ہے

1۔ ''اس درد سر کا لٹکا سر سے لگا ہے میرے — لو سر کا ہو وے صندل میں پیر ماناہوں (میر)

ننگ و ناموس کو اُڑا بیٹھا
میرا تاباں عجب قلندر ہے

233

ہزاروں بار صاحب ہوش کی تدبیر پھرتی ہے — ولیکن حق تعالیٰ کی نہیں تقدیر پھرتی ہے
ترے رخسار پر دیکھا ہے میں نے زلف کو ظالم — دلوں کے قید کرنے کے لیے زنجیر پھرتی ہے
نہ گل کچھ بات کہتا ہے نہ غنچہ مُنھ لگاتا ہے — تبھی بلبل چمن میں دیکھ تو دلگیر پھرتی ہے
سلیماں کیا ہوا جو تو نظر آتا نہیں مجکو — مری انکھیوں کی پُتلی میں تری تصویر پھرتی ہے

نہ ہو قربان کیوں تاباں سن اے ترک کماں ابرو
تری ترچھی نگہ جوں بازگشتی تیر پھرتی ہے

234

کیا کریں کیوں کر رہیں دنیا میں یارو ہم خوشی — غم کو رہنے ہی نہیں دیتا ہے ہرگز غم خوشی
ہم تو اپنے درد اور غم میں نپٹ محظوظ ہیں — ہم کو کیا اس بات سے رہتا ہے گر عالم خوشی
اے عزیزو اس خوشی کو کوئی خوشی نہیں پہنچتی — عاشق اور معشوق جب ہوتے ہیں مل باہم خوشی
اے فلک جس جس طرح کا غم تو چاہے مجکو دے — میں کبھی نالاں نہ ہوں ہرگز رہوں ہردم خوشی

یار ہے، مے ہے، چمن ہے، کیوں نہ ہم خوش وقت ہوں
اس طرح کی ہوگی اے تاباں کسی کو کم خوشی

235

نہیں دیتا ہے وہ ظالم کسی کی داد کیا کیجے — جو ہو بے رحم یارو اس سے جا فریاد کیا کیجے

بہار آئی ہے اور ہم ہیں قفس میں بند مدت سے — ہمارا جی ترستا ہے ارے صیاد کیا کیجے

یہی ہے آرزو جی میں کہ اپنے ہاتھ سے مریے — ہمیں تو قتل نہیں کرتا ہے وہ جلاد کیا کیجے

نہیں ممکن کہ تیرے وصل کی ہم کو خوشی ہووے — مریں گے ہجر میں افسوس ہم ناشاد کیا کیجے

بجز تکوار تو تاباں سے ہرگز بات نہیں کہتا[1]

ترے ہاتھوں سے اے قاتل بتا فریاد کیا کیجے

236

مرا خورشید رُو آتا ہے کھولے بال کیا کیجے — مقرر آج آیا سر پہ سب کے کال کیا کیجے

نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ ہنستا ہے، نہ روتا ہے — ترے عاشق کا ہائے جان اب یہ حال کیا کیجے

مرا دل ایک تو رہتا ہے دیوانہ سدا تم پر — بہار آ کر ستاتی ہے اسے ہر سال کیا کیجے

تمھاری زلف سے دل کو گرفتاری ہوئی میرے — ہوا اس دام سے چھٹنا اسے جنجال کیا کیجے

کوئی ایسا نہیں جو قید سے ان کو چھڑا دیوے — قفس میں بلبلوں کا ہے بُرا احوال کیا کیجے

دیا برباد ہم نے آپ کو پر وہ نہیں آتا — یہی کہتے ہیں رو رو خاک سر میں ڈال کیا کیجے

یہ بچی بات سے تاباں کبھی قائل نہیں ہوتے

عبث ان واعظوں سے جا کے قیل و قال کیجے

237

ملے ہے غیر سے جا جا مرا دل خواہ کیا کیجے — مرا کچھ بس نہیں چلتا ہے اس پر آہ کیا کیجے

نہیں پاتے کوئی معشوق ہم دل خواہ کیا کیجے — اسی حسرت میں ہم مرتے ہیں یارو آہ کیا کیجے

1۔ ن خ ''کرتا''

پھریں ہم خاک سر میں ڈالتے اور پوچھتے گھر گھر　　نہ پائے یار کے کوچے کو تو بھی آہ کیا کیجے

ہزار افسوس ہے اس سنگ دل کے دل میں اے یارو　　اثر کرتی نہیں ہرگز ہماری آہ کیا کیجے

میاں صاحب سبب کیا ہے بتاؤ اپنے بندوں سے　　دماغ اب اس قدر کرتے ہو تم اللہ کیا کیجے

ہم اس کے ہجر میں مرتے ہیں لیکن اب تلک ظالم　　نہیں ہوتا ہمارے حال سے آگاہ کیا کیجے

کیا یعقوب سے یوسف نے کیا اور کیا زلیخا سے

سمجھ اس بات کو تاباں کسی سے چاہ کیا کیجے

238

کرے گر قتل ظالم ہم کو بے تقصیر کیا کیجے　　بتاؤ مجکو اے یارو اسے تعزیر کیا کیجے

پھرے ہر چند دیوانے ہم ان کے عشق میں لیکن　　نہیں ہوتے پری رُو آشنا تدبیر کیا کیجے

میں ڈرتا ہوں کہیں نازک انگوٹھے کو نہ دکھ پہنچے　　کماں کو کھینچتا ہے شوخ بے زہ گیر کیا کیجے

جو سن کر نام اس کی زلف کا بے تاب ہوتا ہے　　الٰہی ایسے دیوانے کے تئیں زنجیر کیا کیجے

بہت میں فکر کی ہرگز نہ آیا دام میں میرے　　ہوا وہ مَن ہرن جا اور کا نخچیر کیا کیجے

ستانا عاشقِ بے دل کو کیا لازم ہے اے صاحب　　دیا ہو جن نے دل تم کو اسے دلگیر کیا کیجے

کماں ابرو نے تاکا تھا مرے دل کے نشانے کو　　لگایا غیر کے سینے میں ان نے تیر کیا کیجے

جو غم مجھ پر گزرتا ہے تمھارے خط کے آئے سے　　سو کہنے میں نہیں آتا اسے تحریر کیا کیجے

ترا مہ رُو چکوروں میں گیا اور تو رہا تنہا

یہی تھی ہائے اے تاباں تری تقدیر کیا کیجے

239

ہر چند تم سے حال ہمارا چھپا تو ہے — لیکن کسی سے تم نے بھی کچھ کچھ سنا تو ہے
میری نصیحتوں کو نہ مانا ہزار حیف — کھینچے گا سخت رنج تو اے دل لگا تو ہے
ہو مجکو دسترس تو میں ٹکڑے کروں اسے — پھولوں کا ہار تیرے گلے اب پڑا تو ہے
برباد گئی ہوا میں تری سب تو پوچھ دیکھ — گو میری مشتِ خاک نہیں اب صبا تو ہے

تاباں حرم کو جاؤں گا اب میں بھی چھوڑ دیر
کوئی بتاں نہ ہوویں[1] ہمارا خدا تو ہے

240

عشق کیا ہے جا کسی کامل سے پوچھا چاہیے — ماجرا اُس کا کسی عاقل سے پوچھا چاہیے
کیا تڑپنے میں مزا ہے قتل ہو ظالم کے ہاتھ — اس کی لذت کے تئیں بسمل سے پوچھا چاہیے
ہم سے کیوں ملتا نہیں عطار کا بیمار ہے — درد اپنے کی دوا قاتل سے پوچھا چاہیے
کیوں چڑھاتا ہے ہر اک دم تیوری تلوار کھینچ — آج برہم کس پہ ہے قاتل سے پوچھا چاہیے
جن نے اس کا زخم کھایا ہوا سے معلوم ہے — تیغ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہیے

یار کے جور و جفا و ظلم سے معلوم نہیں
کیا گزرتی ہوگی تاباں دل سے پوچھا چاہیے

241

کس طرح سے ہو سکے تیرے مقابل آرسی — ہر مژہ چبھتی ہے تیری دل میں اس کو آرسی

1۔ ن۔خ ''کوے بتاں نہ ہووے''

کن نے آ آنکھیں دکھائیں باغ میں نرگس کے تئیں   کیا سبب ہے جو نظر آتی ہے یہ بیماری سی
پار ہوجاتا ہے سینے سے ترا تیر نگاہ   دل میں لگتی ہے مرے ابرو تری تلواری سی
حق کہا منصور نے سولی چڑھایا اُس کے تئیں   راستی کی بات کیوں لگتی ہے سب کو داری سی

جا کے وہ مہ رُو چکوروں کا ہوا ہے آشنا
اس سے ملتے مجکو اب آتی ہے تاباں عاری

242

نہیں تم مانتے میرا کہا جی   کبھی[1] تو ہم بھی سمجھیں گے بھلا جی
اچنبھا ہے مجھے بلبل کہ گل بن   قفس میں کس طرح تیرا لگا جی
تمھارے خط کے آنے کی خبر سن   میاں صاحب نپٹ میرا کڑھا جی
زکوٰۃ حسن دے میں بے نوا ہوں   یہی ہے تم سے اب میری صدا جی
کسی کے جی کے تئیں لیتا ہے دشمن   مرا تو لے گیا ہے آشنا جی
تھکا میں میر کر سارے جہاں کی   مرا اب سب طرف سے مر گیا جی

جلایا آکے پھر تاباں کو تونے
ہماری جان اب تو بھی سدا جی

243

اس بے وفا کو میرے جا کر کوئی سناوے   مشکل ہے مجکو جینا گر آج تو نہ آوے
ظالم ہو یا ستمگر بانکا ہو یا سپاہی   ہم تو ملیں گے اس سے یہ سر رہے کہ جاوے

1۔ ن خ "کبھو"

عاشق کو دیکھتے ہی دیتا ہے گالیاں وہ کس کو غرض پڑی ہے کون اس کے پاس آوے
بے بال و پر ہے بلبل اور بند ہے قفس میں گلشن کو یاد کر کر کیوں کر نہ تڑپھڑاوے
رونے کو بھول جاوے بے اختیار ہنس دے
تاباں کو جب وہ مہ رُو ہنس ہنس گلے لگاوے

244

یار نے پگڑی بجی ہے زور ہی آج اس کی سج بنی ہے زور ہی
شوخ نے گالی جو مجکو ہنس کے دی میرے تئیں پیاری لگی ہے زور ہی
یک تہی تن زیب کی اے گلبدن بر[1] میں تیرے کھب رہی ہے زور ہی
زلف کالی یہ تری اے ماہ رُو رنگ گورے پر کھلی ہے زور ہی
فصلِ گل آئی ہے تاباں چل کے دیکھ
دھوم گلشن میں مچی ہے زور ہی

245

مرے دل کی سی اے یارو جرس فریاد کیا جانے تڑپ یہ اِس طرح کی کشتۂ جلاد کیا جانے
تری زلفوں کو دل لینے کے لاکھوں پیچ آتے ہیں یہ شکلیں صید کرنے کی کوئی صیاد کیا جانے
نگہ لو ہے کے آئینہ میں تیری ڈوب جاتی ہے لگانا اِس صفا سے نیشتر فصاد کیا جانے
ہزاروں سر گریں تیری بھوؤں کے اک اشارت میں یہ جلدی اور ایسا کسب کوئی جلاد کیا جانے
میں کھویا رفتہ رفتہ غیر کے تئیں پاس سے تیرے یہ بھاری کوہ سر سے ٹالنا فرہاد کیا جانے

1۔ ن خ ''بر''

284

میں دوں تشبیہ کیوں کر اس کے تئیں آہن سے اے پیارے
جو کچھ سختی ہے میرے دل میں سو فولاد کیا جانے

یقیں ہے میرے تئیں تاباں کہ جمع نونہالاں میں
یہ اٹھکھیلی کے چلنے کی طرح شمشاد کیا جانے

246

پھرے ہے آج بلبل گرد دیواروں کے منڈلاتی
ترے ڈر سے ارے صیاد گلشن میں نہیں جاتی

بڑے حظ لوٹتی جا کر چمن کے بیچ ہر گل سے[1]
اگر بلبل قفس سے فصلِ گل میں چھوٹنے پاتی

تڑپتا ہے مرا جی بے طرح اے جان آ پہنچو
نظر آتی نہیں تم بن مجھے یہ جان ٹھیراتی

تمھارے گل سے چہرے پر طرح بلبل کے شیدا ہوں
مجھے تم بن کسی گل رُو کی صورت خوش نہیں آتی

دیا برباد یاں تک آپ کو میں عشق میں تیرے
کہ میری خاک بھی ظالم کبھی ڈھونڈے نہیں پاتی

جلا کر خانماں اپنا جو صحرا میں نکل جاتے
تو میرے آہ کے شعلے سے واں بھی آگ لگ جاتی

اگر وہ زلف اپنی کھول دکھلاتا کہیں مجھ کو
تو کیا جانوں کہ میرے سر کے اوپر کیا بلا آتی

نہ پاتا کھوج زاہد میکدے میں دخترِ رز کا
اگر خُم سے نکل آ کر مری انکھیوں میں چھپ جاتی

بڑے حظ لوٹتا میں زندگی اپنی سے دنیا میں
اگر اس تیغ ابرو ساتھ میری عمر کٹ جاتی

جو مہ رُو پہن جوڑا بادلے کا رات آ جاتا
تو جھمکا دیکھ اس کا چاندنی بھی فرش ہو جاتی

نہ جی لگتا ہے اب گھر میں نہ صحرا مجکو بھاتا ہے
کہو تاباں کہ ہم جاویں کہاں کچھ بن نہیں آتی

1۔ ن خ ”بڑے حظ لوٹتی جا کر چمن میں جا کے ہر گل سے“

247

ہجر میں ظالم کے کیوں کر دل کے تئیں بہلایئے　　کر گریباں چاک اپنا کس طرف کو جایئے

ہجر ہی ہم کو رہے گا یا رکھیں امید وصل　　دل میں جو ہووے تمھارے سو ہمیں فرمایئے

دل کو میں ہر چند کہتا ہوں کہ خوباں سے نہ مل　　یہ سمجھتا ہی نہیں کیوں کر اُسے سمجھایئے

غیروں کی صحبت سے بہتر ہے کہ کریے احتراز　　دوستوں کی بات کو خاطر میں اپنے لایئے

دل لگا جب یار سے تب صبر اور طاقت کہاں　　..

فکر میں ایذا کی رہتا ہے یہ سب کی روز و شب　　ہاتھ سے اس چرخ کے آرام کیوں کر پایئے

ماہ رُو کچھ مہرباں ہوتا نظر آتا نہیں

جی میں آتا ہے مرے تاباں کہ اب مر جایئے

248

پوچھیں کسے [1] کہ یار ہمارے کہاں گئے　　معلوم نئیں کدھر [2] کو سدھارے کہاں گئے

جب دیکھتے تھے ہم کو تو ہوتے تھے تم خوشی　　اب وے سلوک ہائے تمھارے کہاں گئے

ڈھونڈا بہت پہ کھوج نہ پایا اُنھوں کا ہائے　　معلوم ہم کو کچھ نہ ہوا وے کہاں گئے

ہم کیا کہیں کدھر کو پکاریں کسی کے تئیں　　تم ہم کو غم میں چھوڑ کے پیارے کہاں گئے

تاباں کو تم نے کچھ نہ بتایا ہزار حیف

وہ کس طرف کو جا کے پکارے کہاں گئے

249

بتاں کے شہر ناپرساں میں کوئی کب داد کو پہنچے　　مگر واں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے

1۔ ن خ ''معلوم نئیں''　2۔ ن خ ''پوچھیں کسے''

خبر سن فصلِ گل کی بلبلیں جاتی ہیں گلشن کو　　قیامت ہو اگر ان کی خبر صیاد کو پہنچے
نہیں آتا ہے وہ خوں خوار جی کو کیا کریں یارو　　خدا کے واسطے جلدی کہو جلاد کو پہنچے
کیا جب قتل ظالم نے تو یہ کہہ جی دیا ہم نے　　یہی تھی آرزو دل میں اب اپنی داد کو پہنچے

عبث تو چاہتا ہے داد اپنی اس سے اے تاباں
وہ ہے بیدادگر کیوں کر تری فریاد کو پہنچے

250

ہوتا تمھارے عشق کا کیوں دردِ سر مجھے　　یہ رنگ صندلی نہ خوش آتا اگر مجھے
عاشق کے واقعہ کو کہا سن کے یار نے　　مرنے نہ دیتا اس کو جو ہوتی خبر مجھے
کہتا میں اپنے حال کو کس کس طرح سے ہائے　　ہوتا اگر نہ جور کا ظالم کے ڈر مجھے
پتھرا گئی ہیں چشم ترے انتظار میں　　آتا نہیں ہے ہائے پری رُو نظر مجھے
ہر رات میں نڈر ہو پیوں کیوں نہ شیخ مے　　ہرگز نہیں ہے حشر کے دن کا خطر مجھے
ناصح خدا کہے تو نہ چھوڑوں بتاں کا عشق　　کرتی ہے کوئی تیری نصیحت اثر مجھے

تاباں ہزار کوس پہ گل رُو ہو تو بھی جاؤں
بلبل کی طرح ہووے اگر بال و پر مجھے

251

اے باغباں چمن سے نہ کر اب جدا مجھے　　آئی ہے راس باغ کی آب و ہوا مجھے
دریا میں کیوں نہ ڈوب مروں اس الم سے ہائے　　جاتا رہا ہے چھوڑ مرا آشنا مجھے
آزردہ ہو گیا تو عبث مجھ سے کس لیے　　کیا میں ترا گناہ کیا ہے بتا مجھے
جاتا ہوں تیرے در سے صنم نا امید ہو　　پھر منھ ترا کبھی نہ دکھاوے خدا مجھے

ظالم تری جفا سے ہوا ہوں تنگ میں طاقت نہیں ہے جور کی تو مت ستا مجھے
کہتی ہے عندلیب کہ تو گل سے کر جدا صیاد اس چمن سے کہاں لے چلا مجھے
تاباں چبھے ہے اُس کی مژہ دل میں تیری
مشکل ہوا ہے اُس کی طرف دیکھنا مجھے

252

غم اپنا گلبدن کے تئیں سنایا ہم نے کئی باری نہ اُن نے آ کے کی تو بھی ہمارے دل کی غم خواری
طرح منصور کے جو اپنے جی کو عشق میں دے گا اُسی کو عاشقاں کی فوج میں ہووے گی سرداری
میں ہر دم، ہر گھڑی، ہر پل ترے غم میں تڑپتا ہوں مجھے تجھ بن ہوئے ہیں ہائے یوں دن کاٹنے بھاری
صنم میرا بتاں میں ہے بڑا ہی سنگ دل کافر کروں میں کب تلک جا جا کے منت اُس کی ہر باری
بہار آئی ہے تاباں کس طرح صیاد سے چھوٹیں
قفس میں عندلیبیں کر رہی ہیں آہ اور زاری

253

ہمارا دل لگا ہے گلبدن سے پری رُو سرو قد غنچہ دہن سے
تمھارے آشیاں کو عندلیبو کیا صیاد نے ویراں چمن سے
ادا کی کھینچ کر تلوار ظالم مرا دل لے گیا ہے بانکپن سے
مرے قاتل کا کیا ہو حشر میں حال جو آوے بوئے خوں میرے کفن سے
تو ہرگز چھوڑ یو مت شعر کہنا
کہ تاباں نام رہتا ہے سخن سے

254

ایک ہی جام کو پلا ساقی　　عقل اور ہوش لے گیا ساقی
ابر ہے مجھ کو مے پلا ساقی　　اس ہوا میں نہ جی کڑھا ساقی
لب دریا پہ چاندنی دیکھوں　　ہو اگر مجھ سے آشنا ساقی
صبح آیا شراب میں مخمور　　نیند سے اُٹھ کے مسمسا ساقی
سب کے تئیں تو نے مے پلائی ہے　　میں ترستا ہی رہ گیا ساقی
قہر ہے مے اگر نہ دے اس وقت　　جھوم آئی ہے کیا گھٹا ساقی
کیا مزے سے کروں چمن کی سیر　　گرچہ ہو ابر اور ہوا ساقی
درد سر ہے خمار سے مجھ کو　　جلد لے کر شراب آ ساقی

گر تو تاباں کو مے پلاوے گا
تیرا احساں نہ ہوگا کیا ساقی

255

نہ جاؤ باغ میں اے بلبلو صیاد بیٹھا ہے　　تمھاری فکر میں وہ خانماں آباد بیٹھا ہے
ہوا ہے کام تجھ سے عشق میں شیریں کے ایسا ہی　　کہ پتھر میں بھی تیرا نقش اے فرہاد بیٹھا ہے
مجھے ناشاد روتا چھوڑ یارو شمع رُد میرا　　خوشی سے غیر کی محفل میں جا کیا شاد بیٹھا ہے
کہیں دیکھا ہے مشکل آ سیا ایذا میں دانا کی　　کبھی آرام سے یہ چرخ بے بنیاد بیٹھا ہے
بچیں گے کس طرح جیتے ہم ان خوباں کی مجلس میں　　ہمارے قتل کو یاں تو ہر اک جلاد بیٹھا ہے
ترے کوچے میں آ کر نقش پا کی طرح مدت سے　　کہ عاشق دے کے اپنا خانماں برباد بیٹھا ہے

کرے تو کس طرح تاباں غلط الفاظ معنی میں
کہ تیرے پاس حشمت سا ترا اُستاد بیٹھا ہے

256

باغباں مغرور مت ہو فصلِ گُل دن چار ہے جب خزاں آئی نہ یہ گل ہے نہ یہ گلزار ہے
کیا ہو گر پہلے نہیں ہوں اُس کے ہاتھوں سے شہید میں سنا ہے آج کھینچے تیغ وہ خوں خوار ہے
عشق کے ہاتھوں سے سب عاشق یہی کہتے گئے جی لیے بن چھوڑتا نہیں کیا بُرا آزار ہے
یہ مرے آنسو نہیں گرتے ہیں سن اے لعل لب یاد میں دنداں کی تیرے چشم گوہر بار ہے
کوئی طرح ایسی نہیں ہوتی کہ میں آزاد ہوں دل مرا قید علائق سے نپٹ بیزار ہے
آئینہ ہو کیوں نہ حیراں دیکھ تیرے مُنھ کے تئیں جن نے دیکھا ہے تجھے وہ صورتِ دیوار ہے[1]

آشنا حشمت سا رکھتا ہوں نہیں محتاج میں
کیمیا کا علم تاباں مجھ کو کیا درکار ہے

257

عاشق کو ستا مت کہ بُرا کام یہی ہے مر جائے گا اس کام کا انجام یہی ہے
اے بلبلو مت جائیو تم باغ میں زنہار ہر گل جو گلستاں میں ہے واں دام یہی ہے
نے منھ سے لگا اپنے کسی غیر کو مت دے اے جان مجھ بوسہ بہ پیغام یہی ہے
معلوم ہوئی خواب سے مرنے کی حقیقت یعنی کہ بڑا دہر میں آرام یہی ہے

مہ رویاں کی تعریف میں تو شعر کہا کر
تاباں ترا آخر کے تئیں نام یہی ہے

1۔ رات مجلس میں تری ہم بھی کھڑے تھے چُپکے جیسے تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ (میرؔ)

258

دل زلف کے حلقے میں گرفتار ہوا ہے　　اس دام سے چھٹنا اُسے دشوار ہوا ہے
جو ربط میں یکساں ہی رہے تا دمِ آخر　　ایسا بھی زمانے میں کوئی یار ہوا ہے
اب چھوڑ کے دنیا کے تئیں ہو جیے آزاد　　دل قیدِ علائق سے یہ بیزار ہوا ہے
تدبیر میں پورا ہو اگر کیسا ہی دانا　　پر موت کے ہاتھوں سے وہ ناچار ہوا ہے
تعزیر جو تاباں پہ کریں یہ سو بجا ہے
دل دے کے بتاں کو یہ گنہ گار ہوا ہے

259

جوں برگِ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے　　کیا ہو کہ برگِ تاک سے یوں مے ٹپک پڑے
جوں عکسِ آفتاب ہو بے تاب موج سے　　دریا میں تیرے مُنھ کی اگر ٹک جھلک پڑے
بے شبہ جانتا ہوں کہ ملتا ہے تجھ سے غیر　　تیری طرف سے دل میں مرے کیوں نہ شک پڑے
محفل کے بیچ سن کے مرے سوزِ دل کا حال　　بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے
تاباں بجز تلاش نہیں شعر کا مزا
پھیکا ہے وہ طعام نہ جس میں نمک پڑے

260

اگر گلشن میں تیرے پان کھانے کا بیاں ہووے　　تو سن کر رشک سے غنچہ کا دل لوہولہاں ہووے
بھری ہے اشک سے چھاتی مری یاں تک جو ٹک رووں　　تو پھر روئے زمیں پر نوح کا طوفاں عیاں ہووے
اگر میں ہجر میں تیرے کروں آہ و فغاں ظالم　　ابھی عالم میں ظاہر سب مرا رازِ نہاں ہووے

مری چشموں سے اک دم اشک کا دریا نہیں تھمتا میں ڈرتا ہوں مبادا غرق میرا خانماں ہووے
میں مر جاؤں وہیں غیرت سے صدقے پہ گلشن کے قیامت ہو اگر مانع مرے تئیں باغباں ہووے
تو جب ہمراہ ہو کر جان گاڑے اپنے ہاتھوں سے ترے کوچے سے عاشق کا جنازہ تب رواں ہووے
جہاں صیاد سا دشمن ہو تاباں عندلیبوں کا
کہو کس طرح اب آبادان کا آشیاں ہووے

261

اگر وہ شعلہ رو منھ سے نقاب اپنا اُٹھا دیوے تجلّی حُسن کی دکھلا اک عالم کو جلا دیوے
مری فریاد وہ بیداد گر ہرگز نہیں سنتا جو ہو بے رحم وہ عاشق کی اپنے داد کیا دیوے
مسیحا کی طرح آوے اگر تو نعش پر میری عجب کیا ہے کہ مُردے کو نئے سر سے جلا دیوے
عبث مت کر تو فکرِ آشیاں اے بلبلِ بے کس نہیں ممکن کہ تجکو باغباں گلشن میں جا دیوے
میں جب جاتا ہوں اُس کے پاس ملنے کو تو کہتا ہے ارے کوئی ہے کہ اس کمبخت کو یاں سے اُٹھا دیوے
اگر چھوٹے تو پھر دیکھیں گے گل کو ورنہ کیا قسمت مرا پیغام اتنا باغ میں جاکر صبا دیوے
کہا ہے اِس زمیں میں ریختہ تاباں نے یہ ایسا
کہ کیسا ہی کوئی ہو سنگ دل اس کو رُلا دیوے

262

عیش سب خوش آتے ہیں جب تلک جوانی ہے مرد دل وہ ہوتا ہے جو کہ شیخ فانی ہے
جب تلک رہے جیتا چاہیے نہ بولے آدمی کو چپ رہنا موت کی نشانی ہے
جو کہ تیرا عاشق ہے اس کا اے گلِ رعنا رنگ زعفرانی ہے اشک ارغوانی ہے

292

آہ کی نہیں طاقت تاب نہیں ہے نالے کی   ہجر میں ترے ظالم کیا ہی ناتوانی ہے
چار دن کی عشرت پر دل لگا نہ دُنیا سے   کہتے ہیں کہ جنت میں عیش جاودانی ہے
گل رُخاں کا آب و رنگ دیکھنے سے میرے ہے   حسن کے گلستاں کی مجھ کو باغبانی ہے

دل سے کیوں نہیں چاہوں یار کو کہ اے تاباں
دلربا ہے پیارا ہے جیوڑا ہے جانی ہے

263

تم سے اب کامیاب اور ہی ہے   آہ ہم پر عذاب اور ہی ہے
اُس کو آئینہ کب پہنچتا ہے   حسن کی آب و تاب اور ہی ہے
رند واعظ سے کیوں کہ سر بر ہو   اس کی چھوہ کی کتاب اور ہی ہے
ہجر بھی کم نہیں ہے دوزخ سے   اِس سقر کا عذاب اور ہی ہے
اس کو لگتی ہے کب کوئی تلوار   تیغ ابرو کی آب اور ہی ہے
یوں تو ہے سرخ یار کا چہرا   پر پیے جب شراب اور ہی ہے
مجکو اس نیند سے نہیں آرام   میری راحت کا خواب اور ہی ہے
بحث علمی سے کب ہیں یہ قائل   جاہلوں کا جواب اور ہی ہے
یاد میں تیری زلف و کاکل کی   دل کے تئیں پیچ و تاب اور ہی ہے
اس ستم گر کا مجھ پہ ہر ساعت   جور و ظلم و عتاب اور ہی ہے

کس طرح سے گہر کہوں تاباں
اس کے دنداں میں آب اور ہی ہے

264

برابر عشق میں کب ہو سکے ہے کوہکن ہم سے　　اگر مجنوں بھی ہوتا سیکھتا دیوانہ پن ہم سے

اسی حسرت میں رو رو ہم نے اپنا جی دیا آخر　　کبھی ہنس کر نہ بولا ہائے وہ غنچہ دہن ہم سے

ہزاروں بار اس کے پانو پر سر رکھ کے منت کی　　لپٹ کر تو بھی ٹک سوتا کبھی وہ گلبدن ہم سے

قفس میں عندلیباں یاد کر گلشن کو کہتی ہیں　　چھڑا لیا ہائے اے صیاد تو نے کیوں چمن ہم سے

نہ چھوٹا ہم سے یہ دیوانہ پن اور ہم چلے تاباں
ہوئیں گلیاں بھی سونی ہائے اب چھٹتا ہے بن ہم سے

265

پہاڑوں میں مجھے فرہاد محزوں یاد آتا ہے　　بیاباں دیکھ خالی مجکو مجنوں یاد آتا ہے

شرابِ ارغوانی دیکھ کر مینا میں اے ساقی　　بہت میرے تئیں وہ چہرہ گلگوں یاد آتا ہے

کوئی جب مصرعۂ برجستہ پڑھتا ہے مرے آگے　　مجھے اس وقت میں وہ سرو موزوں یاد آتا ہے

کرو کچھ فکر اس کی ٹک تو زنجیراں تڑاوے گا　　بہار آئی ہے دیوانے کو ہاموں یاد آتا ہے

مئے گلگوں ہوائے ابر میں جس وقت پیتا ہوں　　نہایت مجکو تب وہ چشمِ میگوں یاد آتا ہے

ترے غم میں اسے تو رات دن روتے ہی جاتے ہیں　　کبھی تجکو بھی ظالم اپنا مفتوں یاد آتا ہے

کہا میں چاہتا ہوں ریختہ جس وقت اے تاباں
مجھے بے اختیار اس وقت مضموں یاد آتا ہے

266

قفس سے چھٹ کبھی دیکھیں گے یارب گلستاں پھر بھی　　کریں گے جاکے ہم آباد اپنا آشیاں پھر بھی

مجھے اٹھکھیلیوں کی چال اس کی یاد آتی ہے　　نظر آوے گا مجکو ہائے وہ سروِ رواں پھر بھی
لگایا ہے نگہ کا تیر دل میں جس طرح میرے　　ٹک اک تو دیکھ لے اس طرح اے ابرو کماں پھر بھی
ملایا خاک میں جن نے بج اپنی ہم کو دکھلا کر　　کبھی اس راہ ہو آوے گا وہ سروِ رواں پھر بھی

مرا خورشید رو روٹھا ہے اب تو مجھ سے اے تاباں
یہ حسرت ہے کہ ہووے گا وہ مجھ پر مہرباں پھر بھی

267

میں رویا غم سے یاں تک لالہ رو کے　　کہ چشموں سے بہے دریا لہو کے
میں اپنا عضو عضو اے نازک اندام　　فدا کرتا ہوں تیرے مو بہ مو کے
یہ سارے خوبرو بیگانہ خو ہیں　　نہیں یہ آشنا ہرگز کسو کے
نہ پایا با وفا دنیا میں کوئی　　ہم عاشق ہو چکے ہر خوبرو کے

پڑا ہے بس میں دل بے طرح تاباں
ستم گر، بے مروت، جنگ جو کے

268

مدت سے نہ تھی مجکو خوباں کی گرفتاری　　پھر عشق کی آ دل میں تلوار لگی کاری
جس طرح ترے غم میں دن کاٹتے ہیں بھاری　　روتے ہی گزرتی ہے یہ رات مجھے بھاری
اے جان مجھے تجھ بن آرام نہیں ہرگز　　ہر روز ہے بے تابی ہر رات ہے بیداری
غنچہ کی طرح کھل کر اک بار ٹک اک ہنس لے　　اے شوخ ہنسی تیری لگتی ہے مجھے پیاری
بیڑوں کو چبا ظالم عاشق کا لہو پینا　　اتنی بھی روا کب ہے بے رحمی و خوں خواری

سن شور بہاراں کا زنجیر تڑا بھاگا   دیوانے کی کوئی دیکھے بے ہوشی میں ہشیاری
ہے گل سے اگر بلبل نالاں تو عجب کیا ہے   معشوقوں کا شیوا ہے عاشق کی دل آزاری
ہیہات کبھی ظالم ٹھوکر بھی لگاتا نہیں   میں پانو پہ سر اس کے رکھا ہے کئی باری

کاٹیں ہیں بتاں تاباں جوں شمع زباں میری
یاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہ گاری

269

مجھے عیش و عشرت کی قدرت نہیں ہے   کروں ترکِ دنیا تو ہمت نہیں ہے
کبھی غم سے مجھ کو فراغت نہیں ہے   کبھی آہ و نالہ سے فرصت نہیں ہے
صفوں کی صفیں عاشقوں کی اُلٹ دیں   قیامت ہے یہ کوئی قامت نہیں ہے
برستا ہے مینہ میں ترستا ہوں مے کو   غضب ہے یہ بارانِ رحمت نہیں ہے
مرے سر پہ ظالم نہ لایا ہو جس کو   کوئی ایسی دنیا میں آفت نہیں ہے
ہے ملنا مرا فخر عالم کو لیکن   ترے پاس کچھ میری حرمت نہیں ہے
میں گورِ غریباں پہ جاکر جو دیکھا   بجز نقشِ پا لوحِ تربت نہیں ہے
بری ہی طرح مجھ سے روٹھی ہیں مژگاں[1]   انھیں کچھ بھی چشمِ مروت نہیں ہے
تو کرتا ہے ابلیس کے کام زاہد   ترے فعل پر کیونکہ لعنت نہیں ہے

میں دل کھول تاباں کہاں جاکے روؤں
کہ دونوں جہاں میں فراغت نہیں ہے

1۔ ایک نسخہ "پھری ہی تری مجھ سے رہتی ہیں مژگاں"

270

خوشی گل سے بلبل کو کب ہوئے گی　　وہ اوقات اپنی عبث کھوئے گی
نہ کہیو مرا سوز دل شمع سے　　وہ دل سوختہ صبح تک روئے گی
نہ ہو تیرے منھ کی سی ہرگز صفا　　رخ گل کو شبنم اگر دھوئے گی
بڑھاپا تو آیا شب ہجر میں　　الٰہی کبھی صبح بھی ہوئے گی
جو بلبل گئی اب کے تاباں چمن میں
تو حق اپنے میں کانٹے پھر بوئے گی

271

بندہ ہوں اس کا جی سے مجھے کچھ کہو کوئی　　رکھتا ہو دل میں چوٹ محبت کی جو کوئی
کیا کیا اذیتیں ہیں جدائی میں الحفیظ　　یا رب نہ اس بلا میں گرفتار ہو کوئی
تیری گلی میں دیکھ مرے حالِ زار کو　　ملتا ہے کوئی ہاتھ تو دیتا ہے رو کوئی
ٹانکے تو ٹوٹ جاویں گے جب آہ نکلے گی　　اس زخمِ دل کو میرے عبث مت سیو کوئی
قدرت کسے کہ تجھ سے کوئی بات کر سکے　　طاقت کسے کہ ہووے ترے رو برو کوئی
قاتل تو اپنی تیغ کو دھوتا ہے کیوں عبث　　جاتا ہے میرے خون کا یہ رنگ و بو کوئی
تاباں فلک کے جور سے نالاں نہیں ہوں لیک
سب کچھ ہو پر کسی کا مقید نہ ہو کوئی

272

صلا اے عندلیباں پھر گلستاں میں بہار آئی　　جنوں کے دغدارو خوش ہو فصلِ لالہ زار آئی

نہ پایا ہم سا کوئی دلسوز ادنیٰ اور اعلیٰ میں　　ہماری خاک پر تب شمع روتی زار زار آئی
مرے تو چاہنے سے تم نپٹ بیزار ہوتے تھے　　میں حیراں ہوں کہ کیونکر غیر سے صحبت برآر آئی
گئے از بسکہ رو خلق ہو ہم دارِ فانی سے　　ہماری استخواں کھاتے ہُما کے تئیں بھی عار آئی

کیا تھا وصف تیری انکھڑیوں کا ان نے گلشن میں
ترے تاباں پہ نرگس سیم و زر کرنے نثار آئی

273

کس سے فریاد کروں میں کہ وہ ہرجائی ہے　　آہ اس بات میں تو اپنی ہی رسوائی ہے
گلبدن دیکھ تری چھب کے تئیں حسرت سے　　نقش طاؤس صفت چشمِ تماشائی ہے
دیکھیے میرا جنوں اب کے کرے گا کیا کیا　　فصلِ گل آہ میں سنتا ہوں کہ پھر آئی ہے
میں زباں زد ہوں ترے عشق میں دیوانوں کا　　شہرتِ عشق یہ مجنوں نے کہاں پائی ہے

ربط خوباں کا تجھے خوب نہیں اے تاباں
سخت بے حرمتی و باعثِ رسوائی ہے

274

محفوظ عشق سے ہم یارو اگر رہیں گے　　تو کوئی دن جہاں میں بے دردِسر رہیں گے
اے اہلِ باغ اب تو جاتے ہیں ہم قفس میں　　چھوٹے تو پھر ملیں گے گر بال و پر رہیں گے
اُگنے کا ممکن ہے سبزہ گرمی سے قبر پر بھی　　آتش کے غم کی از بس مجھ پر شرر رہیں گے
مشاطہ زلف تیری شانہ کرے کہ گوندھے　　ہم ہر طرح سے اپنا من مار کر رہیں گے
جاتی ہے عمر ہر دم ہم کو خبر نہیں ہے　　کیا جانیے کہ کب تک ہم بے خبر رہیں گے

سہ سہ کے جور تیرے خاموش تو ہیں لیکن　　سن لیجیو کسی دن ہم رک کے مر رہیں گے

لوٹیں گے خاک پر گل اور شمع ہوگی گریاں　　مرنے کے بعد بھی ہم صاحب اثر رہیں گے

ہولی جلی قفس میں دعوائے عشق کر کر　　کس منھ سے ہم چمن میں پھر آن کر رہیں گے

گو اُن نے ہم سے تاباں اب کی ہے بے وفائی

کرنا جو کچھ کہ ہوگا سو ہم بھی کر رہیں گے

275

نہ تجھے شرم بے وفائی ہے　　نہ مجھے طاقتِ جدائی ہے

وجد کرتا ہے خوش ہو وہ بسمل　　تیری تروار جن نے کھائی ہے

آج تھمتے نہیں مرے آنسو　　تیرے کوچے کی راہ پائی ہے

بسکہ ہے کہنہ گنبدِ گردوں　　کہکشاں میں دراڑ آئی ہے

ہو کے دیوانہ میرے تاباں نے

ہر طرف دھوم کیا مچائی ہے

276

یا رب اِس غم نے کیا پیر، ہوا خم قد بھی　　کوچۂ زلف کی پاوے گا کبھو سرحد بھی

کوہکن سخت ترے حال پہ رحم آتا ہے　　جانِ شیریں بھی گئی اور نہ ہوا مقصد بھی

گرم از بسکہ ہے بازار بتاں اے زاہد　　رشک سے ٹکڑے ہوا ہے حجر الاسود بھی

تیرے آنے کی ہی حسرت میں ہزاروں مر گئے　　ہے یہ آمد تو قیامت ہے تری آمد بھی

آدمی اُس پہ جو بیٹھا سو خداوند ہوا　　کم نہیں تخت سے فرعون کے، کچھ مسند بھی

قید تھی اُس کو ہمیشہ ہی کہ عریاں رہیے   گو موحد تھا پہ بے قید نہ تھا سرمد بھی

ہے وہ احمق جو رکھے مجھ سے جدائی تاباں
گو نہیں نیک کسی سے تو نہیں ہے بد بھی

277

مجھے ان دنوں سخت دیوانہ پن ہے   کدھر کو ہے مجنوں کدھر کوہکن ہے
اسیری سے یاں تک ہوئی اب تو الفت   کہ شامِ قفس ہم کو صبحِ چمن ہے
کروں کیا میں تعریف اُس نازنیں کی   نہ جس کی کمر ہے نہ جس کا دہن ہے
فراغت سنی ہے میں عریاں تنی میں   مرا ہاتھ ہے آج اور پیرہن ہے
سفیدی جو آئی ہے ڈاڑھی میں تیری   سمجھ بے خبر تار و پودِ کفن ہے
فقط چشم ہی تیغِ ابرو بہ کف نئیں   سپاہِ مژہ بھی تری صف شکن ہے

مقرر نہیں میرے تاباں کا مذہب
کہیں ہے مسلماں، کہیں برہمن ہے

278

ساقی ہوا ہے ابر ہے زور ہی بہار ہے   اس وقت جی شراب کو بے اختیار ہے
تو تند اس طرف سے گزریو نہ اے صبا   اس کی گلی میں دیکھیو میرا غبار ہے
حاجت نہیں ہے روشنیِ شمع کی اسے   عاشق کا داغِ دل ہی چراغِ مزار ہے
ظالم وفا مری کو تو لیتا ہے کیا حساب   اتنی جفا و ظلم کا بھی کچھ شمار ہے

تاباں کا جورِ یار سے اور دستِ چرخ سے
سینہ ہمیشہ چاک ہے اور دل فگار ہے

279

ترے پاس عاشق کو[1] عزت کہاں ہے　　تجھے بے مروت، مروت کہاں ہے
بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی　　مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے
میں شکوہ کروں جورِ ظالم کا لیکن　　مجھے آہ و نالہ سے فرصت کہاں ہے
کروں دعوئ خونِ قاتل سے اپنے　　کب آوے گی یا رب قیامت کہاں ہے
تمنا تری ٹھوکروں کی ہے لیکن　　رکھوں پانو پر سر یہ جرأت کہاں ہے
مری خاک پر لوگ رکھتے ہیں گل کو　　تری دلربائی کی غیرت کہاں ہے

جو اس کی کمر میں نے دیکھی ہے تاباں
رگِ گل میں ایسی نزاکت کہاں ہے

280

میرے سیاہ روز کو غم خوار کون ہے　　جز بیکسی رفیقِ شبِ تار کون ہے
فرصت نہیں ہے شور وفغاں سے جرس کے تئیں　　اس کارواں میں ہائے دلِ زار کون ہے
تیغِ جفا سے جن نے نہ پھیرا ہو مُنھ کے تئیں　　ایسا سوائے دل کے جگر دار کون ہے
جس کے کراہنے سے اُچٹتی ہے میری نیند　　میری گلی میں آج دلِ افگار کون ہے[2]

تاباں کا شور سن کے وہ کہتا ہے جان بوجھ
جا کر اُٹھا دے کوئی یہ[3] بیمار کون ہے[4]

1۔ ن خ ''کی'' 2۔ ن خ '' جا کر اٹھا دے کوئی یہ بیمار کون ہے''
3۔ ن خ ''میری گلی میں آج دلِ افگار کون ہے'' 4۔ ن خ ''وہ''

281

ممکن نہیں کہ ان سے کبھو دل مرا پھرے　　گو ان بتاں کے عشق میں ناصح خدا پھرے
از بس ہوا ہوں عشق کی آتش میں میں گداز　　محروم طعمہ خاک سے میری ہما پھرے
شور جنوں کا سرد ہے بازار ان دنوں　　آوے بہار جلد الٰہی ہوا پھرے
روؤں خدا نہ خواستہ گر ایک دم بھی میں　　دریا میں جوں حباب یہ گردوں بہا پھرے
تاباں یقیں ہے یہ کہ وہیں خاک ہو رہے
بھولے سے اس گلی میں اگر کوئی جا پھرے

282

یوں تری زلف میں دیکھے ہیں گرفتار کئی　　ایک زنجیر میں جیسے ہوں گنہ گار کئی
کس کی تروار[1] کا میں شکر کروں حیراں ہوں　　قتل کرتے ہیں مجھے جمع ہو خوں خوار کئی
باغباں اپنے گلستاں پہ نہ ہو تو مغرور　　مل گئے خاک میں ایسے گل و گلزار کئی
سخت حیراں ہوں میں کس کس سے بچاؤں یارب　　قطرۂ خوں ہے یہ دل اور ہیں خوں خوار کئی
ہاتھ آوے کہیں تاباں تو نہ جیتا چھوڑیں
مل کے آپس میں یہ کہتے ہیں ستمگار کئی

283

الفت ہوئی ہے کنج قفس سے زبس مجھے　　گلگشت گلستاں کی نہیں اب ہوس مجھے
از بس رہا تصور گل ہر نفس مجھے　　اب ہو گیا احاطۂ گلشن قفس مجھے

1۔ ن خ "تلوار"

تنہا میں آر ہوں گا کہو کارواں کو جائے   کرتا ہے بے دماغ یہ شورِ جرس مجھے
جاتی رہی ہے نیند مری ہجر میں ترے   پاتا ہے جاگتے ہی ہمیشہ عسس مجھے

ابروکا اس کی وصف، تکلف سے گر کروں
تاباں تو دیجیو نہ کوئی تیغ حسن مجھے

284

ترے ہجر میں کچھ خوش آتا نہیں ہے   مجھے اپنا جینا بھی بھاتا نہیں ہے
مرا جی تڑپتا ہے اس بن نہایت   کوئی یار کو ہائے لاتا نہیں ہے
گھٹا مفت جاتی ہے بے رحم ساقی   مجھے ساغر مے پلاتا نہیں ہے
ابھی فرش کردوں گا لاتوں کے مارے   ترا شور مجکو خوش آتا نہیں ہے

میں کرتا ہوں فریاد جب اس کے آگے
تو کہتا ہے تاباں تو جاتا نہیں ہے

285

دلا حوادثِ دنیا سے کیوں تجھے غم ہے   فلک کے ہاتھ تو عالم کا کام برہم ہے
شہیدِ خنجر تیر و سنانِ مژگاں ہوں   یہ میری لاش جو ہے حق کہ لاش رستم ہے
الم سے تیرے شہیدوں کے گل ہے چاک بہ جیب   یہ سرو نہیں ہے گلستاں میں نخلِ ماتم ہے
اگر میں خوف سے دوزخ کے جنتی ہوں شیخ   جو ہو تو واں تو بھلا یہ عذاب کیا کم ہے
سمجھ بھی ہے تجھے کچھ تو جو توڑتا ہے اسے   یہ دل نہیں ہے مری جان عرشِ اعظم ہے
کیا میں فرض کہ محشر کے تئیں مجھے بخشیں   جو تو نہ ہووے تو فردوس بھی جہنم ہے

نکل تو قید علائق سے جلد اے تاباں
جہاں میں بے سرو پائی کا زور عالم ہے

286

دل بے تاب کی آہوں سے تو ڈر بہتر ہے — دود سیماب سے اے جان حذر بہتر ہے
پوچھتا ہوں میں اُسے علم کا جوہر ہے جسے — اشک بہتر ہے ہمارا کہ گہر بہتر ہے
عاشقِ مہر لقا ہوں، کسی سے کام نہیں — مت کہو مجھ سے کوئی یوں کہ قمر بہتر ہے
دل میں لگتی ہی نہیں ترک کماں ابرو کے — تیر میں آہ ہماری سے اثر بہتر ہے
نام فردوس کا سنتی ہوئی سب باتیں ہیں — یار اپنے ہی کے کوچے میں گزر بہتر ہے
کچھ دکھائی بھی تو دیتی ہی نہیں میرے میاں — کیا کہوں کیوں کہ کہوں تیری کمر بہتر ہے
برگِ گل کے بھی تئیں توڑ کے یارو دیکھو — ہے وہ بہتر کہ مرا لختِ جگر بہتر ہے
تو ملے غیر سے اور مجھ سے رہے یوں ناخوش — مجکو اس نفع سے اے شوخ ضرر بہتر ہے

ماہ رُو شہر کا تو یار ہے لیکن اکثر
اپنے تاباں کی طرف ایک نظر بہتر ہے

287

جہاں میں سیر ارم گرچہ سیر گلشن ہے — بغیر یار کے لیکن مجھے تو گلخن ہے
چمن میں ہے دلِ ہر غنچہ دیکھو لو[1] پر خوں — جگر خراش یقیں بلبلوں کا شیون ہے
خبر بھی ہے تجھے اے بے خبر مری ظالم — کہ تیرے ہجر میں عاشق قریب مردن ہے

1۔ ن خ "تو"

ہوئی ہے[1] اشک کے پانی کی آب جو ہر ایک　　　جہاں تلک کہ ہماری یہ چیرن دامن ہے

یہ کون ڈھب ہے کہ ہر روز پوچھتے ہو مجھے

جو حال ہے دلِ تاباں کا تم پہ روشن ہے

288

کب تلک اس ماہ رُو کے غم میں رویا کیجیے　　　خواب و خور برباد دے جا سیرِ صحرا کیجیے

ایک بوسہ کے عوض دیتا ہوں اپنے جی کو میں　　　جی[2] میں گر آوے تمھارے تو یہ سودا کیجیے

منع کرتے ہیں ترے ملنے سے مجکو شیخ جی　　　اب کی گر آویں تو اُن کو خوب رُسوا کیجیے

دم حباب آسا ہے اور کارِ جہاں بحرِ عمیق　　　سخت حیراں ہوں کہ اس فرصت میں کیا کیا کیجیے

تم جو اپنے ہاتھ سے کھوتے ہو تاباں کے تئیں

ایک تو اُس سا ہوا خواہوں میں پیدا کیجیے

289

چاہنے میرے سے تیری گرم بازاری ہوئی　　　جا بجا مانند یوسف کے خریداری ہوئی

دیکھ تیری زلف اے سر حلقۂ دام آوراں　　　دل کو میرے از سرِ نو پھر گرفتاری ہوئی

اب میں روزِ قیامت بھول میں بیٹھا ہوں سے　　　کچھ نظر آتا نہیں جب رات اندھیاری ہوئی

دیکھیے میرے جنوں سے اس برس کیا حال ہو　　　فصلِ گل آتے ہی مجکو سخت دشواری ہوئی

ایک دن وہ ہوگا تاباں خاک تیری ہوگی سنگ

چار دن کے واسطے کیوں زندگی بھاری ہوئی

1۔ ن خ "ہوئے ہیں" 2۔ ن خ "دل"۔

290

اک دن بھی ہنس کے بات نہ اُس شوخ نے کہی　　مجکو تمام عمر یہی آرزو رہی
عاشق نے وقتِ مرگ کہا یار سے، یہی　　سمجھوں گا تجھ سے حشر کے دن دیکھ تو سہی
دیکھا جو میری نبض کو کہنے لگا طبیب　　مجنوں مُرا تھا جس سے، یہ آزار ہے وہی
باراں ہمارے اشک کو کیوں کر پہنچ سکے　　پھرتی ہے موج اشک کی بھی یاں بہی بہی
ہوگئی ہے کیف سی مری آنکھوں میں خودبخود　　سبزی تمھارے خط کی جو دیکھی ہے لہلہی
ظالم نے جاں کنی میں مجھے دیکھ کر کہا　　عاشق تو کیوں ہوا تھا سزا ہے تری یہی
آئی بہار کیوں کہ گریباں کو کریئے چاک　　ہاتھوں میں ہائے ضعف سے طاقت نہیں رہی
ہرگز ہم اپنے قتل سے ناخوش نہ ہوں کبھو　　اس میں اگر خوشی ہے تمھاری تو یوں سہی
پہنچی نہ تجھ کو ہائے مرے حال کی خبر　　قاصد گیا تھا[1] ان نے بھی اپنی ہی کچھ کہی

تاباں نے تجکو دیکھتے ہی اپنا جی دیا
سننے نہ پایا تیری نہ اپنی ہی کچھ کہی

291

قیامت مجھ پہ کل کی رات اُس کے ہجر میں لائی　　نہ آیا یار میرا. آج بھی وہ رات پھر آئی
ترے آئینہ رُخ میں تو مُنھ دیتا ہے دکھلائی　　صفائی اس طرح کی ماہ تاباں میں کہاں پائی
اگرچہ سرد کو تشبیہ تیرے قد سے ہے لیکن　　تری سی اُس نے چھب تختی و رعنائی کہاں پائی
پڑا ہے یار پر سر چیر ناحق جان شیریں دی　　ہوا معلوم مجکو کوہکن تھا سخت سودائی

1۔ ن خ "تو"

نہیں ممکن کہ شہرت اور دیوانے کی واں پھر ہو　　کہ اک صحرا نشینی کی طرح مجنوں سے بن آئی
تمھارے عشق میں پھرتا جو ہوں میں ہر طرف روتا　　کوئی کہتا ہے دیوانہ کوئی کہتا ہے سودائی
جلے یوں چاہیے عاشق برہ کی آگ میں چپکے　　زبانِ شمع میں جیسے نہیں ہوتی ہے گویائی
ہمارے اُس بسنتی پوش کے آنے سے مجلس میں
پڑی ہے دھوم تاباں اس طرح گویا بسنت آئی

292

لگ جائے ہے دل میرا ہر یوسفِ ثانی سے　　بیزار ہوں میں یارو ایامِ جوانی سے
کب تک نہ کروں ظاہر میں عشق ترا ظالم　　جلتا ہے مرا سینا اِس سوزِ نہانی سے
میں خواب میں رویا تھا دیکھو اُس مہِ کنعاں کو　　تھی صبح مری بالیں تر اشک فشانی سے
دم مارتی تھی ظالم وہ تیرے لبوں آگے　　میں دخترِ رز کے تئیں پتلا کیا پانی سے
جز آہ و فغاں اس میں کچھ ذکر نہیں ہرگز
دیوان مرا تاباں کم نہیں ہے فغانی سے

293

عشق تو کر چکا ہے سب کوئی　　پر بتاؤ تو مجھ سا اب کوئی
میں دوں تشبیہ شکر کے ساتھ　　اور چوسے تمھارے لب کوئی
دیکھتے ہی تجھے ہوا ہوں خراب　　یہ ستم ہے کہ ہے غضب کوئی
آئینہ رخ کا خط تلک نہ چھپا　　پھیر دیکھے گا اُس کو کب کوئی
وائے اُس عیش اور عشرت پر　　تو نہ ہو اور کرے طرب کوئی

جیسے کھب جائے کوئی غنچہ دہن   سیکھ لے مجھ سے آ وہ ڈھب کوئی

اعتبارِ وفا ہو گر تیرا   تجکو چاہے گا جان جب کوئی

تو ہو بدمست میں نہ چھیڑوں تجھے   مجھ سے ہوتا ہے یہ ادب کوئی

شمع پر جیسے ہووے پروانہ   تجکو دیکھے گر ایک شب کوئی

میری تقصیر تو کرو ثابت   روٹھتا بھی ہے بے سبب کوئی

عشق میں ننگ و نام کھو بیٹھا

میرا تاباں بھی ہے عجب کوئی

294

علاجِ دل فگاراں ہے تری انکھیوں کی مخموری   کہ حد نافع ہے زخمی کے تئیں صہبائے انگوری

رہی نہیں اب تو ہرگز مجھ میں یارب طاقتِ دوری   شتابی سے کہیں ہوں دفع یہ ایامِ مہجوری

تجھے اے ماہ رُو میں شمع سے تشبیہ دوں کیوں کر   کہ کچھ نسبت نہیں ہے اُس کو وہ ناری ہے تو نوری

زلیخا آن کر یوسف کے کیوں پہلو نشیں ہوتی   نہ کرتا ابتدا میں حسن پر گر اپنے مغروری

نہ پڑیو کوئی یارب ہاتھ میں بے قدر کے ہرگز   یہی گرنے میں کرتی ہے سدا چینی یہ فغفوری

خبر شیریں کے مرنے کی عوضِ انعام کے بھیجی   بھلی خسرو نے دی فرہاد کو محنت کی مزدوری

نہ ہوگی گور میں منعم کے ہرگز روشنی تاباں

جلے ہر رات گو تربت پہ اُس کے شمع کافوری

295

نامہ تو (؟) شعلہ کو کبوتر تو لے اُڑے   پر جل اُٹھے جو اُس کی گلی کی طرف مڑے

308

واعظ تو مجھ سے بحث کے سر بر نہ رہ سکے　　لیاوں میں ٹانگ کھینچ فلک پر اگر اُڑے
غارت ہوں ایک پل میں صفوں کی صفیں اُدھر　　ظالم تری سیاہ مژہ جس طرف مڑے
پرچے اُسی سے خوب وہ دکھنی پسر کہ جو　　بھربھر سپاریوں کے اُسے زور دے بُڑے

تاباں سے اپنی جان تمھیں توڑنی نہ تھی
مشکل ہے اب جو اُس سا کوئی پھر تمھیں جُڑے

296

جو کشتۂ تیغ نگہ یار نہ ہووے　　یا رب اُسے ہرگز ترا دیدار نہ ہووے
دُنیا میں بُتاں کا جو پرستار نہ ہووے　　محشر میں خدا کا اُسے دیدار نہ ہووے
صحرا میں چلوں راہ پھپھولوں سے میں کیونکر　　گر خار مرے پانو کا غم خوار نہ ہووے
ہے سخت قیامت کہ جو ہو عشق کا بیمار　　حسرت ہی میں مرتا ہووے اور یار نہ ہووے
جینے سے تو اُس شخص کے مرنا ہی بھلا ہے　　جو کوئی کہ تری چشم کا بیمار نہ ہووے
اے شیخ جو کچھ مکر تجھے یاد ہیں شاید　　شیطان بھی اس طرح کا مکار نہ ہووے
محروم ہے وہ سایۂ طوبیٰ سے مقرر　　جس پر کہ ترا سایۂ دیوار نہ ہووے
جو اس میں اذیت ہے سو راحت ہے مرے تئیں　　یا رب مجھے جز عشق کچھ آزار نہ ہووے
کیا جانے کوئی کشمکشِ دامِ حوادث　　جب تک تری تروار کا پھر وار نہ ہووے
کیا عشق ہے اُس کا جو کوئی ننگ و حیا چھوڑ　　رسوائے سر کوچہ و بازار نہ ہووے
مر جائے تو لے جائیو مشہد میں اُڑا کر　　اے بادِ صبا خاک مری خوار نہ ہووے
مردی کی جو کچھ قدر اُسے ہی نہ رہی پھر　　نواب بہادر سا جو سردار نہ ہووے

بلبل تو سنے گر مرے نالہ کی حقیقت — وا شکوۂ گل پر تری منقار نہ ہووے
بج جس کی ہو میٹھی نہ اُسے چاہ تو تاباں
کس کام کا معشوق جو خوں خوار نہ ہووے

297

ظلم میں تجھ سا بھی قصاب کہیں ہوتا ہے — عشق میں مجھ سا بھی بیتاب کہیں ہوتا ہے
دل مرا کیوں نہ رہے تشنۂ دیدار، سدا — سیر بھی آب سے دولاب کہیں ہوتا ہے
جب تلک اشک نہ ہو خشک رہے کشتِ امید — گلستاں سبز بھی بے آب کہیں ہوتا ہے
آبِ شمشیر ترا آبِ بقا ہے ظالم — دلِ عشاق بھی سیراب کہیں ہوتا ہے
اُس سے مِل خواب میں جب میں نے کہا...... — ......کم اس عیش کا اسباب کہیں ہوتا ہے
ضد ہے اس بات سے کب اُن نے کہا یوں تاباں
جا بے جا سچ بھی کوئی خواب کہیں ہوتا ہے

298

یار بھی دشمن ہوا اور چرخِ بے بنیاد بھی — کوئی سہی جاتی ہے یارب مجھ سے یہ بیداد بھی
میں وہ سودائی ہوں جو رگ رگ کو چیروں بے چھری — ڈھونڈھتا ہے کوئی ایسے کے تئیں فصاد بھی
بسکہ میرے سر میں مدت سے ہوائے عشق ہے — خوار و سرگرداں ہوا اور خانماں برباد بھی
کھینچ کر تصویر تیری بسکہ شادی مرگ ہوئی — جی دیا مانی نے اپنا، مر گیا بہزاد بھی
ایک قطرہ خوں کا جب مجھ میں نہ نکلا بعد قتل — لوگ سب رونے لگے حیراں ہوا جلاد بھی
بید مجنوں جس طرح ہے غم میں مجنوں کے دوتا — سرنگوں اس طرح بھی ہے تیشۂ فرہاد بھی

مان تاباں کا کہا گلشن میں مت جا عندلیب
باغباں دشمن ہے تیرا مدّعی صیاد بھی

299

دل سے یک لخت اُٹھا اپنے یہ سب یارمنی — جی میں آتا ہے مرے اب کے بھی پہنوں کفنی
بوجھ جامہ ہی کا تو اپنے اُٹھا سکتا نہیں — اللہ اللہ یہ ستم گر تری نازک بدنی
زور ہی نام ترا سارے جہاں میں ہووے — لخت دل گر تو رکھے میرا بجائے یمنی
تم گلے لگ تو کبھو ساتھ نہیں سوتے ہو — مجھ کو ٹھیراتے ہو کس واسطے گردن زدنی
کس طرح رک کے نہ مرجائے کوئی دل تجھ سے — ایک تو تنگ دہاں تس تے کے اوپر کم سخنی

کیا کروں یار ہوا جا کہ میں اس کا قاتل
اب تو تاباں مرے اس جی کے اُپر آن بنی

300

کیوں ہر کسی کے ساتھ دل اپنا لگائیے — ہر بے وفا ہے کاہے کو عاشق کہائیے
دل تو دیا ہوں جان بھی مانگے تو دیجیے — لازم ہے بار سخت سے مجھ کو چھڑائیے
ہم مان مان آتے ہیں پر ان کی منتیں — ساجن اگر ملے تو نیازاں چڑھائیے
عاشق ہوئے تو خلق کی رُسوائی کر قبول — اپنے پرائے سب کی ملامت اُٹھائیے

☆☆☆☆

متفرق اشعار

مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے لیکن　　لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا نہیں

☆

تو کہے گر کہ میں وفا نہ کروں　　تو بھی شکوہ کبھو ترا نہ کروں
سر نہ پھوڑوں کہ میں نہ کھاؤں زہر　　دل کے ہاتھوں سے آہ کیا نہ کروں
بے وفاؤں سے جی میں ہے تاباں　　اور سب کچھ کروں وفا نہ کروں

☆

لب تشنگیٔ[1] نزع میں بھی اُس کے رہیں تر　　ہو وردِ زباں جس کا سدا ساقیِ کوثر

☆

ہونٹوں پہ تیرے ظالم مسی کی یہ دھڑی ہے　　یا ان کے تئیں کسی نے مل مل کیا ہے نیلا

☆

ناصح میں تری ضد سے کروں چاک ہی ہر دم　　دیکھوں تو گریباں کو کہاں تک تو سیئے گا

☆

تجھے فعلوں سے کیا تاباں کے ناصح　　وہ جانے اور اُس کا کام جانے

☆

شیخ جو حج کو چلا چڑھ کے گدھے پر یارو　　زور نہیں، ظلم نہیں، عقل کی کوتاہی ہے

☆

1۔ ن خ "حشر"

راستی بات کی کہتے تاباں ہو گیا مجھ سے وہ بانکا ٹیڑھا

☆

ہوئی ہے اُس ظالم کو دل سے دشمنی اب تو میرے جی پہ یارو آ بنی

☆

اور کو تو شعلہ رو کے دیکھنے کی کب ہے تاب حسن کی گرمی سے اپنی آپ تپ کرتا ہے وہ

☆

عبث کرتا ہے تو ماتھے کے تئیں اپنے زرافشانی نہیں کم لوح مصحف سے یہ پیشانی نورانی

☆

قہوے سے مدام اس کو ہے شوق عوض مے کے تاباں جو کوئی ہے گا اس دور میں بنیادی

☆

ستانا دل کو اے ظالم بُرا ہے قلوب المومنین عرشِ خدا ہے

☆

سخت بے درد ہے گلگیر کہ مُنھ میں لے کر کاٹ لیتا ہے زباں شمع کی ہر دم جب دے

☆

کیوں نہ لڑکے اُس کے تئیں گلگیر کہیں شمع تو رکھتا ہے ڈاڑھی گربڑی

☆

شمع کی گل نہیں بڑھاپے میں اُس کے چونڈے کے تئیں لگا ہے کلنگ

☆

ہم تمھارے ہجر میں تم غیر پاس ہم کہاں اور تم کہاں کیا قہر ہے

☆

اشک خونیں سے کیا سرخ بدن کا جاما یار کے ہجر میں جیتے ہی منائی ہولی

☆

اے یار کہاں ہے کس طرف ہے　　ہے یار کہاں ہے کس طرف ہے

☆

ترے ہونٹوں پہ یہ مسّی کی سیاہی تو نہیں　　خون شاید کہ پیا ہے کسی سودائی کا

☆

اگرچہ بے ادبی ایسی بات ہے لیکن　　سرین تیرے اے میاں جان ہیں صاف تو مردا

☆

کیوں یہ ناصح نے سیاسخت میں دلگیر ہوا　　پھر گریباں یہ مرا ہائے گلو گیر ہوا
بسکہ رو رو کے اسیری میں ہوئی خالی چشم　　حلقۂ چشم مرا حلقۂ زنجیر ہوا

☆

ہند میں جتنے پری رُو ہیں میں اُن کا یار ہوں　　ہوں تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہشیار ہوں

☆

ساقی ہے ابر مجھ کو محروم رکھ نہ مے سے　　گر آج مے نہ دے گا تو کل پڑے گی کیسے

☆

اُس سے مت مل جو ہے غرض کا اپنی　　حاصل تجھے کیا وہ ہے غرض کا اپنی

☆

لگا تا ہے نگہ کا تیر دل میں جس طرح سیری　　ٹک یک تو دیکھ لے اس طرح اے ابرو کماں بہری
ملایا خاک میں جن نے سج اپنی ہم کو دکھلا کر　　کبھی اس راہ ہو آوے گا وہ سرو رواں نہری

☆

اگر معلوم اے ظالم ترے جور و جفا ہوتے　　تو ہم ہرگز نہ دل دیتے نہ تجھ پر مبتلا ہوتے
رقیبوں سے نہ ملتے تم تو اے پیارے قیامت تک　　نہ تم سے ہم جدا ہوتے نہ ہم سے تم جدا ہوتے

رباعیات

مدت میں حقیقت اس جہاں کی جانی
یہاں دل کا لگانا ہے عبث نادانی
دانا ہے اگرچہ تو سمجھ اے تاباں
باقی اللہ اور سب کچھ فانی

☆☆

مرنا غافل لگے ہے کیوں تجھ کو بُرا
دنیا میں ہمیشہ کوئی جیتا بھی رہا
آدم اور نوح سے بھی جیتے نہ رہے
گو تو بھی بہت جیا تو آخر پھر کیا

☆☆

کہتا ہے نماز پڑھ کے یا رب دل خواہ
ہو کوئی مرید صاحب حشمت و جاہ
بیٹھا ہے اسی فکر میں لے کر تسبیح
کیا شیخ کی اوقات ہے سبحان اللہ

☆☆

ہوتے ہیں ترے جب[1] اشتیاق ساقی
بے خود ہو پکارتے ہیں[2] ساقی ساقی

ہے ہم کو خمار شب کالا صبح ہوئی
شیشے میں جو کچھ کہ ہے ہو باقی ساقی

☆☆

ہے مجکو بہت شراب پینے کی خوشی
یا ہے گی مطالعہ سفینے کی خوشی

مُجھ اُس کے میں آزاد ہوں سب سے تاباں
مرنے کا نہ غم ہے کچھ نہ جینے کی خوشی

☆☆

جو مردم دنیا ہیں وے مکار ہیں سب
میں جان بزرگ اب کروں کس کا ادب

فارغ ہوں میں دو جہاں سے تاباں مجکو
دنیا سے نہ کچھ کام نہ دیں سے مطلب

☆☆

ہم کو تو تمھارے غم میں جینا ہے محال
تم ہم کو لکھو کہ ہے تمھارا کیا حال

1۔ ن رخ "ہوتا ہوں ترا جب" 2۔ ن رخ "پکارتا ہوں"

دو سال جو ہم تم رہے یک جا حشمت
اب اس کے عوض ہجر کا ہے روز ہی سال

☆☆

قارون و سلیمان و سکندر دارا
رکھتے تھے بہت اگرچہ مال اور دنیا
لیکن جب مر گئے بجز خالی ہاتھ
چھاتی کے اوپر رکھ کوئی کچھ لے نہ گیا

☆☆

ہے شاہ و گدا میں فرق لیکن تاباں
آزاد کے نزدیک ہیں دونوں یکساں
شاکی تو کسی طرح سے دنیا میں نہ رہ
دن عمر کے ہر طرح سے کٹ جائیں گے یاں

☆☆

تاباں یہاں کوئی نہیں صاحب ارشاد
اس سعی میں مت عمر کو دے تو برباد
ایسا کوئی کم ہے جو نہ ہووے پابند
یوں نام کے تئیں تو سرو بھی ہے آزاد

☆☆

سب غم مجھے باتوں سے تری بھولے ہے
پھر آ کہ ہوئے ہجر میں تیرے اکٹھے

روتا ہوں میں اس غم سے کہ تجھ بن حشمت
اب کس سے کہوں کہ میرے آنسو پونچھے

☆☆

میں ہجر میں رہتا ہوں تمھارے رنجور
اب تو مجھ میں رہا نہیں کچھ مقدور
نزدیک نہیں کہ ہو ہر لالہ بخوں
گردش نے فلک کی ہائے کیا ہے گا دور

☆☆

تاباں مہ چاردہ ہے ٹک کر تو نگاہ
آتا ہے نپٹ صاف نظر مطلع ماہ
گویا کہ بچھی زمیں پہ ہے چادر نور
کیا چاندنی ہے آج کہ اللہ اللہ

☆☆

میخانے میں کیا پھرے ہے مٹکے مٹکے
زاہد عابد سے دور بھٹکے بھٹکے
قاضی سے ڈرے نہ محتسب سے کافر
یہ دختر رز ہے جس سے اٹکے اٹکے

☆☆☆

قطعات

سلیماں میرزا سا خوبصورت
نہیں اس دور میں کوئی زیر افلاک
سلیماں دوسرا بھی ہے و لیکن
چہ نسبت خاک را با عالم پاک

☆

تو ہے اقبال مند اے تاباں
میں نے دیکھا ہے خوب کر کر غور
ہاتھ سے چرخ کے نہ ہو نالاں
ایک دن یاں ترا بھی ہوگا دور

☆

تسبیح وہ خاک کربلا کی رکھے
تاباں جو دل سے ہووے شبیر کا دوست
گر غیر اسے گلے میں اپنے پہنے
خون شہدا تمام بر گردن اوست

☆☆☆

مثلث

اگر تم سے صاحب سلامت نہ ہووے
تو ہرگز کہیں میری حرمت نہ ہووے
کسی کو مرے پاس عزت نہ ہووے

اگر بات بھی آنہ مجھ سے کہو تم
یوہیں غیر کے ساتھ جاتے رہو تم
تو کس طرح مجھ پر قیامت نہ ہووے

ستاتے ہی رہتے ہو تم مجکو ہر دن
غرض چاہنا خوب ہوتا ہے لیکن
کسی کو کسی سے محبت نہ ہووے

گرفتار یاں تک ہوں غم میں تمھارے
کہ رو رو کے اپنا ہی جی دوں پیارے
مجھے تب بھی شاید فراغت نہ ہووے

برا ہے بہت تم سے اخلاص کرنا
صنم ایسے بے دل سے لازم ہے ڈرنا
جسے کچھ خدا کی بھی دہشت نہ ہووے

لیے نیمچہ ہاتھ میں اپنے ننگا
مرے سر پہ آتے ہو ہر دم مبادا

کہیں قتل کی میرے، شہرت نہ ہووے

مرا حال ہر روز تم پوچھتے ہو
مصیبت کو اُس کی تمھیں جی میں سمجھو
جسے غم سے یک لحظ فرصت نہ ہووے

جفا تم نے دیکھ، تو کی کیسی کیسی
اذیت بھی دی تجکو یاں تک کہ ایسی
مرے دشمنوں کی بھی قسمت نہ ہووے

مرے دل میں یہ آرزو ہے کہ پیارے
میں ہوں عشق میں محو یاں تک تمھارے
کہ تا حشر مجکو افاقت نہ ہووے

میں یاں تک تو گریاں ہوں تم بن کہ جانی
نہ پہنچے اگر اشک میرے کا پانی
تو ہرگز چمن میں طراوت نہ ہووے

جو کہتے ہو مجکو سو کرتا ہوں لیکن
یہ دھڑکا مرے جی میں رہتا ہے نس دن
کہ برباد سب میری محنت نہ ہووے

رقیبوں کا اخلاص کھوتے نہیں تم
کبھو مہرباں مجھ پہ ہوتے نہیں تم
مجھے کیونکہ جینا اذیت نہ ہووے

میں کہتا ہوں سچ تم سے اے میرے مشفق
ہوں اس زندگی سے نہایت ہی میں دق
تمھاری اگر مجھ پہ شفقت نہ ہووے

سنو اے مرے رشکِ شمعِ شبستاں
کہوں گا کبھو تم سے سوزِ دل و جاں
زباں میں گر اُس وقت لکنت نہ ہووے

سبھی خوب کہتے ہیں خط کو تمھارے
و لیکن مجھے تو یہ دھڑکا ہے پیارے
کہیں حسن کا ملک غارت نہ ہووے

ہمیشہ تو میں جور سہتا ہوں صاحب
یہ جھنجھلا کے اب میں یہ کہتا ہوں صاحب
وہ چاہے تمھیں جس میں عزت نہ ہووے

یہ تاباں جو ہے جی سے بندہ تمھارا
یہی دل میں رکھتا ہے اپنے تمنا
کہ سب کچھ ہو پر تم سے فرقت نہ ہووے

☆☆☆

مخمس

رہا تجھ سے جس بات میں میں خفا
وہی بات کی تو نے اے بے حیا
شرارت سے اپنی نہ ہرگز پھرا
نصیحت سے میری تجھے کام کیا
زنانوں سے مل جا کے تالی بجا

رہی نہیں مجھے اب رعایت تری
وہ خواہش بھی نہیں اور نہ الفت تری
شکایت ہی ہے اب حکایت تری
نہیں ہے مرے پاس عزت تری
زنانوں سے مل جا کے تالی بجا

دکھاتے ہیں تروار کو باڑ جو
وے ہوتے ہیں کوئی اور اے جنگ جو
شرافت سے بیٹھا ہے تو ہاتھ دھو
نہ تج نیچا اور نہ تو مرد ہو
زنانوں سے مل جا کے تالی بجا

روا تو نے ہم پر رکھے ہر ستم
وگر نہ نہ ہوتا مرا ربط کم
شتابی سے ہوگئے خبردار ہم
نہ ملنے کا میرے تجھے کیا الم
زنانوں سے مل جاکے تالی بجا

رعایت ہے تاباں کو تیری ارے
و إلا نہ حد تجکو ایذا وہ دے
شب و روز جو تجھ سے ظالم جلے
نہ یہ بات کس طرح تجھ سے کہے
زنانوں سے مل جا کے تالی بجا

☆☆☆

مخمس

رات دن رہتا ہوں میں اندوہ وغم میں مبتلا
چرخ سے ہرگز نہیں ہوتی مری حاجت روا
بلکہ اُس کے ہاتھ سے نالاں ہی رہتا ہوں سدا
تم شتابی حل کرو عقدہ مرا مشکل کشا
یا علی یا حیدر کرار یا مشکل کشا

تم سوا کس سے کروں فریاد میں اندوہ گیں
سخت ہی بیکس ہوں اس دنیا میں کوئی رکھتا نہیں
چرخ ہے گر مدعی مشکل کرو آساں تمھیں
یا شہنشاہِ دو عالم یا امیر المومنیں
یا علی یا حیدرِ کرار یا مشکل کشا

رنج و غم میں ہر طرح کے مبتلا ہوں میں غریب
ایک دن بھی گلشنِ ہستی میں راحت نہیں نصیب
روز و شب آہ و فغاں سے کام ہے جوں عندلیب
درد کے درماں کو میرے کوئی نہیں تم بن طبیب
یا علی یا حیدرِ کرار یا مشکل کشا

جی کی خواہش مال و دولت نفس چاہے خوبرو
دل گرفتار علائق ترک میری آرزو
جسم کا فکروں سے ہر دم خشک ہوتا ہے لہو
تم چھڑاؤ، ہوں اسیر دامِ غم میں مو بہ مو
یا علی یا حیدرِ کرار یا مشکل کشا

بسکہ سرزد مجھ سے دنیا میں ہوئے آکر گناہ
نامۂ اعمال بھی شاید مرا ہوگا سیاہ
تم سوا بحرِ حوادث میں نہیں مجھ کو پناہ
ناخدا ہو جلد ہوتی ہے مری کشتی تباہ
یا علی یا حیدرِ کرار یا مشکل کشا

سب نے اس دنیا میں آ کر خوب لوٹیں لذتیں
میں نے کھینچی قوت کے بھی واسطے یاں ذلتیں
اب تو کی جاتی نہیں اہلِ دول کی منتیں
ترک کی ہمت دو تم یا دل کی کاڑ ہو حسرتیں
یا علی یا حیدرِ کرار یا مشکل کشا

چاہتا ہوں میں کہ میرے دل کے تئیں آرام ہو
جس صنم پر جی کی خواہش ہو وہ میرا رام ہو
کچھ کروں دنیا میں عشرت دین کا کچھ کام ہو
تا مرا دونوں جہاں میں تم سے تاباں نام ہو
یا علی یا حیدرِ کرار یا مشکل کشا

☆☆☆

مخمس

یہ بے رحمی کہو صیاد کے تئیں کن نے سکھلا دی
کہ کرتا ہے یہ ناحق بلبلوں سے ظلم بیدادی
خبر سن فصلِ گل کی کس طرح ہووے انھیں شادی
اسیرانِ قفس مدت سے ہیں اس غم سے فریادی
کہ ممکن نہیں ہمیں صیاد کے ہاتھوں سے آزادی

خدا کے واسطے جلدی ہماری تو خبر لے رے
کہ تیرے غم میں مجنوں ہو گئے ہیں ہم سے بہتیرے
ہمیں بھی رات دن رہتا ہے تیرا درد و غم گھیرے
ہمارے جی میں یوں آتا ہے ظالم ہجر میں تیرے
گھر اپنا کر کے ویراں جا کریں جنگل میں آبادی

لگن تجھ سے لگی تھی جس گھڑی اے شمع رو جب سے
جلا کرتا ہوں تیرے عشق میں پروانہ ساں تب سے
نہ چاہوں اور کو پھر تجھ سوا وعدہ کیا رب سے
ترے کارن ہوا اے سرو قد آزاد میں سب سے
بجا ہے گر کہیں سب پیشوا اب مجکو یا ہادی

ہوا تھا ایک تو وہ ابروؤں کی تیغ سے گھائل
کیا تھا خنجر مژگاں سے تس پر اس کے تئیں بسمل
پر اب کی چھوٹنا اس دام سے ہے گا نپٹ مشکل
پریشانی مرے دل کو نہ ہو اب کس طرح حاصل
کہ اُس کافر نے اپنی کھول زلف عاشق کو دکھلا دی

نہ اُس کو گھر خوش آتا ہے نہ اب بھاتا ہے بن اُس کو
اُسے مضبوط اب کے سال زنجیروں سے تم جکڑو
وگر نہ سر کے تئیں وہ پھوڑ کر مر جائے گا سن لو
قیامت ہے مرے مجنوں پہ وحشت ان دنوں یارو
بہار آنے کی اُس کے تئیں نہ جانو کن خبر لا دی

گیا تھا عاشقوں کو ساتھ لے کر باغ میں پیارا
پلاتا تھا ہر اک کے تئیں وہ اپنے ہاتھ سے صہبا
یکایک دیکھتا ہوں میں قیامت ہوگئی برپا
جتے خانہ خراب عاشق تھے اُس کے ہوگئے یجا
بلا جب پاس اُن نے غیر کے تئیں بزم میں جا دی

تمھارے ہجر میں وحشی ہوئے ہم خانماں تج کر
گریباں چاک کر پھرتے ہیں روتے در بدر گھر گھر
کہاں فرہاد ہم سے ہو سکے ہے عشق میں سر بر
بجن ہم وے دوانے ہیں گر آویں اپنے دعوے پر
تو مجنوں جائے جنگل چھوڑ پھر بستی میں فریادی

کبھو کہتے ہو ہم کو تیغ ابرو سے کریں گھائل
کبھو کہتے ہو ان مژگاں کے خنجر سے کریں بسمل
کہاں سے تم ہوئے پیدا ہمارے جی کے تئیں قاتل
ہمارے قتل پر پھرتے ہو باندھے کیوں کمر سب مل
تمھیں کن نے سکھائی ظالموں یہ رسم جلادی

جو کوئی عاشق ہووے مرنے سے اپنے وہ ڈرے کیونکر
صنم کے ہجر میں رو رو کے اپنے دن بھرے کیونکر
بتاؤ میرے دیوانے کے تئیں اب وہ مرے کیونکر
بتاں جو سنگدل ہیں دل میں اُن کے جا کرے کیونکر
مرے مجنوں کے تئیں کرنی پڑی ہے سخت فرہادی

نہیں رہتی ہے ہرگز جان اُس ظالم کے مارے میں
کبھی دیکھا نہیں ہے رحم اُس خوں خوار پیارے میں
نہ ہووے کیونکہ دہشت اُس سے یاں دل ہمارے میں
جدا عاشق کے تن سے سر کرے ہے اک اشارے میں
یہ ابرو سیدی احمد کی ہے گویا تیغ فولادی

نہ اب دل میں مرے ہے شوق ان خوباں کی الفت کا
نہ ہوں مشتاق اس دنیا میں تاباں شان و شوکت کا
تجن سے آشنائی ہے نہیں محتاج دولت کا
لکھا میں چاہتا ہوں ان دنوں دیوان حشمت کا
بہ شرط آنکہ پیدا ہووے کاغذ دولت آبادی

☆☆☆

تضمین مصرع یقیںؔ
مخمس

ہو مجھ سے جدا دل کے دکھ پانے کو کیا کہیے
قابو میں ستم گر کے آجانے کو کیا کہیے
یوں سر پہ بلا میرے لے آنے کو کیا کہیے
اس درد و مصیبت کے افسانے کو کیا کہیے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

ہاتھوں سے کوئی جس کے اب لگ نہ رہا سالم
اُس شوخ سے لگ جانا اس دل کو نہ تھا لازم
ٹک دیکھ تو یہ لیتا بے رحم ہے یا راحم
یہ آہی گیا بس میں یک بار گی ہے ظالم
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

کہتا تھا میں اس دل کو عاشق تو نہ ہوجانا
نقصان ہے یاں جی کا اس پنتھ میں مت آنا
ناحق تو کوئی آفت مت سر پہ مرے لانا
ہر چند کہا اُس کو اُن نے نہ کہا مانا
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

چاہا میں بہت یارو قابو میں رہے یہ دل
پر تھامنا وحشی کا ہوتا ہے بہت مشکل
باتوں کو مری اُن نے جانا کہ یہ ہیں باطل
اُس طفل پری رُو پر یہ ہو ہی گیا مائل
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

جوں جوں میں کہا دل کو ہے عشق میں رسوائی
توں توں یہ ہوا دونا کھو عقل کو سودائی
ساتھ اُس کے مرے سر پر ناحق کی بلا آئی
نے تاب ہے اب مجکو نے صبر و شکیبائی
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

نے چین مجھے دن کو نے رات کو سوتا ہوں
ہر وقت تڑپتا ہوں ہر آن میں روتا ہوں
اوقات عزیز اپنی اس طرح سے کھوتا ہوں
کہہ کہہ کے یہی ہر دم بیتاب میں ہوتا ہوں
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

اس عشق کے کوچے سے جب تک کہ نہ تھا محرم
تب تک تو مجھے ہرگز لے درد تھا کچھ نے غم
اب اپنے اوپر روؤں یا دل کا کروں ماتم
آتا ہے مجھے لیکن افسوس یہی ہر دم
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

جز آہ و فغاں مجکو کچھ کام نہیں رہتا
ہے اشک بھی آنکھوں سے دریا کی طرح بہتا
دل میرے کنے رہتا تو دکھ کو میں کیوں سہتا
کر چاک گریباں کو پھرتا ہوں یہی کہتا
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

ہر رات میں روتا ہوں فریاد و فغاں کر کر
رومال کو لے مُنھ پر یا زانو اوپر سر دھر
ہے شامِ غریباں سے ہر صبح مجھے بدتر
ہر وقت گزرتی ہے یہ بات مرے جی پر
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

یارو میں کہوں کیا اب جیسی ہے مری خواری
ہیں بال بڑے سر کے اور اشک بھی ہیں جاری
جیسے کہ لیے مالا ہو کوئی جٹا دھاری
مل مُنھ کو بھبوت اپنے جپتا ہوں میں ہر باری
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

سنتا ہوں کہیں یارو جب راگ کی مجلس کو
تب گھر سے میں جاتا ہوں مشتاق نہایت ہو
قوالوں کی کر منت بے حال ہو اور رو رو
کہتا ہوں مری خاطر اس وقت یہی بولو
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

اس عشق کا جس کے تئیں آزار لگا ہووے
اُس شخص کا اے یارو کیا حال بھلا ہووے
ہے مجکو یہی زحمت کیا جانیے کیا ہووے
تھا میں تو بھلا چنگا پراُس کا بُرا ہووے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

ہوتی نہیں مجکو اس رنج سے ٹک فرصت
کیا جانے ہوئی کیسی یکبارگی یہ زحمت
ہے ضعف مجھے یاں تک جو بات کی نہیں طاقت
پر تو بھی مرے منھ سے نکلے ہے یہ ہر ساعت
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

آتا ہے مرا غش میں اس ضعف سے جی ہردم
اور نبض بھی جاتی ہے ہاتھوں سے چھٹی ہردم
نرگس کی طرح گردن رہتی ہے ڈھلی ہر دم
ہوتی ہے افاقت جب کہتا ہوں یہی ہر دم
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے
مصراع یقیں[1] سن کر بے تاب ہوا تاباں
آئینہ صفت غم سے رہتا ہے سدا حیراں
ہر ساعت و ہر پل ہے مانند جرس نالاں
احوال وہ اپنے پر کہتا ہے یہ ہو گریاں
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

☆☆☆

1۔ انعام اللہ خاں یقین

مخمس

بیاں میں کیا کروں دیوانگی اپنی کا افسانا
نہ میرا گھر میں جی لگتا ہے نے بھاتا ہے ویرانا
خوش آتا ہے مجھے گلیوں میں سنگ کودکاں کھانا
ارے ناصح عبث ہے یہ ترا بیہودہ سمجھانا
پری رُو ہو جدا جس کا نہ ہو وہ کیونکہ دیوانا

عبث مت بک نہیں میں مانتا تیرا کہا ناصح
مرے آہ و فغاں کرنے سے ہلا تجکو کیا ناصح
میں اپنے جی سے بھی بیزار ہوں تو مت ستا ناصح
بھلا چاہے تو اپنی آبرو کو لے کے جا ناصح
مجھے بے طرح آتا ہے تری باتوں پہ جھنجھلانا

تو کیوں بیہودہ کہتا ہے نصیحت کے سخن اکثر
سنوں کیوں کر تری باتیں کہ میرا حال ہے ابتر
رہوں آرام سے بے یار اے ناصح بھلا کیوں کر
کہ میری زندگی اور موت بھی موقوف ہے اُس پر
اگر آوے تو جی جانا جو اُٹھ جاوے تو مرجانا

خدا جانے کہ مجھ پر کیا بلائے ناگہاں آئی
کہ یک باری ہوا میں کھو کے عقل و ہوش سودائی
نہ مجھکو تاب و طاقت ہے نہ ہے صبر و شکیبائی
رہوں گر چپ تو مرتا ہوں وگر بولوں تو رُسوائی
نہیں معلوم کیا انجام رکھتا ہے یہ غم کھانا

طرح سیماب کے ہے بے قراری روز و شب مجکو
نہیں معلوم فرصت ہوئے گی اس دکھ سے کب مجکو
ستاتا ہے غم اُس ظالم کا آکر جب نہ تب مجکو
پڑے ہیں اپنے جینے کے بھی لالے ہائے اب مجکو
ہوا ہوں ناتواں ایسا کہ نہیں جاتا ہوں پہچانا

مری حیرت کی صورت دیکھ آئینہ ہوا حیراں
مری فریاد سن سن کر جرس بھی ہے سدا نالاں
مرے افسردہ دل کو دیکھ کر کمہلا گئیں کلیاں
مری واسوختگی کو سن کے ہر شب شمع ہے گریاں
مری بیتابیوں کو دیکھ کر جلتا ہے پروانہ

تڑپنے سے مرے سیماب بھی بیتاب ہوتا ہے
رکی چھاتی مری کو دیکھ غم سے ابر روتا ہے
مرے شور و فغاں سے رات کو کم کوئی سوتا ہے
مجھے جو دیکھتا ہے اب سو اپنا ہوش کھوتا ہے
مری تدبیر میں عاجز ہیں سارے شہر کے دانا

کوئی کہتا ہے اس کے واسطے فصاد کو لاؤ
کوئی کہتا ہے اس کے حال کو ملاں سے کھلواؤ
کوئی کہتا ہے اس کو قید کر زنداں میں لے جاؤ
کوئی کہتا ہے سایہ ہے اسے سیانے کو دکھلاؤ
کوئی کہتا ہے لا حاصل ہے دیوانے کا غم کھانا

نگار شوخ فندق زیب کی کر یاد قصابی
گرے ہیں اشک کے قطرے مری انکھیوں سے عنابی
اُسی آئینہ رو بن ہے مجھے اس طرح بے تابی
کہ جو سیماب مالی آب ہووے آدمِ آبی
لبوں پر یوں ہے جی جیوں مے سے ہو لبریز پیانا

کبھی آتا ہے جی میں یار کے کوچے میں جا بیٹھوں
کبھی آتا ہے جی میں جا کے کوہ اور دشت میں رووں
کبھی آتا ہے جی میں کوہ کن کی طرح سر چیروں
کبھی آتا ہے جی میں لوٹتے ہی لوٹتے جی دوں
غرض اب ہر طرح سے سوجھتا ہے جان کا جانا

کبھی توڑوں ہوں دیواریں کبھی پھونکوں ہوں میں گھر کو
کبھی پھاڑوں ہوں میں کپڑے کبھی پھوڑوں ہوں میں سر کو
کبھی افیوں منگاتا ہوں کبھی مانگوں ہوں خنجر کو
کبھی تروار نہیں پاتا سو میں ڈھونڈوں ہوں جمدھر کو
کبھی سوجھے ہے گر بالائے بام اپنے سے مر جانا

کبھی کہتا ہوں اپنے دل میں تھا میں تو بھلا چنگا
یکا یک کیا ہوا مجکو کہ جینا خوش نہیں آتا
کبھی بالیں پہ ہو حیرت زدہ گریاں ہوں میں ایسا
کہ مجکو دیکھ کر حیراں ہوئی ہے صورتِ دنیا
مری دیوانگی کو دیکھ کر عالم ہے دیوانا

کبھی گھبرا کے اُٹھ جاتا ہوں وحشت سے بیاباں میں
کبھی پھرتا ہوں ننگے پاؤں میں خارِ مغیلاں میں
کبھی چنتا ہوں گلچیں کی طرح تنکے گلستاں میں
کبھی شور و فغاں کرتا ہوں جا جا عندلیباں میں
کبھی جا کنج گلخن میں پٹک کر سر کو پھر آتا

کبھی مسجد میں جا کر پوچھتا ہوں میں کہ اے یارو
بنا اس میکدے کی کن نے کی ہے مجکو بتلاؤ
نہ یاں ناقوس ہے نے برہمن ہے کیا سبب کہہ دو
کبھی منبر کو خالی دیکھ کر کہتا ہوں حیراں ہو
کہ یاں بے بت سنگھاسن کیوں ہے یہ کیسا ہے بت خانا

کبھی جا دیر میں میں بوجہ کعبہ مست ہو کہتا
کہ یاں تو توڑ بت یار و خدا کا گھر بنایا تھا
سبب کیا ہے کہ اُس میں پھر بٹھائے ہینگے بت لالا
ارے کعبے کے لوگو تم بھی کافر ہو گئے ہو کیا
کہ تم نے خانۂ مولا کیا ہے پھر صنم خانا

کبھی حالِ زلیخا سن کے عقل و ہوش کھوتا ہوں
کبھی یعقوب کی تربت کو اشک اپنے سے دھوتا ہوں
کبھی وامق کا سن احوال میں بیتاب ہوتا ہوں
کبھی لگ کر گلے میں گور سے مجنوں کی روتا ہوں
کبھی سنگِ مزارِ کوہکن سے سر پٹک آتا

کبھی راتوں کے تئیں کرتا ہوں گھر میں نالہ و افغاں
کبھی پھرتا ہوں تنہا شہر میں وحشت سے سرعریاں
کبھی ہوتا ہے میرے ساتھ تاباں مجمعِ طفلاں
مرے تئیں اس طرح سے دیکھ کر اب خوار و سرگرداں
کوئی کہتا ہے سودائی ، کوئی کہتا ہے دیوانا

☆☆☆

مخمس

پر خرد کو مجھ پر ہر چند برتری ہے
ملکِ جنوں کی لیکن اب میں نے ذھن دھری ہے
پر ہر قدم کے اوپر واں دل کو تھرتھری ہے
میں نے سنا ہے تجھ میں حد بندہ پروری ہے
اے عشق پیر و مرشد یہ وقتِ رہبری ہے

میں چاہتا ہوں چھوڑوں سب خویش و اقربا کو
یکبارگی اُڑا دوں اس شرم اور حیا کو
کانٹوں پہ جاکے رکھوں اپنے برہنہ پا کو
مانع ہے عقل میری پر میرے مدعا کو
اے عشق پیر و مرشد یہ وقتِ رہبری ہے

میں چاہتا ہوں کھودوں دنیا سے نام مجنوں
لوں ملک میں میں اپنے ہے جس قدر کہ ہاموں
اور کوہ بے ستوں کو ٹکروں سے جاکے توڑوں
پر عقل چاہتی ہے ہرگز نہ ہو یہ مفتوں
اے عشق پیر و مرشد یہ وقتِ رہبری ہے

میں چاہتا ہوں آنسو آنکھوں سے اب بہاؤں
اتنے کہ جس میں سارے عالم کے تئیں ڈوباؤں
کئی نیزے عرش پر بھی پانی کے تئیں چڑھاؤں
پر بے مدد میں تیری قدرت کہاں سے پاؤں
اے عشق پیر و مرشد یہ وقتِ رہبری ہے

میں چاہتا ہوں رشتہ الفت کا سب سے توڑوں
مجنوں کی طرح جاکر صحرا سے دل کو جوڑوں
یا یار کی گلی میں پتھروں سے سر کو پھوڑوں
کہتی ہے عقل لیکن ہرگز نہ تجھ کو چھوڑوں
اے عشق پیر و مرشد یہ وقتِ رہبری ہے

میں چاہتا ہوں سیکھے مجھ سے فغاں کو بلبل
ٹکڑوں سے میرے دل کے دامن بھرے ہراک گل
آشفتگی سے میری شرمندہ ہووے سنبل
اور چاہتا ہوں مجھ سے ہو عقل دور بالکل
اے عشق پیر و مرشد یہ وقتِ رہبری ہے

میں چاہتا ہوں جی سے تاباں ہوا ہے رُسوا
ہر دشت ہر گلی میں پھرتا ہے بے سر و پا
ہوں میں بھی عاشقی میں مشہور خلق ایسا
تا حشر میرے اوپر احساں رہے گا تیرا
اے عشق پیر و مرشد یہ وقتِ رہبری ہے

☆☆☆

مسدس

خوباں میں جس کو چاہوں کہ بحرِ علوم ہو
اور اُس کے علم و حلم کی عالم میں دھوم ہو
لوگوں کا درس دینے کو اُس کے ہجوم ہو
لیکن زبس نصیب ہی اپنا جو شوم ہو
''بوؤں میں تخمِ گل کو جہاں واں زقوم ہو[1]
پالوں جو عندلیب قفس میں تو بوم ہو''

1۔ یہ شعر سودا کا ہے تاباں نے تضمین کی ہے۔ (مرتب)

خوباں تو کیا ہیں جس کے تئیں آشنا کروں
گھر بار اپنا نام پر اُس کے فدا کروں
ہر دم میں بات اُس کے بھلے کی کہا کروں
آخر کو اُس کے مُنھ سے برا ہی سنا کروں
''بوؤں میں تخمِ گل کو جہاں واں زقوم ہو
پالوں جو عندلیب قفس میں تو بوم ہو''

☆☆☆

اسباب دنیوی کا جو عمدوں سے کر تپاک
ہوجاؤں پھرتے پھرتے اسی سعی میں ہلاک
تاگا بھی اک نہ دیں جو سیوں پیرہن کا چاک
سونے پہ ہاتھ ڈالوں تو ہوجاوے وہ بھی خاک
بوؤں میں تخمِ گل کو جہاں واں زقوم ہو
پالوں جو عندلیب قفس میں تو بوم ہو

☆☆☆

ساقی سے مے کو مانگوں تو ہرگز نہ دے جواب
ہوجائے آب گرم جو پاؤں کہیں شراب
بیٹھوں جو ابر میں تو نکل آئے آفتاب
میرے قدم سے بحر بھی ہوجاوے سب سراب
''بوؤں میں تخمِ گل کو جہاں واں زقوم ہو
پالوں جو عندلیب قفس میں تو بوم ہو''

تاباں جو چاہوں دید کروں ماہتاب کی
ہوجائے ہر طرف سے سیاہی سحاب کی
مدت سے سیر کر کے میں ہر اک کتاب کی
سودا کی ایک بیت یہی انتخاب کی
''بوؤں میں تخمِ گُل کو جہاں واں زقوم ہو
پالوں جو عندلیب قفس میں تو بوم ہو''

☆☆☆

مسدس

کب تک سہوں میں جور ترا اے فلک بتا
نالاں ہی تیرے ہاتھ سے رہتا ہوں میں سدا
حاصل کبھی نہ تجھ سے ہوا دل کا مدعا
کس سے کہوں میں اپنی مصیبت کا ماجرا
شاکی ہیں میری طرح ترے ہاتھ سے سبھی
راضی سنا نہ کوئی ترے دور میں کبھی

☆☆☆

تنہا کوئی ترا ہی نہیں اے فلک ستم
پہنچے ہے دل کے ہاتھ سے بھی مجکو درد و غم
مجکو تمام عمر رہا محنت و الم
لیکن ہے اس سبب مجھے تجھ پر بہت بھرم

یعنی کہ تو ہے دشمنِ دانا چو آسیا
گردش میں تیری جو کوئی آیا سو پس گیا

☆☆☆

شکوا ترا اگرچہ قیامت تلک کروں
نزدیک اپنے تو بھی میں سے چرخ کم کروں
جور و جفا سے تیرے مرا دل ہوا ہے خوں
شاکی میں تیرے ہاتھ سے اب کس طرح نہ ہوں
تونے کبھی نہ شاد رکھا ہائے دل مرا
نالاں ہی تیرے ہاتھ رہا ہائے دل مرا

☆☆☆

نالے سے ایک دم نہیں فرصت مرے تئیں
رہتا ہوں غم سے یار کے ہر وقت میں حزیں
رونے سوائے اور مجھے کام کچھ نہیں
لوگوں کو میرے جینے کا ہرگز نہیں یقیں
عاجز ہو کیوں نہ نبض کے تئیں دیکھ کر طبیب
پہنچا ہوں اُس کے ہجر میں میں مرگ کے قریب

☆☆☆

پاتا نہیں ہوں ہائے کوئی ایسا دوست دار
جو آکے درد و غم میں ہووے میرا غم گسار
اس دہر میں تو کوئی کسی کا نہیں ہے یار
روتا ہوں اپنے حال پہ اپنے میں زار زار

اس بیکسی کو جا کے کہوں کس سے میں غریب
بیکس ہی مجکو حق نے بنایا تھا یا نصیب

☆☆☆

یا رب شتاب حادثۂ غم سے تو چھڑا
فریاد رس سوائے ترے کوئی نئیں مرا
مجکو پھر اب کی بار تو اُس یار سے ملا
کب تک میں اُس کے غم میں رہوں ہائے مبتلا
اب تو نہ دل کو تاب ہے میرے نہ صبر ہے
جینا بغیر یار کے عدو مجھ پہ جبر ہے

☆☆☆

اس زندگی کے بیچ بجز غم نہیں حصول
ہے مرگ ایسے جینے سے میرے تئیں قبول
رہتا ہوں غم سے یار کے ہر آن میں ملول
اُٹھتی ہے اُس کے درد کی ہر وقت دل میں سول
کب تک رہوں فراق میں نالاں و سینہ چاک
اس دکھ سے ایک روز میں ہوجاؤں گا ہلاک

☆☆☆

جس کا جدا ہو یار اُسے کیوں کہ کل پڑے
آہ و فغاں سوا وہ کہو اور کیا کرے
رو رو کے اپنی عمر کے کب تک وہ دن بھرے
ہاتھوں سے ان دکھوں کے کہو کیوں نہ وہ مرے

ناچار اب تو جی میں یہ آتا ہے کیا کروں
اک روز گھول زہر کے تئیں پی کے سو رہوں

☆☆☆

تاباں خدا کرے کہ وہ کافر ترا صنم
آوے شتاب سے تو ترا دور ہو یہ غم
کھینچا ہے تو نے ہجر میں اُس کے بہت الم
لیکن میں جانتا ہوں کرے گا خدا کرم
مایوس محض ہو جیو مت وصلِ یار سے
کوئی دن کو پھر وے عیش ہیں اور ہیں وہی مزے

☆☆☆

ترکیب بند

ہر بُنِ مو کے تئیں اپنی زباں کرتا ہوں
وا طرح غنچہ کے اب اپنا دہاں کرتا ہوں
رازِ مخفی کو میں اب سب میں عیاں کرتا ہوں
ماجرا سوزِ دل اپنے کا بیاں کرتا ہوں
گلۂ جور و جفا ہائے بتاں کرتا ہوں
جس مصیبت سے سدا شور و فغاں کرتا ہوں
اُس مصیبت سے میں بلبل کی طرح ہوں نالاں
اپنے احوال کو کرتا ہوں اب اول سے بیاں

☆☆☆

جب تلک ہم تھے عدم میں ہمیں کچھ ہوش نہ تھا
جانتے کب تھے کہ دنیا میں مزے ہیں کیا کیا
یاں جب آئے تو لگی یاں کی ہمیں اور ہوا
وہ جو عالم تھا سو یک بار سبھی بھول گیا
یہ بھی معلوم نہیں اب کہ عدم تھا کیسا
ہم کو یاں آکے ہوا عشقِ بتاں کا سودا
جانتے نہیں کہ خدا کون ہے اور ہم کیا ہیں
یا مسلمان ہیں یا گبر ہیں یا ترسا ہیں

☆☆☆

جب سے معلوم ہوئی ہم کو وفاداریِ عشق
دل ہمارے کو ہوئی تب سے گرفتاریِ عشق
نہیں ممکن کہ ہووے دور یہ بیماریِ عشق
آہ ہوتی ہے نپٹ سخت گراں باریِ عشق
ہے مرا کام کہ سہتا ہوں جفاکاریِ عشق
حق کسی کے نہ نصیبوں میں کرے خواریِ عشق
ہائے رے ہائے اذیت ہے ترے دل کی چاہ
اس بلا سے رکھے محفوظ ہر اک کو اللہ

☆☆☆

میرے دل میں تو نہ تھا عشق کا زنہار خیال
لیکن آیا جو نظر ایک پری رو کا جمال

اس کے پیچھے میں تجا گھر کو لٹایا زر و مال
خاک مل منہ کو پھرا دشت میں مجنوں کی مثال
اس خرابی سے ہوا میرے تئیں اس کا وصال
اب وہ پھر روٹھ گیا ہائے پڑا کیا جنجال
ہجر میں اس کے مرے دل کو نہیں ہے آرام
یار تو روٹھ گیا مفت ہوا میں بدنام

☆☆☆

چھوڑ تنہا مجھے وہ شوخ گیا ہے ظالم
مجھ سے لڑ غیرؔ سے اب جا کے ملا ہے ظالم
کچھ نہ کی اُن نے مرے ساتھ وفا ہے ظالم
دل مرا لے کے ہوا مجھ سے جدا ہے ظالم
اُس بن اب حال برا ہے گا مرا ہے ظالم
مفت میں غم کا گرفتار ہوا ہے ظالم
میں اگر جانتا تو پیار نہ کرتا ہرگز
سب سے ملتا نہ اُسے یار نہ کرتا ہرگز

☆☆☆

سیم تن زر کے لیے ربط مرا کھوتا ہے
درد کا تخم عبث دل میں مرے بوتا ہے
ہاتھ اخلاص و محبت سے مرے دھوتا ہے
غیر کے ساتھ مرے سامنے وہ سوتا ہے

ہائے اخلاص زمانے میں یہی ہوتا ہے
کہ ہنسے کوئی کسی ساتھ تو پھر روتا ہے
اس توقع پہ مرے کوئی کسی پر کیونکر
آپ کو خوار کرے کوئی کسی پر کیونکر

☆☆☆

مل چکے سب سے کوئی ہم نے نہ پایا ایسا
کہ وہ گل رُو ہووے اور اس میں ہو ٹک بوے وفا
جس کو دیکھا وہ ستم گر ہے جفا جو ہے بڑا
سب کے اخلاص کو اس واسطے ہم ترک کیا
لیکن افسوس یہ ارمان سدا جی میں رہا
کہ کوئی یار ہو ایسا جو نہ ہو مل کے جدا
سو تو یاں کوئی نہیں یار کہو کیا کیجے
ہم بھی اب سب سے ہیں بیزار کہو کیا کیجے

☆☆☆

یاں کے پیارے تو ہیں سب شوخ یہ ہیں کس کے یار
اس لیے عشق سے کرتا ہوں میں ان کے انکار
اب کے معشوقوں کو ہے شوق الٰہی سرشار
تنگ جامے کو پہن کج کے تجلی دستار
چھ چھی پانو میں کم خواب کی پھڑکا کے ازار
سب کے تئیں جا کے تراتے ہیں دکھاتے ہیں بہار

لالچی ایسے کہ جس پاس سنے زر کی بو
جا ٹھہریں پہلے تو پیچھے ہو جو کچھ اُن پہ سو ہو

☆☆☆

سب کے تئیں دیکھ لیا سب سے ملے ہم یارو
من ہرن ہم سے سب آخر کو کیے رم یارو
کرچکے سیر ہر اک طرح کا عالم یارو
جتنے معشوق ہیں، ہے سب میں وفا کم یارو
ہم کو اس بات کا رہتا ہے سدا غم یارو
کہ نہیں ہائے کوئی مونس و ہمدم یارو
اب تو آتی ہے یہی لہر ہمارے جی میں
غرق دریا میں کریں ان کو بٹھا کشتی میں

☆☆☆

ہاے رے ہاے مرے ساتھ کوئی یار نہیں
گل بدن بہت سے ہیں پر کوئی غم خوار نہیں
حیف کوئی دل کا غریبوں کے خریدار نہیں
دل رُبا سب ہیں ولے ایک بھی دلدار نہیں
کوئی دلبر نہیں ایسا دل آزار نہیں
عشق اب دل کا مرے دل میں بھی زنہار نہیں
پر مجھے صبر نہیں آہ کہو کیا کیجے
کوئی پایا نہیں دل خواہ کہو کیا کیجے

☆☆☆

دکھ کہوں کس سے وہ غم خوار مرا روٹھ گیا
چھوڑ کر دلبری اور پیار مرا روٹھ گیا
نہیں معلوم کہ کیوں یار مرا روٹھ گیا
کیا کیا میں کہ دل آزار مرا روٹھ گیا
بے گنہ مجھ سے ستم گار مرا روٹھ گیا
دل کو لے میرے وہ دلدار مرا روٹھ گیا
مجکو اُس بن کسی دلبر سے سروکار نہیں
اُس سوا کوئی مرے دل کا خریدار نہیں

☆☆☆

ہائے میں حال دل اپنے کا سناؤں کس کوں
سوز کہہ اس دلِ سوزاں کا جلاؤں کس کوں
بیکسی پر دلِ محزوں کی رلاؤں کس کوں
عشق کے داغ کے تئیں جا کے دکھاؤں کس کوں
سب مرے حال سے غافل ہیں جتاؤں کس کوں
کوئی پاتا نہیں میں دوست بتاؤں کس کوں
کس سے میں جا کے کہوں ہائے اب اس دل کی طرح
ہجر میں یار کے تڑپے ہے یہ بسمل کی طرح

☆☆☆

کون ہے دوست مرا کس سے میں احوال کہوں
کب تلک ہجر میں اُس شوخ کے خاموش رہوں

جی میں آتا ہے کہ بے رحم کو نامہ میں لکھوں
اور بیاں اُس میں کروں اپنا میں سودا و جنوں
جب کہ احوال دل اپنے کا میں سب ختم کروں
کر کے قاصد میں صبا ہاتھ صبا کے بھیجوں
کیونکہ کوئی دوست نہیں اور جو نامہ میرا
جا کے اُس یار دل آزار کے تئیں دیوے گا

☆☆☆

الف آہ کا میں کر کے قلم ہے کی دوات
جائے کاغذ کے کروں لے تکے حنا کا میں پات
روشنی چشم کی سے تب میں لکھوں حال کی بات
کروں قاصد میں صبا کیونکہ چلے ہے دن رات
جلد پہنچائے گی نامہ کو مرے یار کے ہات
تب تو بخشے گا وہ تقصیر مری ہوگی نجات
پس میں لکھتا ہوں اب احوال دل زار کے تئیں
اے صبا جلد تو پہنچائیو اُس یار کے تئیں

☆☆☆

اے گل باغ دل اے سرو قد خوش رفتار
گلبدن غنچہ دہن چشم سیہ مہ رخسار
گلشن حسن میں اے شوخ تجھی سے ہے بہار
گل سے چہرے پہ ترے تجھ سے فدا ہیں گے ہزار

عرض کرتا ہوں یہ خدمت میں تری کھو کے قرار
کہ ترے ہجر میں بے تاب ہوں میں لیل و نہار
نہ مجھے تابِ فغاں ہے نہ مجھے طاقتِ صبر
زندگانی بھی جدائی میں تری ہوئی ہے جبر

☆☆☆

ہائے وے ہائے مجھے تو نے بھلایا اک بار
حیف صد حیف دل آزار ہوا تو دلدار
چھوڑ کر میرے تئیں جاکے ہوا غیر کا یار
نہ مرے ساتھ رکھا ربط نہ اخلاص نہ پیار
کیا مروت یہی دنیا میں ہے اے رشکِ بہار
میں اگر جانتا تجکو کہ تو ہے گا عیار
تو ترے ہاتھ میں اس دل کو نہ دیتا ہرگز
اور اس درد و الم غم کو نہ لیتا ہرگز

☆☆☆

ڈھونڈتا تجکو ہر اک کوچہ میں جاتا ہوں میں
سر پہ من مانتی واں خاک اُڑاتا ہوں میں
نام لے لے کے ترا تجکو بلاتا ہوں میں
گھر بہ گھر شور و فغاں جا کے سناتا ہوں میں
سب کے تئیں داغ دل اپنے کا دکھاتا ہوں میں
اپنے احوال پہ ہر اک کو رُلاتا ہوں میں

پر ترا کھوج بھی معلوم نہیں کچھ ہوتا
ایک دن یوں ہی میں مرجاؤں گا روتا روتا

☆☆☆

اب تو ملنے سے ترے میں بھی قسم کھاؤں گا
گرچہ یوسف ہووے تو تو بھی نہ پھر چاہوں گا
تیرے ملنے سے سوا دکھ کے میں کیا پاؤں گا
بلکہ اس شہر کو بھی چھوڑ نکل جاؤں گا
اور معشوق کسی ملک سے لے آؤں گا
پر اگر اُس میں بھی ٹک بوے وفا پاؤں گا
ورنہ پھر اور کا بھی نام نہ لوں گا ہرگز
دل کے تئیں ہاتھ سے اپنے میں نہ دوں گا ہرگز

☆☆☆

جی میں آتا ہے کہ کر چاک گریباں کے تئیں
شہر کو چھوڑ نکل جائیں بیاباں کے تئیں
آگ دے پھونک دیویں یاں کے گلستاں کے تئیں
غرق پانی میں کریں شہر کے خوباں کے تئیں
ہو تو برباد دیویں تخت سلیماں کے تئیں
خاک مل منہ کو چلے جائیں گے اب واں کے تئیں
کہ جہاں جائیں تو پھر کھوج نہ ہووے معلوم
اور بستی کی طرف جا کے مچاویں پھر دھوم

☆☆☆

اب کی باری تو مرے پاس تو آجا قاتل
دل میں حسرت جو مرے ہے سو مٹا جا قاتل
یعنی تو کھینچ کے تلوار لگا جا قاتل
خاک اور خوں میں مجھے لے کے ملا جا قاتل
مجکو جھگڑے سے ہمیشہ کے چھڑا جا قاتل
پھر ملا کیجیو غیروں سے تو جاجا قاتل
میں ترے ہاتھ سے اب حد ہی بتنگ آیا ہوں
جی میں ہے اپنے ہی ہاتھوں سے کروں اپنا خوں

☆☆☆

کون سا رنج ہے جو میں نے نہیں پایا ہے
کس بلا کو تو مرے سر پہ نہیں لایا ہے
میں نے ظالم ترے ہر ظلم کا غم کھایا ہے
کشتنی تو نے غرض مجکو تو لا ٹھیرایا ہے
میں بھی راضی ہوں اگر جی میں یونہی آیا ہے
پر مجھے اب مرے تاباں نے یہ سمجھایا ہے
کہ کہے میں ہو جو کوئی اپنے وہی یار بھلا
نہیں تو عشق سے اُس شوخ کے انکار بھلا

☆☆☆

تضمین بر غزل حافظ

ہر وقت و ہر آن ہر گاہ و بیگاہ
پیتا ہوں مے اپنے دلبر کے ہمراہ
بوسے بھی دیتا ہے ہر لحظہ وہ ماہ
عیشم مدام است از لعل دلخواہ
کارم بکام ست الحمدللہ

☆☆

بھڑکی اس وقت الفت کی آتش
بیٹھا ہے لے یار جام منقش
کوئی غیر نہیں پاس بے غل و بے غش
اے بخت سرکش تنگش بہ برکش
گہہ جام زرکش گہہ لعل دلخواہ

☆☆

ناصح کی جو ہم کو بھاتی نہ تھی پند
کہتا تھا وہ ہم کو سمجھا کے ہر چند

تھے میکدے سے بھی ہم بسکہ خورسند
مارا بہ مستیِ افسانہ کردند
پیران جاہل شیخانِ گمراہ

☆☆

کیا جانے آئی ہے کیسی یہ آفت
ہوئی ہجر کی رات روزِ قیامت
نہیں غم سے یک لحظہ ہم کو فراغت
جاناں چہ گویم شرح فراقت
چشمے و صد نم جانے و صد آہ

☆☆

ہے چاندنی رات لے جام در دست
آیا ہے گلشن میں تو ہو کے بدمست
ہوگئی ہے پامال گلزار یکدست
کافر مبیناد ایں غم کہ دید است
از قامت سرو از عارضت ماہ

☆☆

ہم میکدے کے ہیں مدت سے ساجد
ہم شیشۂ مے کو رکھتے ہیں شاہد
زاہد ہے مکار جھوٹا ہے عابد
کردیم توبہ از قول زاہد
و زفعل عابد استغفر اللہ

☆☆

ہر روز ہر رات کہتے نہ تھے ہم
خوباں کے ملنے کو تاباں تو کر کم
کھاتا ہے اب تو ہر وقت کیوں غم
حافظ نبودی زینگو نہ بیدل
گر ی شنیدی پند نکو خواہ

☆☆☆

تضمین دیگر برغزل حافظ

وہ کہ ہے جس سے ہر اک مذہب وملت کی شکست
باعث فتنۂ آفاق ہوا روز الست
دشمن دین و بد آئین و بت بادہ پرست
زلف آشفتہ و خوی کردہ و خنداں لب و مست
پیرہن چاک وغزل خواں وصراحی در دست

☆☆

چین بہ ابرو ہوئے عالم کا کیے خون رواں
آستیں بر زدہ آلودہ لہو میں داماں
اور لیے تیر و سناں ساتھ سپاہ مژگاں
نرگسش عربدہ جوی و لبش افسوس کناں
نیم شب مست بہ بالین من آمد بنشست

☆☆

میں تو رہتا تھا سدا ہجر میں اس کے غمگیں
خواب و خور راحت و آرام نہ تھا میرے تئیں
شامت بخت سے لگ گئی تھی مری آنکھ وہیں
سر فرا گوشِ من آورد و بہ آواز حزیں
گفت کاے عاشقِ شوریدۂ من خوابت ہست

☆☆

زاہد بیہودہ گو تجکو عبث دے ہے تو پند
عقل کو تہ ہے تری گو ترا شملا ہے بلند
چشم خوں‌خوار سیہ مست کروں کیوں نہ پسند
عاشقے را کہ چنیں بادۂ شب گیر دہند
کافرِ عشق بود گر نہ بود بادہ پرست

☆☆

لائے بادہ سے بنایا ہے ہمارا یہ خمیر
ہم اگر مست رہیں مے سے نہیں کچھ تقصیر
موج صہبا ابھی کرتی ہے تجھے آ زنجیر
برو اے زاہد و بردرد کشاں خردہ مگیر
کہ نہ دادند جز ایں تحفہ بما روز الست

☆☆

جس طرح تجکو خوش آتی نہیں صہبا کی شمیم
اس طرح ہم کو بھی بھاتی نہیں جنت کی نسیم

روز محشر کا بتاتا ہے عبث ہم کو تو بیم
آنچہ او ریخت بہ پیانۂ ما نوشیدیم
اگر از خمر بہشت ست ور از بادۂ مست

☆☆

مہ نو عید کا تاباں شبِ مہتاب و بہار
بارشِ ابر لب جوی و ہوائے گلزار
گریۂ شیشہ و آوازِ نے و بین و ستار
خندۂ جام مے و زلفِ گرہ گیر نگار
اے بسا توبہ کہ چوں توبۂ حافظ بشکست

☆☆☆

تضمین دیگر بر غزل حافظ

ہوائے عشق میں اسباب لٹ گیا سارا
ملا یہ ہم کو نشیمن ہوئے جب آوارا
کہ خاک دشت کی بستر ہے تکیہ ہے خارا
صبا بہ لطف بگو آں غزالِ رعنا را
کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ مارا

☆☆

چمن چمن جو میں اس کے دہن کا وصف کیا
کلی کلی کا جگر سن کے لخت لخت ہوا

دیا ہے بوسۂ جاں بخش یار نے بھی جلا
شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا
تفقدے نہ کند طوطئ شکر خارا

☆☆

ہمیشہ باغ میں سنتا ہوں نالۂ بلبل
نہ ہووے کیونکہ مجھے پیچ و تاب جوں سنبل
ہزار حیف نہیں داد عاشقاں بالکل
غرور حسن اجازت مگر نداد اے گل
کہ پرسشے نکنی عندلیب شیدا را

☆☆

تو زلف و خال دکھا سب کو مت لبھایا کر
رہے گا اس کا گرفتار کوئی سدا کیونکر
تجھے میں بات سناتا ہوں فہم ہوئے اگر
بحسن و خلق تواں کرد صید اہلِ نظر
بہ دام و دانہ نہ گیرند مرغ دانا را

☆☆

صبا اگرچہ تجھے دے وہ شوخ دکھلائی
جو ان دنوں میں ہوا ہے بہت تماشائی
ادب سے کہیو کہ کہتے ہیں تیرے سودائی
چوبا حبیب نشینی و بادہ پیمائی
بیاد آر حریفانِ باد پیما را

☆☆

ہر ایک گل ہے محبت میں تیری چاک بہ جیب
تری کمر کا تصور ہے سیر عالمِ غیب
بجا ہے حق میں جو عاشق کہے ترے لا ریب
جز ایں قدر نتواں گفت در جمالِ تو عیب
کہ خالِ مہر وفا نیست روئے زیبا را

☆☆

عیاں ہے تاباں راز نہفتۂ حافظ
غذائے روح ہے شعر شگفتۂ حافظ
سبھی ہیں خوب گہر ہائے سفتۂ حافظ
در آسماں چہ عجب گرز گفتۂ حافظ
سماع زہرہ برقص آورد مسیحا را

☆☆☆

تضمین بر غزل مظہر

رحم اس بے رحم کے جی میں نہیں آتا ہنوز
روز اُٹھ کر میرے تئیں دیتا ہے وہ ایذا ہنوز
قتل کو میرے بہانا ڈھونڈتا ہے گا ہنوز
شد خط او سبز و دارد رنجش بیجا ہنوز
ی چکد مانند طوطی خوں ازاں لبہا ہنوز

☆☆

میں تو رہتا تھا ہمیشہ بادۂ گلگوں سے مست
رات دن میرا ہی تھا ہر میکدے میں بند و بست
اب تمھارے ہاتھ سے اے زاہدانِ خود پرست
توبہ خود کردم و لے ذوقِ شرابم در سر است
در نگاہِ شوق می بوسم لبِ مینا ہنوز

☆☆

دیکھ رُخ بلبل کے دل سے عشقِ گل جاتا رہا
فاختہ نے دیکھ قد، چھوڑا تماشا سرو کا
سرو بھی پامال سایہ کی طرح سے ہوگیا
یک سحر در میر گل وا کردۂ بند قبا
میرود برباد در گلشن گریبانہا ہنوز

☆☆

مر گئے ہیں آرزو میں جس کی رو رو اے نسیم
اب تلک بھی ہائے اس گل کی نہیں آتی شمیم
گور میں ہم حشر تک نالاں ہیں در امید و بیم
در امید وعدۂ دیدار از بس مردہ ایم
بوئے جاں می آید از خاکِ مزارِ ما ہنوز

☆☆

اب تلک غافل ہے میرے حال سے وہ خود پسند
کردیا راہوں کو میری اشک کے سیلوں نے بند

آہ نے میری لگائی ہے فلک تک جا کمند
گرد باد سرمہ شد صد بار زیں صحرا بلند
چشمت از روز سیاہ ماست بے پروا ہنوز

☆☆

بسکہ رہتا تھا ہمیشہ مجکو گھیرے اس کا غم
نالہ و فریاد سے فرصت نہیں تھی ایک دم
تھا مگر تقدیر میں میری لکھا درد و الم
مردہ ام اما بسان برق و باراں بر سرم
آہ و اشک آید فرود از عالم بالا ہنوز

☆☆

میں نے اب تک اس سا کوئی دیکھا نہیں ہے بیقرار
رات دن آنسو چلے جاتے ہیں جس کے زار زار
ہائے تاباں کیا نہیں ہوتی ہے قدر دلفگار
نالہ موزوں میکند عمریست لیکن پیش یار
ہست مظہر در شمار شاعراں گویا ہنوز

☆☆

تضمین دیگر برغزل حافظ

میکدے میں میں گیا چھوڑ حرم تا بہ کنشت
کون ہے تو کہ کہے مجکو ترے فعل ہیں زشت

خوب میں لائقِ دوزخ ہوں تجھی کو ہو بہشت
عیب زنداں مکن اے زاہدِ پاکیزہ سرشت
کہ گناہِ دگرے بر تو نخواہد نوشت

☆☆

گو مجھے دخترِ رز کی ہے شب و روز تلاش
یا میں طفلانِ پری رو کے تئیں چاہوں فاش
سخت حیراں ہوں کہ کیوں مجھ سے ہے تجکو پرخاش
من اگر نیکم و گر بد تو برو خود راہ باش
ہر کسے آں درود عاقبت کار کہ کشت

☆☆

ہے کوئی بت کا پرستار کوئی بادہ پرست
کوئی کعبے کا مطوف ہے تو کوئی جام بدست
کوئی مدہوش یہاں آج کوئی مستِ الست
ہمہ کس طالبِ یار اند چہ ہشیار و چہ مست
ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

☆☆

نیک اور بد کی مجھے اپنے نہیں کچھ پروا
میں سلامت رہوں اور پیرِ خرابات مرا
گو مجھے یا تو نہ فردوس میں رکھنے دے خدا
سرِ تسلیم من و خاکِ درِ میکدہ ہا
مدعی گر نہ کند فہم سخن گو سر و خشت

☆☆

تو بدوں میں جو مرے نام کو کرتا ہے مثل
تجکو معلوم ہے کب آج کہ کیا ہوگا کل
شیخ ہر ایک کا عقدہ ہے کہاں تجھ پر حل
نا امیدم مکن از سابقۂ روزِ ازل
تو چہ دانی کہ پس پردہ کہ خوب است و کہ زشت

☆☆

شیخ رکتا تھا عبادت سے زبس میرا نفس
خوش کیا ساغر سے چھوڑ کے کوثر کی ہوس
اب سمجھتا ہوں ترے سبزۂ فردوس کو خس
نہ من از خانۂ تقویٰ بدر افتادم و بس
پدرم نیز بہشت ابد از دست بہشت

☆☆

اس زمانے کی زبس بخل سے ہوئی ہے بنیاد
ایک خوش ہو تو نہ ہو دوسرا اس سے دلشاد
ربط ظاہر میں بہت دل میں بھرے بغض و عناد
گر نہادت ہمہ ایں است زہے نیک نہاد
در سرشتت ہمہ ایں است زہے نیک سرشت

☆☆

روزِ محشر کو خدائے دوجہاں عز و جل
وقتِ بخشش کے نہ پوچھے گا بد و نیک عمل

اپنا احوال ہے معلوم کسے بعد اجل
بر عمل تکیہ مکن خواجہ کہ در روز ازل
تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت

☆☆

صرف کر سیر و سیاحت میں سدا لیل و نہار
دل میں زنہار نہ رکھ تو خطر روز شمار
دیکھ اس گلشنِ ہستی میں ہر اک گل کی بہار
باغ فردوس لطیف است و لیکن زنہار
تو غنیمت شمر ایں سایۂ بید و لب کشت

☆☆

خوب ہے میکشی اور شغل مئے گلفامی
رکھ تو پھر تا قدم اس رہ میں نہ کامی کامی
کل ہی کرتا تھا نصیحت مجھے تاباں نامی
حافظا روز اجل گر بکف آری جامی
یکسر از کوئے خرابات برندت بہ بہشت

☆☆☆

تضمین دیگر بر غزل مظہر

سینۂ گل چاک چاک از نالۂ زار منست
سوز بلبل در گلستاں شرح گفتار منست
نرگس تصویر لعل چشم بیدار منست
گریہ دریا کردۂ مژگان خونبار منست
سیل غم از خانہ پردازان دیوار منست

☆☆

اپنے روز و شب کا تجھ سے کیا کہوں میں ماجرا
روز میرا ہے شب بیمار سے بدتر سدا
صبح میری نے خجل شام غریباں کو کیا
شام من پروردہ در آغوش صبح فتنہ زا
روز محشر قرۃ العین شب تار منست

☆☆

ہے زباں قاصر مری میں کیا کروں شکر ستم
کیوں نہ ہوں خوش وقت ہے افزود ہر دم میرا غم
ہے مرے احوال پر اللہ کا فضل و کرم
می نوازد عشق او ہر دم بدارد تازہ دم
ایں نوازش ہا فزوں از قدر مقدار منست

☆☆

قطرۂ صہبا کا پینا ہے مرے نزدیک سم
قلقلِ مینا کا مجکو شور خوش آتا ہے کم
منتشر میرے حواسوں کو کرے میر ارم
ایں کہ نتوانم کہ دور از یادِ گل را بو کنم
شمۂ از بے دماغی ہائے بسیارِ منست

☆☆

فرقۂ اہلِ جفا کا چاہنا ہوتا ہے بد
ہے یہ میری بات حق میں ہوشمندوں کے سند
عاشقِ ہر ماہ رُو مانندِ تاباں ہو میں کد
آں صنم را بندۂ مظہر کہ رامِ من شود
آنکہ با من باز بفروشد خریدارِ منست

☆☆

تضمین

میں تیرے عشق سے از بس کہ کفر میں آیا
طریقِ مسجد و بت خانہ ایک سا بوجھا
تمام خلق نے مشہور ملحدوں میں کیا
دیا ہے قتل کا قاضی نے ابھی مرے فتوا
بہ جرم عشق توام میکشند غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

☆☆

جہاں میں اب تو مری عاشقی کا شور ہوا
حیا و شرم گئی صبر و ننگ دور ہوا
جنوں کا دوست ہوا دشمنی شعور ہوا
جفا کے سنگ سے شیشہ بھی دل کا چور ہوا
خدا کند کہ زمن عشق دست بردارد
دلے نہ ماند کہ دیگر شکست بردارد

☆☆

زبسکہ اشک نے کی تیرے غم میں طغیانی
یہ میری چشم کی کشتی ہوئی ہے طوفانی
زمیں سے لے کے بھرا آسماں تلک پانی
نہیں کوئی کہ کرے ایسی اشک افشانی
منم کہ چشم و دل دجلہ آفریں دارم
نم سحاب و ترشح در آستیں دارم

☆☆

ہوا نہیں ہے کوئی مجھ سے عشق میں بہتر
نہیں ہے قیس کہ وہ چومتا قدم آکر
مجال کیا ہے کہ فرہاد مجھ سے ہو سر بر
کسی میں شور جنوں کی نہیں ہے بات مگر
منم کہ گوش فغاں بر لب خموش منست
خروش محشر ما بیش خیز جوش منست

☆☆

ہر ایک گھر میں میں سنتا ہوں شور و افغاں کو
میں دیکھتا ہوں السناک ہر مسلماں کو
نہیں ہے شغل بھی پتھروں کا آج طفلاں کو
کیا ہے تونے مگر قتل اپنے تاباں کو
چہ شد کہ از ہمہ جا بوے درد می آید
زہر کہ می شنوم آہ سرد می آید

☆☆☆

تضمین

نازک اندام تجھے دیکھ ہوا میں مفتوں
عقل اور ہوش کو کھو نام رکھایا مجنوں
زور پھبتی ہے ترے بر میں قبائے گلگوں
اس کے تئیں جھوٹ تو مت جان میں سچ کہتا ہوں
"شمع گر با تو کند دعوئے نازک بدنی
کشتنی سوختنی باشد و گردن زدنی"

☆☆

سب سے میں تیرے لیے رشتۂ الفت توڑا
تجھ سے بے رحم سے میں آن کے دل کو جوڑا
سر کو پتھروں سے ترے کوچہ میں جا جا پھوڑا
ہو کے وحشی میں ترے عشق میں سب کچھ چھوڑا

"دین و دنیا ہمہ برباد شد از دیدن تو
ہیچ کافر نہ کند میل پرستیدن تو"

☆☆

جی کو بن دیکھے ترے ایک گھڑی چین نہیں
دل بھی اس درد سے رہتا ہے نہایت غمگیں
رو رو آنکھوں نے ترے شوق میں تر کی ہے زمیں
ڈر کے ٹک اپنے خدا سے تو بتا میرے تئیں
"صنما در غم عشق تو چہ تدبیر کنم
تا بکے در غم تو نالۂ شب گیر کنم"

☆☆

آشنائی کہ ترے عشق میں اب مرتا ہوں
تاب جینے کی نہیں عمر کے دن بھرتا ہوں
جور اور ظلم سے تیرے میں بہت ڈرتا ہوں
اپنے احوال کی کچھ عرض نہیں کرتا ہوں
"گرچہ از آتشِ دل چوں خُم مے در جوشم
مُہر بر لب زدہ خوں میخورم و خاموشم"

☆☆

میں نے چاہا تھا ترے عشق میں ہوکر مجنوں
چھوڑ بستی کے تئیں جا کے بساؤں ہاموں
مجکو یاروں نے جو دیکھا کہ ہوا اس کو جنوں
لے کے زنداں میں کیا قید میں اب کس سے کہوں

''کارِ رسوائی من حیف بہ تاباں نہ رسید
نا رسا طالعِ خاکی کہ بہ داماں نہ رسید''

☆☆

کس سے میں جا کے کہوں کون مری دیوے داد
عمر جاتی ہے مری، ہجر میں تیرے برباد
جب سے تو جاتا رہا دل پہ مرے کر بیداد
تب سے کرتا ہوں اسی بیت کو کر کر فریاد
''اے صبا تحفہ از خاکِ رہ یار بیار
ببر اندوہ دل و مژدۂ دیدار بیار''

☆☆

یہ جو تاباں ہے ترا سوختہ دل تجھ پہ فدا
کون سا رنج ہے جو تونے نہیں اس کو دیا
روز و شب فکرِ اذیت ہی میں تو اُس کی رہا
ذبح کرنے کا غرض قصد بہت تونے کیا
''قتل ایں خستہ بہ شمشیر تو تقدیر نہ بود
ورنہ ہیچ از دلِ بے رحم تو تقصیر نہ بود''

☆☆☆

مستزاد

اے فلک یار کے تئیں میرے نہ تو دیکھ سکا ہائے فریاد و فغاں
کر دیا اس کو مرے پاس سے اک دم میں جدا ہائے فریاد و فغاں
کس سے میں جا کے کہوں حال دلِ زار کے تئیں اے مرے یار بتا
غم سوا کوئی نہیں مونس و غم خوار مرا ہائے فریاد و فغاں
رات دن روتے گزرتی ہے مجھے غم میں ترے اے ستمگار مرے
خواب و خور راحت و آرام بھی سب میرا گیا ہائے فریاد و فغاں
میں نے چاہا تھا چھپاؤں میں ترے عشق کا راز اے دل آزار مرے
پر مری چشم نے رو رو کے اسے فاش کیا ہائے فریاد و فغاں
جب سے آیا میں عدم سے مجھے رونا ہی رہا یہ مصیبت نہ گئی
ایک دم بھی نہ میں اس گلشنِ ہستی میں ہنسا ہائے فریاد و فغاں
اس کے دامن تئیں پہنچا تھا مرا مشتِ غبار آرزوؤں سے بڑی
ان نے غصہ سے جھٹک اس کو بھی برباد دیا ہائے فریاد و فغاں
جن نے اسلام سے کھویا ہے ہزاروں کے تئیں ایک ہی آن دکھا
دل ہمارا بھی اسی کافرِ بے دیں سے لگا ہائے فریاد و فغاں
سیج پر پھولوں کی سونا مجھے اس یار بغیر لوٹنا آگ پہ ہے
خوابِ مخمل بھی مرے تن کے تئیں خار ہوا ہائے فریاد و فغاں

باعثِ قتل مرا حشر کو گر پوچھیں تجھے   اے جفا کار بھلا
کیا جواب اس کا تجھے آئے گا اس وقت بتا   ہائے فریاد وفغاں
فصلِ گُل آئی گلستاں میں مبارک ہو تمھیں   اے رفیقانِ چمن
ہم تو ہوسکتے نہیں دام سے ظالم کے رہا   ہائے فریاد وفغاں
میں تڑپتا ہی رہا خاک میں ہو اس کا شکار   وہ گیا اسپ کُدا
اس کے فتراک سے بندھنا نہ نصیبوں میں ہوا   ہائے فریاد وفغاں
شکوۂ چرخ کروں یا میں کروں شکوۂ یار   مجکو بتلائے کوئی
ہاتھ سے دونوں کے نالاں ہی میں رہتا ہوں سدا   ہائے فریاد وفغاں
کس طرح ایسی بلاؤں سے بچے آکے کوئی   کہ ترا یار مرے
خط بلا، خال بلا اور قد رعنا ہے بلا   ہائے فریاد وفغاں
ایکدم کی بھی جدائی تھی تری مجھ پہ ستم   تجھ پہ روشن ہے میاں
سو ترا دیکھنا بھی اب مجھے دُشوار ہوا   ہائے فریاد وفغاں
ہم وہی ہیں کہ گرفتار جدائی کے ہوئے   ایکدم بھی جو کبھی
مثلِ آئینہ و سیماب نہ ہوتے تھے جدا   ہائے فریاد وفغاں
رات کل کی تو ترے ہجر میں روتے ہی کٹی   میرے تاباں کے تئیں
آج کی رات خدا جانے ستم لیائے گی کیا   ہائے فریاد وفغاں

☆☆☆

قصیدہ

ہوئی ہے فیضِ ہوا سے عجب طرح کی بہار
کہ جس طرف کو نظر جا پڑے تو ہے گلزار
گلوں نے سر کو گریباں سے اپنے کاڑھا ہے
چمن میں سبزۂ خوابیدہ پھر ہوا بیدار
میں دیکھتا ہوں گلستاں میں جب کہ سبزے کو
تب آرتا ہے مجھے یاد سبزۂ خطِ یار
ز بسکہ جوشِ بہاراں ہے کوہ و صحرا میں
عجب نہیں ہے کہ پتھر سے نکلے سبز شرار
چمن میں جیسے زمرد کی کان ہے سبزا
کہ جس کے عکس سے سقفِ فلک ہے مینا کار
ہوئی ہے فیضِ ہوا اس طرح کی گلشن میں
کہ تاجدار ہے دولت سے گل کی ہر اک خار
بسنتی پوش نہ ہو کس طرح گلِ صد برگ
کہ گلستاں میں نئے سر سے پھر ہوئی ہے بہار
ز بسکہ شوق ہوا فصلِ گل کے دیکھنے کا
اُٹھی ہے لے کے عصا ہاتھ نرگسِ بیمار

اگر نہیں ہے خوشی فصلِ گل کے آنے کی
تو کیوں ہے سنگ میں شادی سے سرخ رنگِ شرار
یہ بحر ابر سے گویا برستے ہیں اشکوک
چمن کے صحن میں پڑتی نہیں ہے مینہ کی بہار
نہیں ہے خاک ہوا دار گر گلستاں کی
تو کیا سبب ہے کہ گلشن کے گرد ہے دیوار
ہر ایک بیت میں کہتا تھا فصلِ گل کی صفت
کہ کی میں فکرِ غزل چھوڑ وصفِ فصلِ بہار
ہنسا ہے باغ میں جب کھل کھلا وہ گل رخسار
ہر ایک گل کا جگر پھٹ گیا ہے مثلِ انار
نہیں ہے صاحبِ جوہر کی قدر دنیا میں
جلے ہے آتشِ حسرت میں اس سبب سے چنار
یہ آرزو ہے ہر اک عندلیب کے دل میں
کہ بعد مرگ کے سائے میں گل کے ہووے مزار
ہوا ہو ، ابر ہو، ساقی ہو، باغ میں تو ہو
بڑی ہے سیر بڑا ہے مزا بڑی ہے بہار
ہمیشہ یاد کر اُس سنگدل کو روتا ہوں
پٹک کے سر کو پہاڑوں سے میں پکار پکار
جو راست باز زمانے میں ہو نہ بولے جھوٹ
رکھے ہے اُس سے عداوت یہ چرخ کج رفتار

ہوا ہوں دیکھ کے مخمور چشم اُس کی مست
کہ جس کو دیکھ کے بے ہوش ہوگئے ہشیار
میں تیرے خط کا لکھوں وصف صفحۂ دل پر
جو پہلے سیکھ لوں اُستاد سے میں خطِ غبار
جب اپنے گھر سے نکلتا ہے جامہ زیب مرا
تو بند دیکھ کے ہوتے ہیں کوچہ و بازار
کوئی کہے ہے کیا ذبح کوئی کہے لوٹا
پڑے ہے ہاتھ سے ظالم کے ہر طرف یہ پکار
میں دیکھ اُس ابروے خم دار کو کہا تاباںؔ
خدا نصیب کرے اُس کے ہاتھ کی تلوار
کہاں تلک میں کہوں اس بہار کی تعریف
نہیں مرے تئیں اتنی بھی طاقتِ گفتار
کہاں دماغ کہ ہر گل کے وصف کو کہیے
کسے غرض کہ کرے دردِ بلبلاں اظہار
نہ یہ بہار رہے گی نہ یہ چمن نے گل
خزاں کے ہاتھ سے ہوجائے گا یہ سب کچھ خوار
پس اُس کی فکر میں اوقات کیوں کروں ضائع
کہوں میں کیوں نہ شہنشہ کے وصف میں اشعار
سپہر مرتبہ شہنشہِ زمین و زماں
کہ جس کے حکم میں ہے گا یہ چرخ کج رفتار

جو اُس کی خاک لگے جا کسی کے دامن کو
تو وہ بھی جانے نہ دیووے جھنک دے مثلِ غبار
بیان سن کے شجاعت کا اُس کی دہشت سے
ہو چاک دیو کا سینہ چو رخنۂ دیوار
اگر نگاہ غضب کی کرے کسی پر وہ
تو مل کے خاک میں ہو خوار کوچہ و بازار
میں اس کی تیغ کی تعریف کیا کروں تاباں
عدو ہو دیو تو کافی ہے اس کو ایک ہی وار
میں اس کی کاٹ کو دیکھا ہے اپنی آنکھوں سے
جو کوہ پر بھی لگے دو کرے وہ ایک ہی بار
جو اُس کے اسپ کی جلدی کی کچھ صفت لکھوں
تو بھول جائے قلم اپنی یک بیک رفتار
چلے ہے گرم کیت قضا سے بھی آگے
کب اُس کی جلدی کو پہنچے ہے برق یا کہ شرار
لگے ہے بال ہر اک اس کی ایال کا ایسا
کہ جیسے زلف کا معشوق کی ہووے ہے مار
ہُما کے بال سے ہے ہمسری دم اُس کی کو
کہ شاہ خود بہ سعادت ہوا ہے اُس پہ سوار
عدو کے خون میں آیا ہے سیر کر گویا
نہیں ہے پانو اوپر اُس کے سرخ رنگ نگار

کہاں تلک میں کہوں اُس کا وصف اے تاباں
یہ جی میں ہے کہ کروں اب دعا پکار پکار
ہر اک پہ اُس کا رہے ظلِّ عاطفت یا رب
ہے جب تلک چمنِ دہر میں گل و گلزار
ہو دوستوں پہ حرام اُس کے آنچ دوزخ کی
جو دہر میں ہے عدو ان کی جاے هُــو فِــی النَّــار

☆☆☆

مثنوی

درمدح اُستادِ خود حشمت و عمدۃ الملک

کروں کیا میں توحیدِ حق ابتدا
کہ اُس کی صفت کا نہیں انتہا
ثنا کیا کرے ایزدِ پاک کی
یہ قدرت کہاں پتلۂ خاک کی
ہووے نام جس کا بھلا ذوالجلال
کوئی بول سکتا ہے واں کیا مجال
نہ قدرت کہ نعتِ پیمبر کہوں
نہ طاقت کہ میں وصفِ حیدر کہوں
نہ استاد کی مجھ کو تابِ ثنا
کہوں گر تو کب ایسی فکرِ رسا
کمالوں میں جن کے نہیں کچھ قصور
وے سب طفلِ مکتب ہیں ان کے حضور

ہر اک علم میں ہے وہ صاحب کمال
زباں وصف میں اس کے ہوتی ہے لال
کروں علم حکمت میں کیا اس کی نقل
کہ بقراط کی دیکھ کر، جائے عقل
کہاں اِس کے رتبے کی لقماں کو بار
ارسطو سے شاگرد ہیں کئی ہزار
فلاطونِ اگر ہو تو لیوے سبق
ہوئے رشک سے بوعلی سینہ شق
اسے رمل میں بھی ہے ایسا کمال
کہ دیکھے تو شاگرد ہو دانیال
وہ ہیئت میں اُستاد ہے ہند کا
منجم بھی نہیں اس سا کوئی دوسرا
قیامت وہ منطق میں اُستاد ہے
اسے علمِ اشراق بھی یاد ہے
عجب نہیں کہ وہ مس کو کردے طلا
کہ جو بات ہے اُس کی ہے کیمیا
عجائب غرائب کو جانے ہے غیب
کہ بے شک ہے اس کے تیئں دستِ غیب

فضیلت میں جو عمر کرتے ہیں صرف
وے کچھ جانتے نہیں بجز نحو و صرف
اگر اس کا ہو کوئی شاگرد جا
تو عالم کو دے درس مشکوٰۃ کا
کرے فقر کا اس کے گر قیل و قال
تو شبلی و عطار کی نہیں مجال
کسی کو کہاں اُس سے ہے برتری
کہ ہے نام اُس کا محمد علی
تخلص بھی حشمت ہے اس کا بجا
وہ اہلِ سخن بیچ ہے بادشاہ
غرض اس سا کوئی نہ ہوگا کبھی
جوں احمد پہ ہوئی ختم پیغمبری
زباں وصف میں اس کے ہوتی ہے بند
کہ یوں کہہ گیا ہے کوئی دردمند
کوئی آج اس کے برابر نہیں
وہ سب کچھ ہے اِلّا پیمبر نہیں
زیادہ کہوں وصف میں اس کا کیا
بصورت ہے انساں بمعنی خدا

میں کرتا ہوں اب وصف اس کا[1] بیاں
کہ ہے سب امیروں میں والا مکاں
کہاں ماہ کو اُس سے ہے ہمسری
کہ خورشید ہے اُس کی سورج مکھی
وزارت کے قابل ہے وہ باوقار
کہ چہرے سے اقبال ہے آشکار
نظر کیا عجب اُس پہ ہو شاہ کی
کہ اُس پر عنایت ہے اللہ کی
سخاوت میں ایسا ہے آج اُس کا دل
کہ حاتم اگر ہو تو ہووے خجل
الٰہی وہ دنیا میں قائم رہے
سلامت تری طرح دائم رہے
سخن مختصر ساقیِ میکشاں
کہاں ہے تو اس وقت ظالم کہاں
گھٹا ہر طرف زور آئی ہے جھوم
مچائی ہے کیا ابر نیں آج دھوم
نہیں ہے فلک پر یہ ابرِ سیاہ
کہ پیچاں ہوا ہے مرا دودِ آہ

1۔ یعنی عمدۃ الملک امیر خاں انجام

گرجتے ہیں بادل نپٹ شور سیں
برستا ہے مینھ آج کیا زور سیں
ہوا جوش باراں کا اب یاں تئیں
کہ یکساں ہوا آسماں اور زمیں
پیالہ دے مجکو مئے ناب کا
تماشا کروں عالمِ آب کا
ارے ساقی اے جان ابرو ہوا
خبر بھی ہے کچھ تجکو بیٹھا ہے کیا
کہ آئی ہے اب کے قیامت بہار
رہے گی یہ مدت تلک یادگار
ارے دیکھ ہر دشت اور ہر زمیں
کہ جز سبزہ و گل کے کچھ اور نہیں
جہاں تک نگہ کام کرتی ہے یاں
کہیں خار و خس کا نہیں کچھ نشاں
ہے سبزے سے اے ساقیِ دل نواز
ہر یک دشت فرشِ زمرّد طراز
جہاں میں خوشی بسکہ ارزاں ہے آج
لبِ نقش تصویر خنداں ہے آج

خبر سن بہاراں کی سب بحر اب
ہر اک موج سے ہے تبسم بہ لب
جو پہنچے خبر کان گوہر طرف
تو دندان در سوں ہو خنداں صدف
بیاں کیا کروں میں شکوہِ چمن
مجھے نئیں ادب سے مجال سخن
ہے کچھ ان دنوں اور ہی شانِ باغ
کہ ہر گل کا ہے عرش پر اب دماغ
ہوئی بسکہ فیضِ نسیمِ سحر
ہر اک گل کا کیسا ہے لبریز زر
ہیں اہلِ چمن آج ساغر بدست
ہے یاں سلطنت کا سا اب بندوبست
کسی بے ادب کا نہ ہوتا گزار
عصا لے کے نرگس ہوئی چوبدار
رکھے گر زیادہ کوئی حد سے پا
تو میر تزک سرو ہے جا بجا
طراوت بھی ہے ایسی اب باغ میں
کہ جنت کے ہووے گی کب باغ میں

ہے شبنم سے سیراب سارا یہ بَن
خیاباں خیاباں چمن در چمن
زبس ہے طراوت فزا یہ ہوا
ہیں گلہائے موسمیں پہ نشو و نما
جہاں بلبلیں تھیں طراوت سے واں
ہوا سبز ان کا خسِ آشیاں
زمیں سب ہے سیراب جم گئی ہے گرد
عجب نہیں ہو پتھر کی آتش بھی سرد
غرض ہے غنیمت یہ آب و ہوا
گر اس وقت ساغر تو دے ساقیا
تو ہو مست لوٹوں چمن کی بہار
کروں تجھ پہ لے لے زرِ گل نثار
وگر نہ فلک مدعی ہے بڑا
مبادا کہ پھر جائے آب و ہوا
یہ کل ہی کی تو بات سن ساقیا
کہ اک شخص یاں عمدۃ الملک تھا
ہمیشہ اسے عشق سے کام تھا
سدا اس کو شغلِ مے و جام تھا

کروں بزم کا اس کی میں کیا بیاں
سراپا خدای کا جلوہ تھا واں
وہ دیوان خانے میں جب بیٹھتا
تو وے وے پری رُو وے وے بلا
چپ و راست پیرامن ورو برو
کھڑے رہتے آ باندھ کر ہاتھ کو
صفت اس کے دیوان خانے کی گر
لکھوں میں تو کاغذ اپنا ہے کدھر
کہ ایواں در ایواں جہاں اور تھا
زمیں اور تھی آسماں اور تھا
اس ایوان میں شہ نشیں ایک تھا
جو تختِ معلق کہوں ہے بجا
کروں اس کی رفعت کا میں کیا بیاں
معلّٰی تھا وہ عقل سے بھی مکاں
شکوہ و بلندی میں تھا آسماں
کہ قوسِ قزح اس کا تھا سائباں
تہِ سائباں حوضِ لبریز تھا
اگر رشکِ کوثر کہوں ہے بجا

زمیں ہے غبار اس کے میدان کا
فلک برگِ سبز اس کی بستان کا
سدا صحن میں اس کے رہتا تھا رنگ
سدا تھی نوائے دف و نے و چنگ
کلاونت و قوال سب مل کے واں
بموسیقی استاد تھے بے گماں
جو قوال قول و غزل خواں تھا واں
عرب محو مدھوش ایراں تھا واں
کوئی ٹپہ دھرپت کو گاتا تھا واں
ترانے سے دل کو لبھاتا تھا واں
کوئی کرکے آغاز ساتوں کرام
دکھاتا بہ تدریج ہر اک مقام
عجب مل کے سازوں سے ہوتا تھا رنگ
کہ تھی واں فلاطوں کی بھی عقل دنگ
کہیں باجتے تھے ستار و منہ چنگ
کہیں خنجری اور کہیں جلترنگ
کہیں نے کہیں تھا جلاجل کا شور
بجاتا تھا قانون کو کوئی زور

سدا سن کے تنبور کی واں نوا
رگ جاں کا تھا چاک کرنا بجا
غرض راگ سازوں کا یاں تک تھا شور
کہ پہنچے ہے کب شور یو م النشور
زمیں سے فلک لگ ....

....

کہیں رقص کرتے تھے مہ طلعتاں
کہیں دید کرتے تھے ساغر کشاں
یہ سب خوبرویانِ ہندی نژاد
نمک سار زاد و نمک سار زاد
خوشی ہو کے آتے تھے جب رقص میں
انھیں دیکھ آتے تھے سب رقص میں
زبس عالمِ آب بھی تھا سدا
سبھی مست و مدھوش تھے جا بجا
تُبکنا تھا ان میں جو مثلِ حباب
رواں تھا وہ گویا کہ بر روئے آب
کسی میں تھی جوں شعلہ جوانگی
کسی میں تھی جوں برق جولانگی

بنا تھا کوئی بیٹھ کر ہو کے مست
کوئی مثلِ فوارہ کرتا تھا جست
اُٹھا کر کوئی ہاتھ پڑھتا تھا بید
کوئی تھا خم و چم میں جوں شاخ بید
کوئی دور انداز چوں شاخِ نم
کوئی مثلِ شمشیر ہوتا تھا خم
کوئی پر ملو ساز کرتا تھا واں
کوئی سرگم! آغاز کرتا تھا واں
کوئی باد دیتا تھا ....
کوئی خرچ کرتا تھا نٹ بدیا
بندھے پانو میں ان کے گھنگرو نہ تھے
تھے دلہائے نالاں قدم سے لگے
غرض کیا کہوں بزم اس کی کی بات
کہ اندر کا بھی واں اکھاڑا تھا مات
مچاتا تھا جب وہ کہ ہولی کے تئیں
تو رنگیں تھے سب آسماں و زمیں
کوئی زعفراں پوش سر تا بہ پا
کوئی ارغواں پوش سر تا بہ پا

کسی کا بھرا رنگ سے پیرہن
کوئی تھا سراپا بہارِ چمن
چھڑکتا تھا کوئی کسی پر گلاب
پلاتا تھا کوئی کسی کو شراب
زبس رنگ کی چھٹتی پچکاریاں
زمیں رشکِ گلزار ہوتی تھی واں
برستے تھے پچکاریوں سے جو تیر
تو دف ڈھال کرتے صغیر و کبیر
اُڑاتے تھے لے لے کے از بس عبیر
بھرے جھولیاں سب صغیر و کبیر
لو ساتی زمیں سے فلک تک لگا
تھی خوشبوے ...... بجائے ہوا
زمیں رنگ سے بسکہ ہوتی تھی لال
سبھی صحن خالی موں نہ بجھتا گلال
جو کوئی یاسمن لے کے بوتا تھا واں
تو اُگتے تھے لالا ہی یا ارغواں
زمیں پر جو گرتا تھا از بس گلاب
تو اُگتا تھا واں گل ہی بے کشت و آب

ز بس چورۂ زعفراں صرف تھا
گل ولاے اس گھر کی تھی ارگجا
سفیدی سے واں صبح کی ہر سحر
اُڑاتی تھی ابرک کو دامن سے بھر
ہر اک شام لے کر شفق کی گلال
در و سقف و دیوار کرتی تھی لال
نہ کرتا جو واں ہوکے رنگین عید
اُسے طعن تھا مثلِ ریشِ سفید
نہ تھی رنگ پوشی وہاں جس کو خو
طرح گل کے تھا سب میں وہ سرخرو
جو صوفی تھے بے نشہ ہوتے تھے مست
ہر اک وجد میں آکے کرتے تھے جست
کبوتر صفت اور سب میکشاں
بروے ہوا چرخ کھاتے تھے واں
غرض کیا کہوں اُس کے گھر کا بیاں
کہ ہوتی ہے یاں لال میری زباں
کیا اس فلک نے بڑا ہی ستم
وہ عشرت کدہ سب ہوا جائے غم

نہ آیا اُسے رحم کچھ ساقیا
دیا خاک میں دیسے گھر کو ملا
تجھے گر جو منظور دینی ہے مے
تو کئی جام دے لے مجھے پے بہ پے
ارے پھر کہاں ہے یہ فصلِ بہار
خدا جانے پھر کب ہو وصلِ بہار
فلک کام پر اپنے ہے مستعد
مبادا کہ آجائے ظالم کو ضد
ابھی ایک دم میں جہاں اور ہے
زمیں اور ہے آسماں اور ہے
مجھے ساقیا اب تو طاقت نہیں
یقیں جانیو دم کی فرصت نہیں
اگر مے کو دیتا ہے تو دے شتاب
ارے پھر کہاں ہے کہاں یہ شراب
مجھے چاہیے ایسی مے تو پلائے
کہ دنیا و دیں مجکو سب بھول جائے
و گر مے نہ دینی ہو تیرے تئیں
تو ہے فرض کہنا یہ میرے تئیں

کہ کرتا ہوں میں اس تمنا میں اب
ترے ہاتھ سے کھینچ رنج و تعب
اگر میں مروں گا تو تو جائے آب
چوانا مرے منھ میں ساقی شراب
کہ پہنچی ہے مجکو خبر یہ یقیں
مری بات میں کچھ تفاوت نہیں
کہ جس حال تیئں جس کی یاں مرگ ہو
اُٹھے گا اُسی حال سے حشر کو
مجھے بھی پلا دے تو ساقی ایتی
کہ پیتے ہی پیتے نکل جائے جی
اُٹھوں حشر کے دن نہایت ہی مست
ہو اُس روز بھی جام و مینا بدست
زبس ہے مرے تیئں خیالِ شراب
سمجھتا ہوں ساغر مہ و آفتاب
مجھے سایۂ تاک افلاک ہے
یہ پروین نہیں خوشۂ تاک ہے
ارے جس کو ہو یہ تمنا بھلا
کوئی اُس سے رکھتا ہے مے کو بچا

مجھے سے پلا سے پلا سے پلا
کہ ہو مست مانگوں یہ حق سے دعا
یہ ساقی ہو ابر سے ہو اور ہو بہار
یہ دنیا ہو اور میرا تاباں ہو یار

☆☆☆

قطعات تاریخ

تاریخ وفات سیدی احمد (1157ھ)

سیدی احمد کا میں جب مرنا سنا
کیا کہوں تاباں کہ کیا کیا غم ہوا
فکر میں تاریخ کی تب میں گیا
کیونکہ تھا مجھ سے بہت وہ آشنا
یوں کہا ہاتف نے ہے ہے کیا ہوا
سیدی احمد مر گیا واحسرتا

☆☆

تاریخ وفات شرف الدین پیام

شرف الدین پیام کو یارو
جب کہ پہنچا اجل کا آ پیغام

ہائے افسوس ہو گیا ناگاہ
زندگانی کا روز اُس پہ تمام
جی میں آیا کہ میں کہوں تاریخ
کیونکہ تھا اُس سے دوستی کا نام
غیب سے یک بیک ندا آئی
تجکوں جنت ہوئی نصیب مدام

☆☆

تاریخ وفات مضمون

سن کے دانا سے دیا نے آ کہا
یک بیک مجھ سے کہ مضموں مر گیا
تب میں پوچھا اُس کے تئیں افسوس ہائے
کد موے ہے ہے میاں مضموں بتا
وہ لگا کہنے کہ یہ معلوم نہیں
فکر میں تاریخ کی تب میں گیا
التجا کی اُس گھڑی ہاتف سے میں
کیونکہ اُس سے ربط مجکو دل سے تھا

ہو کے تب غمگیں کہی ہاتف نے یہ
کہ موئے ہے ہے میاں مضموں کہا

☆☆

تاریخ وفات روشن رائے

وہ گرامی قدر والا منزلت
خلق و خوبی تھا سدا جس کا شعار
یعنی روشن رائے شمعِ انجمن
دہر کو تاریک کر کے ایک بار
ہو گیا فارغ ہوا اور حرص سے
جوں خلیل اللہ کی خوش اُن نے نار
اس خبر کو سن کے میں تاباں بہت
شمع کے مانند رویا زار زار
اور اسی غم سے طرح فانوس کے
چاک کر کے پیرہن ہو سوگوار
جی میں آیا سال رحلت کو کہوں
تا رہے عالم میں اُس کی یادگار

یوں کہا دل نے خدا کے حکم سے
آگ روشن رائے پر ہوئی لالہ زار

☆☆

تاریخ شہادت نواب امیر خاں

کہتا ہوں اس سے کہ جن نے
عشرت کی بنا خراب کردی
جمدھر جو امیر خاں کو مارے
نامرد کہاں کی تھی وہ مردی
تاریخ وفات میں خرد نے
مارا ہے امیر خاں خبر دی

☆☆

تاریخ وفات حشمت

چھوڑ عالم کا دید واویلا
کی شہادت خرید واویلا

ہو اجل مستفید واویلا
یار ہوں نا امید واویلا
ہائے حشمت شہید واویلا

جانتا میں کہ چھوڑ دارِ فنا
یہ سفر تو کرے گا سوئے بقا
تو میں جانے ہی تجکو کیوں دیتا
اب کہاں سے کروں تجھے پیدا
ہائے حشمت شہید واویلا

تو تو وہ تھا کہ تیرے آگے قضا
کرتی گر قبض روح کا سودا
چٹکیوں ہی میں تو اُسے رکھتا
تیرا مرنا مجھے تعجب تھا
ہائے حشمت شہید واویلا

تو تو وہ تھا کہ گر عدو تروار
کھینچ کر چاہتا کرے اک وار
بند کرتا تو ایک دم میں دھار
اب کے حیراں ہوں کیا ہوا اسرار
ہائے حشمت شہید واویلا

کیا کہوں تو نے کیا قیامت کی
جا کے تیغ قضا سے الفت کی
قطع ہر بار کی محبت کی
مجھ سے بھی زور ہی مروت کی
ہائے حشمت شہید واویلا

یک بیک تو نے یوں جدائی کی
واہ وا کیا ہی آشنائی کی
خوب آخر کو دلربائی کی
کیا بری طرح بے وفائی کی
ہائے حشمت شہید واویلا

میں وہی ہوں کہ ایک دم میں جو
وحشی ہوتا تھا بن ملے رو رو
ایک دم چین ہی نہ تھا مجکو
سو ہے موقوف خواب میں اب تو
ہائے حشمت شہید واویلا

روز و شب غم تو تجھ سے کہتا تھا
تیرے غم کو کہوں میں کس سے جا
کون ایسا شفیق ہے میرا

کہ دلاسا دے اس الم سے آ

ہائے حشمت شہید واویلا

جو مصیبت فلک سے پاتا تھا

کوئی خاطر میں میں نہ لاتا تھا

تیری باتوں میں بھول جاتا تھا

جب میں روتا تھا تو ہنساتا تھا

ہائے حشمت شہید واویلا

اب میں روتا پھروں اگر ہر سُو

کوئی پونچھے نہ آ مرے آنسو

تجھ سا ہے کون آشنا یکسو

کر گیا کیا ہی مجکو بیکس تو

ہائے حشمت شہید واویلا

جس گلی کی طرف میں جاتا ہوں

آب جو اشک کے بہاتا ہوں

شور نالے سے غل اُٹھاتا ہوں

اور یہ کہہ سب کے تئیں رُلاتا ہوں

ہائے حشمت شہید واویلا

اشک سینے میں جب اُبلتا ہے

طرح فوّارے کے اُچھلتا ہے
بلکہ آنکھوں سے خون ڈھلتا ہے
دمبدم مُنھ سے یہ نکلتا ہے
ہائے حشمت شہید واویلا

غم میں تیرے ز بسکہ ہوں گریاں
اشک سے تر ہے سب مرا داماں
لوگ ہوتے ہیں سن کے سب حیراں
جب میں کہتا ہوں کر کے آہ و فغاں
ہائے حشمت شہید واویلا

روز شب دل کو بیقراری ہے
جی کو بھی حدّ اضطرابی ہے
ہر گھڑی آہ و نالہ زاری ہے
اور زباں پر ہمیشہ جاری ہے
ہائے حشمت شہید واویلا

غم نے تیرے جب اشتہار کیا
سارے عالم کو سوگوار کیا
ہر گریباں کو تار تار کیا
جن نے یہ درد اختیار کیا

ہائے حشمت شہید واویلا

تجکو ایسا ہی اب تو رووں گا
کہ میں لوح و قلم ڈبوؤں گا
سو نوشتِ قضا کو دھووں گا
اور یہ کہہ سب کے ہوش کھووں گا

ہائے حشمت شہید واویلا

تیرا تاباں غریب و خستہ جگر
فکرِ تاریخ میں تھا حد مضطر
مصرعۂ آخری پہ کی جو نظر
کد سے ہاتف نے اُس کو دی یہ خبر

ہائے حشمت شہید واویلا

☆☆☆☆

فرہنگ

(الف)

آسیا: چکی

آفتابی: دھوپ دی ہوئی چیز، سورج مکھی

آرسی: انگوٹھے میں پہننے والا زیور جس میں آئینہ لگا ہوتا ہے

اسپند: ایک سیاہ بیج، بری نظر کے اثرات کو دور کرنے کے لیے جس کی دھونی دی جاتی ہے۔ یہ جلتے وقت چٹاخے کی آواز دیتا ہے۔ عموماً اسے ''کالا دانہ'' کہا جاتا ہے۔

ابرک: ایک قسم کی چمکیلی دھات

اجابت: منظوری، قبولیت

اخگر: چنگاری

الحفیظ: خدا کی پناہ

استخواں: ہڈی

اسپ: گھوڑا

ارغواں: ایک درخت جس کی شاخیں پتلی ہوتی ہیں اور بہار کے موسم میں سارا درخت سرخ پھولوں سے بھر جاتا ہے۔ پتے بالکل نہیں ہوتے اور دوسرے موسم میں پتوں سے بھر جاتا ہے۔

انجھو: آنسو

ارّہ: لکڑی چیرنے کا ایک اوزار

اشلوک: شعر، بیت، حمد، نعت

ایزد: نام اللہ تعالیٰ کا

(ب)

بید: ایک قسم کا درخت جس کی شاخیں لچک دار ہوتی ہیں۔

برہ: فراق، جدائی

بر: جسم، آغوش، بغل

بدخشاں: افغانستان کا مشہور قدیم شہر، اس کا بہت سا علاقہ روسی حکومت کا حصہ بن گیا تھا۔ لعل کی نسبت سے یہ مشہور رہا ہے۔

بوتراب: حضرت علیؓ کی کنیت

بالیں: تکیہ، سرہانا

بگولا: گرد باد، ہوا کا چکر

بلدار: مڑا ہوا، پیچیدہ، خمیدہ، آڑہ ترچھا

بدآموز: غیر مہذب، بدتمیز، جس کی تربیت اچھی طرح نہ کی گئی ہو۔

بدیا: علم، ہنر، چالاکی، دھوکا، علم کی دیوی، جادو (اصل سنسکرت ودیا)

بوعلی: بخارا کے مشہور حکیم کا نام

(ت)

تخم: بیج

تودۂ خاک: مٹی کا ڈھیر

تختِ طاؤس: شاہ جہاں بادشاہ کا بنوایا ہوا مشہور تخت۔ اس پر ایک مرصّع (جواہر جڑا ہوا) مور پنکھ پھیلائے کھڑا تھا۔ اسی نسبت سے اسے تختِ طاؤس کہا گیا ہے۔ یہ تخت نادر شاہ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

تنور: ایک گول مٹی کا برتن جسے گڑھے میں لگا کر روٹیاں پکاتے ہیں،

تاک: انگور کی بیل

تروار: تلوار

تعزیر: سزا دینا

(ٹ)

ٹک: ذرا

(ج)

جرعۂ مے: شراب کی گھونٹ

جوئے شیر: وہ نہر جو فرہاد (کوہکن) نے شیریں کے لیے پہاڑ میں کھودی تھی۔

جبہہ سائی: ماتھا رگڑنا، پاؤں پڑنا، ناک رگڑنا۔

جرس: گھنٹہ کی آواز، گھڑیال

جل ترنگ: ایک باجا، پانی کی موج یا لہر

(چ)

چنگ: ستار کی قسم کا ایک باجا

چونڈا: سر کے لمبے بالوں کا گچھا جو عورتیں سر پر باندھ لیتی ہیں۔ پرندوں کی چھوٹی کلغی۔

چنار: ایک بے ثمر درخت جس کی پتیاں انسان کے پنجہ کے مشابہ ہوتی ہیں۔

چوبدار: بادشاہوں اور امرا کا وہ ملازم جو سونے یا چاندی کا خول چڑھا ہوا عصا (خاص قسم کی لاٹھی نما لکڑی) لیے آگے آگے چلتا تھا۔

چھب: آرائش، زیب و زینت، ناز و ادا

(ح)

حمقا: احمق کی جمع بمعنی بیوقوف

حجر اسود: سیاہ پتھر جو خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب ہے۔

(خ)

خدنگ: تیر

خوں آشام: خون پینے والا، خونخوار

خجلت: شرمندگی، شرم

خلق: خلقت، دنیا کے لوگ، مخلوق

خلق: عادت، خصلت

خلائق: خلیقہ کی جمع

خضرآباد: خضر خاں نے 1418ء میں جمنا کے کنارے اوکھلا (جامعہ) کی طرف ایک شہر بسایا تھا جو آج بھی خضر خاں کے نام سے جانا جاتا ہے۔

(د)

دولاب: رہٹ، عصور، چرخ، الماری

دانہ تاک: انگور کی بیل

دود: دھواں، دھند، غبار

دود چراغ: چراغ کا دھواں

دودماں: خاندان، قبیلہ کنبہ، خانوادہ

دخت رز: انگوری شراب

دختر رز: انگوری شراب

دف: ڈفلی، بجانے کا ایک ساز

دھرپت: ایک ہندی راگ

(ذ)

ذوالجلال: جلال والا

ذوالفقار: حضرت علیؓ کی تلوار

(ر)

روح الامیں: حضرت جبرئیلؑ

ریحاں: ایک خوشبودار پودا

رعنا: انداز سے چلنے والا، خوش خرام، حسین و نازک

(ز)

زمرد: سبز رنگ کا قیمتی پتھر

زنہار: پناہ، بچاؤ، ہرگز، کبھی نہیں

زنبور: بھڑ جو مشہور ڈنک مارنے والی مکھی ہے، زنابیر اس کی جمع ہے۔

زنار: وہ تاگا جو ہندو گلے اور بغل کے درمیان ڈالے رہتے ہیں (جنیو)۔ وہ دھاگا یا زنجیر جو عیسائی، مجوسی اور یہودی کمر میں باندھتے ہیں۔

(س)

سوختہ: جلا ہوا، جلایا ہوا ایندھن

سنبل: ایک قسم کی خوشبودار گھاس

سمط: موتی پرونے کا ڈورا

سیماب: پارہ جو کہ ایک سفید چمکیلی سیال فلز ہے۔

سمور: شمالی برفستانوں کا ایک گوشت خور چار پایہ جو روباہ سے مشابہ ہے اور جس کا رنگ سرخ مائل بہ سیاہی اور رُواں نہایت نرم و نازک اور نفیس ہوتا ہے۔

سنجاف: گوٹ

سقر: دوزخ

سموم: گرم ہوا

سروہی: دودھاری تلوار

سمکھ: مقابل

ساں: طرح

سقف: بام، چھت

سبزۂ خوابیدہ: جھکی ہوئی سبز گھاس

(ش)

شراب ناب: خالص شراب

شوم: کنجوس

شتابی: جلدی، عجلت

شمع کافوری: کافور کی بنی ہوئی شمع جس کی روشنی نہایت صاف ہوتی تھی۔

شکیبائی: صبر

شہرۂ آفاق: دنیا بھر میں مشہور

شب کور: وہ جسے رات کو دکھائی نہ دے

شیون: ماتم، آہ و زاری

(ط)

طاس: طشت، لگن، کوئی پھیلی ہوئی چیز

طالع: نصیب

طفل: لڑکا

طفلاں: طفل کی جمع

طعمہ: روزی، خوراک

(ظ)

ظلِ ہما: ہما کا سایہ۔ ہما ایک فرضی پرندہ ہے جس کی نسبت یہ مشہور ہے کہ اس کا سایہ جس پر پڑ جائے وہ شخص صاحب سلطنت ہو جاتا ہے۔

ظلِ عاطفت: عنایت کا سایہ

(ع)

عسس: کوتوال۔ شہر کے گرد گردش کرنے والا عہدہ دار

عروس: دلہن، بہو

(ف)

فغفور: چین کے بادشاہ کا لقب ہے

فرہاد: وہ افسانوی سنگ تراش جو خسرو بادشاہ ایران کی ملکہ شیریں پر عاشق ہو گیا تھا۔

فی النار: آگ میں، آتش میں

فلاطون: یونان کا مشہور فلسفی

(ق)

قارورہ: شیشہ، ایک قسم کی شیشی جس میں پیشاب بھر کر حکیم کو دکھاتے ہیں مجازاً پیشاب کیوں کہ بیماروں کا پیشاب اکثر حکیم کے پاس شیشی میں لے جایا کرتے ہیں۔

قلقل: صراحی سے شراب یا پانی نکلنے کی آواز

قمری: فاختہ کی ایک قسم

قاقم: ایک جنگلی گوشت خور چوپایہ جس کی خاکی رنگت کی پشم نہایت نرم و نازک و نفیس ہوتی ہے۔

قفا: گردن کا پچھلا حصہ، پیچھے

قوسِ قزح: دھنک، وہ سات رنگی کمان جو برسات میں آسمان پر دکھائی دیتی ہے۔

قفل: تالا

(ک)

کفِ پا: پاؤں کا تلوا

کشن: مراد کرشن جی ہیں

کمک: مدد

کلاونت: خاندانی گویا، علم موسیقی کو بہت اچھی طرح جاننے والا گائک

کشود: کھول، کھلوائی

کوہکن: پہاڑ کھودنے والا

کرگس: گدھ

کفنی: فقیروں کا ایک لباس، کفن کا ایک حصہ

کفِ دریا: دریا کا جھاگ

کلبۂ احزاں: غم کا گھر

کلال: شراب بیچنے والا

کشت: کھیتی

کلولیاں: کھیلنا کودنا، باہم ہنسنا بولنا

کبک: چکور، آتش خوار۔ عموماً شاعروں نے اس کی چال کو معشوق سے تشبیہ دی ہے۔

کو بہ کو: گلی گلی، کوچہ کوچہ

(گ)

گنبد گردوں: آسمان (لفظی معنی گھومنے والا گنبد)

گل رخاں: جس کا چہرہ گلاب کی طرح ہو

گل عذار: جس کے گال پھول کے مانند ہوں

گلچیں: جو پھول چنے، مالی، مالن

گنجفہ: کھیلنے کا تاش

گنج: خزانہ

گل صد برگ: گیندے کا پھول

گہر: موتی

گلگیر: وہ مقراض جس سے چراغ یا شمع کا گل کترتے ہیں۔

گلگوں: گلاب کے رنگ کا، سرخ، فرہاد کی محبوبہ شیریں کے گھوڑے کا نام

گاہ بے گاہ: وقت بے وقت

گلابی: چھوٹی رنگین بوتل جس میں شراب اور گلاب رکھتے ہیں۔ شراب کا گلاس۔

گاو زمیں: ایک روایتی گائے جس کی سینگ پر زمیں دھری ہوئی فرض کی گئی ہے۔

گل گشت: پھولوں کی سیر، تفریح

گلخن: آگ کی جگہ بھٹی یا بھاڑ جس میں غلہ بھونتے ہیں اور مجازاً وہ جگہ جہاں کوڑا کرکٹ ڈالیں۔

(ل)

لیل و نہار: رات اور دن، شب و روز

لاتقنطو: ناامید نہ ہونا

لیلاب: عشق پیچاں

لوحِ تربت: قبر کے سرہانے کا پتھر جس پر تاریخ وفات وغیرہ لکھی جاتی ہے۔

لافتیٰ الا فتیٰ الا علیؑ: کوئی بہادر نہیں سوائے علی کے۔

(م)

مشبک: جس میں باریک باریک سوراخ ہوں، جالی دار چیز

مطعم: کھانے کی چیز

ملبس: لباس

مقرنس: پہاڑ کی چوٹی کی شکل کی عمارت، اونچی حویلی، بلند عمارت

مخمس: پانچ جز والی چیز، پانچ مصرعوں والی نظم

مرہم زنگار: ایک خاص قسم کا مرہم

مجمل: اجمال کیا گیا جو تفصیل کا محتاج ہو

مصحف: وہ چیز جس میں رسالے یا صحیفے جمع ہوں۔ مجازاً قرآن شریف

مطرب: گانے والا، مغنی، نغمہ سرا

مو بہ مو: تمام و کمال

مشاطہ: وہ عورت جو عورتوں کا بناؤ سنگھار کرائے۔

منقار: چونچ

میرزا: ہندستان میں مغل حکومت کا قومی لقب، ایران میں سید کا قومی لقب

مہوس: ہوس کیا ہوا۔

مچلا: جھگڑا، بکھیڑا

مجمر: وہ ظرف جس میں خوشبو کی چیزیں جلاتے ہیں

مستجاب: قبول

مفتاح: کنجی

مخطط: دھاری دار، خط کھینچا ہوا

منجم: نجومی، جوتشی

مقوس: کمان کی طرح ٹیڑھی چیز

ملتجی: التجا کرنے والا

موا: مر گیا، نگوڑا، نامراد، عورتیں جب کسی شخص یا چیز سے آزردہ ہوتی ہیں تو یہ کلمہ کمبخت، بدنصیب کی جگہ کہتی ہیں۔

من ہرن: محبوب، دل کو جیتنے والا، دل رُبا

میرزائی: دل داری

مکھڑا: چہرہ

مشتِ غبار: مٹھی بھر دھول

مشہد: حاضر ہونے کی جگہ، شہید ہونے کی جگہ، ایران کا ایک مشہور شہر

مسجود: سجدہ کیا گیا، جسے سجدہ کریں

مقدور: طاقت مجال، حوصلہ، گنجائش، حیثیت

مدفن: دفن ہونے کی جگہ، قبر، گور

مستزاد: اضافہ، غزل کی مخصوص شکل جس میں ہر مصرع کے بعد ایک رکن کا اضافہ ہوتا ہے۔

(ن)

نخچیر: شکارگاہ، شکار

ناہنجار: بدذات، بے طریقہ

نافہ: مشک والے ہرن کی پوٹلی جس میں مشک رہتی ہے۔

نیمچہ: چھوٹی تلوار

نیکو: اچھا، خوب عمدہ

نرگس: ایک پھول

نپٹ: ہرگز

نس دن: دن رات

نت: ہمیشہ

ناوک: ایک قسم کا چھوٹا تیر

نرگس بیمار: مخمور آنکھ، مست آنکھ

نے: بانسری، نرکل

ناقوس: سنکھ جو ہندو پوجا کے وقت بجاتے ہیں۔

(و)

واژگوں: اوندھا، منحوس

واحسرتا: ہائے افسوس، حیف

(ہ)

ہاتف: غیب کی آواز، نوائے سروش، غیب کی آواز دینے والا فرشتہ

(ی)

یوم الحساب: قیامت کا دن

یاقوت: لعل، ایک قیمتی پتھر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

نوٹ: طلبہ واساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

کلیاتِ میر (جلد اوّل)

مرتب: ظل عباس عباسی
صفحات : 870
قیمت : -/336روپے

کلیاتِ سراؔج

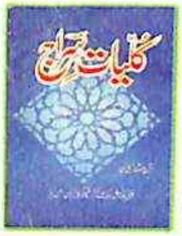

مصنف: سراؔج اورنگ آبادی
صفحات : 732
قیمت : -/138روپے

دیوانِ آبرو

مرتبہ: ڈاکٹر محمد حسن
صفحات : 377
قیمت : -/25روپے

دیوانِ اشرف علی خاں فغاںؔ

مرتبہ: سرورالہدیٰ
صفحات : 285
قیمت : -/123روپے

دیوانِ درد

مرتب: ڈاکٹر نسیم احمد
صفحات : 336
قیمت : -/160روپے

دیوانِ حسرتؔ عظیم آبادی

مرتبہ: ڈاکٹر اسماء سعیدی
صفحات : 484
قیمت : -/100 روپے

ISBN: 81-7587-169-5

कौमी काउन्सिल बराए फरोग़-ए-उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

National Council for Promotion of Urdu Language
West Block-1, R.K. Puram, New Delhi-110066